فیضِ نقشبند
ملفوظاتِ طیبات حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
فضل نور اکیڈمی
چک سادہ شریف (گجرات)
ZAHOOR KAZMI

بفیضانِ کرم

مخدوم اہلسنت شیخ طریقت الحاج پیر سید محمد معصوم شاہ گیلانی قادری

سجادہ نشین چک سادہ شریف گجرات

فیض نقشبند

مترجم: رئیس التحریر مولانا عبدالحکیم خان اختر شاہجہانپوری

حسب الارشاد

صاحبزادہ ابو المسعود سید محمد حسن شاہ گیلانی

ناشر ________ فضل نور اکیڈمی

بار اوّل ________ ۱۹۷۰

طابع ________

قیمت ________ =/ روپے

اہتمام سید محمد غوث علی شاہ گیلانی

تقسیم کار:

○ نوری کتب خانہ ○ دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ، لاہور

○ ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ / اردو بازار لاہور

○ مکتبہ نبویہ ○ گنج بخش روڈ لاہور

حرفِ آغاز

صاحبِ ملفوظات حضرت شاہ غلام علی نقشبندی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پاک و ہند کے اولیائے کبار سے ہیں۔ زینتِ ہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء) آپ کے وجود کو انتہائی غنیمت شمار کرتے تھے اور وہ حضرت محدث دہلوی کا بے حد احترام کرتے تھے۔ کیوں نہ ہو دونوں حضرات ہی اس وقت آسمان علم و عرفان کے شمس و قمر تھے۔ اگر دنیا بھر کے اہل علم اپنی علمی تشنگی بجھانے کیلئے شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کے گرد جمع ہو رہے تھے تو سلوک و جذبہ کے منازل طے کرنے کے خواہشمند دنیا کے گوشے گوشے سے شاہ غلام علی علیہ الرحمۃ کی خانقاہ مظہریہ میں جمع ہوتے رہتے تھے۔ گویا دونوں حضرات ہی شریعت و طریقت کے امام، مرجع خواص و عوام اور ظاہری و باطنی فیوض و برکات کے بحرِ رواں تھے جن سے ملتِ اسلامیہ کے دین و ایمان کی کھیتی سرسبز و شاداب ہوتی رہتی تھی۔

حضرت شاہ غلام علی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا آبائی وطن پنجاب کی ریاست

پٹیالہ ہے۔ اگرچہ عمر کی بائیس منزلیں طے کرنے کے بعد آپ ہمیشہ کے لئے دہلی کے ہو رہے تھے لیکن دہلی میں رہتے ہوئے بھی اپنا پنجابی ہونا بھلا نہیں بیٹھے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا: من ہموں یک مرد پنجابی نالائق کہ بودہ ہستم [1]

آپ ۱۱۵۶ھ/۱۷۴۳ء کو بٹالہ میں پیدا ہوئے۔ والد محترم نے آپ کا نام علی، والدہ ماجدہ نے عبدالقادر اور عم بزرگوار نے عبداللہ رکھا۔ تینوں نام غیبی ہدایات کے مطابق رکھے گئے چنانچہ آپ سے قریبی تعلق رکھنے والے سر سید احمد خاں صاحب نے اس سلسلے میں یہ وضاحت فرمائی ہے۔

"آپ کے پیدا ہونے سے پہلے ایک دفعہ آپ کے والد ماجد نے جناب حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ تمہارے ہاں عنقریب لڑکا پیدا ہونے والا ہے اس کو میرے ہمنام کرنا۔ اور آپ کی والدہ ماجدہ نے کسی بزرگ کو دیکھا کہ انہوں نے عبدالقادر آپ کا نام رکھا اور آپ کے عم بزرگوار نے جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اشارت سراپا بشارت سے عبداللہ آپ کا نام رکھا اور اسی سبب سے آپ کا اصلی نام عبداللہ اور عرف غلام علی تھا۔" [3]

---

[1] رؤف احمد رافت، شیخ؛ درالمعارف، مطبوعہ ترکی، ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء، ص ۳۵۔

[2] حضرت شاہ عبدالغنی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا سال ولادت ۱۱۵۸ھ لکھا ہے۔ (ضمیمہ مقامات مظہری، ص ۱۴۰) اور اسی لئے ولادت کا مادۂ تاریخ مظہر جود ۱۱۵۸ھ لکھا ہے لیکن اس ضمیمہ کو صفحہ ۱۳۹ پر جس جواہر علویہ کی تلخیص بتایا ہے اس کے مصنف حضرت رؤف احمد مجددی علیہ الرحمۃ نے درالمعارف کے صفحہ ۱۵۴ پر آپ کی ولادت کا سال ۱۱۵۶ ہی لکھا ہے۔

[3] سر سید احمد خاں؛ آثار الصنادید، طبع چہارم، مطبوعہ دہلی، ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء، ص ۶۲، ۶۳۔

رکتنے ہی حضرات نے آپ کے ولادت کی منظوم تاریخیں کہیں لیکن ایک صاحب دل کی کہی ہوئی یہ تاریخ ملاحظہ ہو ۔

چوں نجم چرخ ہُدیٰ حضرت غلام علی	شدہ ظہور فگن در جہاں ، جہاں شگفت
من ولادت شریفش چو جست رافت دل	"مہ سپہر ہدایت شدہ طلوع" بگفت [۱]

آپ کے والدِ ماجد کا اسمِ گرامی شاہ عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ ہے ۔ موصوف کا شمار اپنے وقت کے بزرگوں میں ہوتا تھا اور حضرت شاہ ناصر الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ ارادت رکھتے تھے ۔ والدِ ماجد چونکہ علم دوست اور صوفی منش تھے اس لیے شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن یہ کسے معلوم تھا کہ یہ نونہال ایسا تناور ہوگا کہ اس کی شاخیں نہ صرف پورے ملک میں پھیل جائیں گی بلکہ بیرونی ممالک کے کتنے ہی افراد اس کے سائے میں سکونِ قلب و جگر پائیں گے ۔ یہ کسے معلوم تھا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر آسمان علم و عرفان پر مہرِ درخشاں بن کر چمکے گا اور اپنی ضیا باری سے ایک دنیا کو منور کر کے بقعۂ نور بنا دیگا ۔ اسی لئے شاہ غلام علی دہلوی علیہ الرحمۃ کی ابتدائی زندگی کے حالات پہ پردہ پڑا ہوا ہے ۔ کس مدرسے میں تعلیم حاصل کی ؟ کن حضرات سے کسبِ علم و فن کیا ؟ کسی تذکرے نے ان امور کے چہرے پہ پڑے ہوئے پردے کو نہیں اٹھایا ۔ علم دوست حضرات نے جانفشانی سے کام لیا تو ممکن ہے کہ آپ کے ابتدائی دور کے بہت سے واقعے اور کتنے ہی حالات منظرِ عام پہ آ جائیں ۔

جب آپ کے توسن عمرِ رواں نے حیاتِ مستعار کی تقریباً اٹھارہ منزلیں طے کر لیں تو آپ کے والدِ محترم نے آپ کو دہلی طلب کیا وہ اپنے جگر گوشے کو اپنے مرشدِ برحق ، شاہ ناصر الدین قادری دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارادت مندوں میں شامل کرنا چاہتے تھے تعمیلِ ارشاد کی غرض سے تنہا [۹]

---

[۱] (الف) رحمان علی : تذکرہ علمائے ہند (ترجمہ اردو) مطبوعہ کراچی ، ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء ص ۳۶۴

(ب) سر سید احمد خاں ، آثار الصنادید ، طبع چہارم ، مطبوعہ دہلی ، ص ۴۶۴

غلام علی علیہ الرحمہ عازمِ دہلی ہوئے۔ ۱۱ رجب سنہ ۱۱۸۱ھ کو دہلی میں وارد ہوئے۔ والد ماجد باغ باغ ہو گئے لیکن یہ خوشی زیادہ دیر نہ رہ سکی کیونکہ چند ساعتوں کے بعد ان کے مرشدِ کامل کا وصال ہو گیا اور انہوں نے جو خواب دیکھا تھا اب اس کے شرمندۂ تعبیر ہونے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تھی۔ اس واقعے کو کاتبِ ملفوظات نے خود آپ کی زبانی یُوں نقل فرمایا ہے:

بعد ازاں حضرت ایشاں فرمودند کہ امروز روزِ وصال حضرت شاہ ناصر الدّین قادری ست کہ مزار پُر انوار ایشاں در حضرت دہلی بمحلہ حبش پورہ واقع ست بزار و متبرک بہ۔ مُرشدِ والد بزرگوار ایں ذرّۂ بے مقدار بودند کہ در شب گزشتہ ایں روز ازیں سرای فانی رخت بربستہ بودند و من ہم ہمیں روز از وطن خود آمدہ بودم۔ چوں دریں مکان کہ حضرت دہلی است رسیدم والدم بسیار خوش شدند کہ مرا از مرشدِ خود بیعت نمایند۔ اتفاقاً بعد از چند ساعات جناب مُرشد ایشاں اِرتحال فرمودند۔"

اس کے بعد مرشدِ برحق نے فرمایا کہ آج حضرت شاہ ناصر الدین قادری کا روزِ وصال ہے کہ جن کا مزار پُر انوار دہلی شریف کے محلہ حبش پورہ میں واقع ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے اور جس سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔ موصوف اس ذرّہ بے مقدار کے والد بزرگوار کے مُرشد تھے کہ اس روز (۱۱ رجب) سے پہلی رات کو اس سرائے فانی سے رختِ سفر باندھ کر چلے گئے اور میں اُسی روز اپنے وطن سے آیا تھا جب اپنے اس مکان میں پہنچا جو دہلی شریف میں ہے تو والد محترم بہت خوش ہوئے کیونکہ مجھے اپنے مرشد سے بیعت کروانا چاہتے تھے۔ اتفاق کی بات ہے کہ چند گھڑیوں کے بعد اُن کے مُرشد رحلت فرما گئے۔ [1]

---

[1] رؤف احمد مجددی الشیخ : درالمعارف، مطبوعہ ترکی، ص ۹۷

شاہ ناصر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال فرمانے کے باعث والد محترم نے آپ کو مجبوراً اختیار دے دیا کہ جس سے چاہو شرفِ ارادت حاصل کر لو۔ جواہر علویہ کے حوالے سے پروفیسر محمد اقبال مجددی نے اس واقعے کے بارے میں لکھا ہے۔

آپ کے والد نے فرمایا کہ ہم تو تمہیں اپنے پیر سے بیعت کروانا چاہتے تھے لیکن خدا کی رضا یہی تھی۔ اب تم جہاں اپنی باطنی کشائش معلوم کرو وہاں بیعت کر لو۔" [1]

سر سید احمد خاں صاحب نے اس سلسلے میں یوں وضاحت فرمائی ہے:۔

سنہ ۱۱۴۲ھ میں آپ کے والد ماجد نے اس ارادے سے دلی میں بلوایا کہ اپنے پیر شاہ ناصر الدین قادری سے جن کا مزار نئی عیدگاہ کے پیچھے ہے، بیعت کرا دی جائے۔ آپ کے پہنچنے سے پہلے شاہ ناصر الدین صاحب نے انتقال کیا اور جو کہ اللہ تعالیٰ کو اور ہی کچھ پردۂ غیب سے ظاہر کرنا تھا۔ یہ بات نقابِ خفاو حیز التوا میں رہی۔ تب آپ کے والدِ ماجد نے اجازت و اختیار دیا کہ جس سے چاہو بیعت کر دے" [2]

جب آپ عمرِ رواں کی تقریباً" بائیس منزلیں طے کر چکے تو حُسنِ اتفاق اور بخت کی یاوری سے مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ جیسے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ماہِ تاباں کی ضیا باریوں سے واقف ہوئے۔ چنانچہ سنہ ۱۱۶۷ھ میں دوبارہ دہلی آئے اور حضرت مرزا علیہ الرحمۃ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر بے ساختہ پکار اُٹھے :۔

---

[1] اقبال احمد مجددی پروفیسر: مقدمہ ملفوظات شریفہ۔ مطبوعہ لاہور، ۱۳۹۸ھ۔ ۱۹۷۸ء، ص ۱۵۔"

[2] سر سید احمد خاں: آثار الصنادید، مطبوعہ دہلی، ص ۴۶۳،

از بروئے سجدۂ عشق آستانے یافتم
سرزمینے بود منظور آسمانے یافتم

حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے ارادت مندوں میں شامل ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ایک روز حضرت مرزا صاحب نے اپنے ایک مرید سے ناراض ہو کر جو کشف و کرامت کا طالب تھا۔ فرمایا کہ جوان شعبدوں کا طلب گار ہے اُسے چاہیئے کہ ہماری خانقاہ سے چلا جائے جب شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ کو اس بات کا علم ہُوا تو حضورِ مرشد عرض گزار ہوئے کہ کیا آپ نے ایسا فرمایا ہے ارشاد ہوا۔ ہاں میں نے یہی کہا ہے۔ پھر عرض گزار ہوئے کہ اس سے آنجناب کی مرضی کیا ہے؟ فرمایا کہ ہمارے یہاں تو بغیر نمک کے پتھر کی سل کو چاٹنا پڑتا ہے یعنی استقامت کی پرورش کی جاتی ہے لیکن جو کشف و کرامت کا طالب ہو وہ کسی اور جگہ چلا جائے۔ شاہ غلام علی علیہ الرحمہ عرض گزار ہوئے کہ حضور! میں تو بغیر نمک کے پتھر کی سل چاٹنا چاہتا ہوں۔ ارشادِ گرامی ہوا کہ "تم اس خانقاہ میں رہ سکتے ہو۔" [1]

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ ظاہری اور باطنی کمالات سے مالا مال اور یگانۂ روزگار تھے جس علم و فن کی جانب توجہ فرمائی اُسی کے امام بن کر رہے۔ اُردو شاعری کے اندر وہ کمال حاصل تھا کہ ریختہ کے نقاشِ اوّل قرار پائے اور دبستانِ دہلی کے امام کہلائے۔ باطنی استعداد کو دیکھیئے تو آپ پر نقشبندِ ثانی ہونے کا گمان ہوتا تھا ایسی باکمال ہستی کے ہاتھوں تربیت پاتے اور سلوک کی منازل طے کرتے ہوئے حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ بے حد مسرور تھے اور قدم قدم پر زبانِ حال سے بے ساختہ یوں پکار اُٹھتے تھے۔

---

[1] رؤف احمد مجددی شیخ: درالمعارف مطبوعہ ترکی، ص ۹۰۔

ے سجدہ گاہِ عشق ہو، مطلوب تھا وہ آستاں
ڈھونڈتا تھا ئیں زمیں اور مل گیا ہے آسماں

حضرت شاہ غلام علی علیہ الرحمۃ صاحب استعداد تھے تھوڑے ہی عرصے میں کہیں سے کہیں جا پہنچے گویا۔

ع جلا کُندن نے پائی یہ زرِ خالص دمک اُٹھا۔

آپ نے کس درجہ کسبِ فیوض و برکات کیا اور کس منصب عالی پہ فائز ہوئے اس سلسلے میں سر سید احمد خانصاحب نے اپنی رائے یوں قلم بند کی ہے:۔

"بعد بیعت کے سالہا سال آپ نے پیر و مُرشد اپنے کی خدمت میں اوقات بسر کی اور وہ زہد و مجاہدہ اور ریاضت کی کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ دن بدن عروج کمال اور مشاہدۂ جمال شاہدِ بے زوال اور مکاشفہ اور ترقیات فائقہ ہوئی، یہاں تک کہ اپنے وقت کے شیخ الشیوخ اور صاحبِ ارشاد ہوئے اور تلقین وارشاد کا سلسلہ رُو بروئے اپنے پیر و مُرشد کے جاری فرمایا۔ اگرچہ آپ نے بیعت سلسلہ قادریہ میں کی تھی لیکن ذکر و اذکار و شغل و اشتغال طریقۂ علیہ نقشبندیہ مجددیہ میں جاری کیا اور سر طریقہ کی اجازت حاصل کی اور اپنے پیر و مرشد کے انتقال کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور حقیقت میں میرے اعتقاد بموجب اپنے پیر پر بھی فوق لے گئے۔" [1]

سر سید احمد خانصاحب کے بیانات ایک عینی شاہد کی گواہی سے کم نہیں۔ اگرچہ برٹش گورنمنٹ سے معاشقہ ہو جانے کے بعد تو موصوف پوری طرح جُون ہی بدل چکے تھے لیکن اپنے ابتدائی ایام میں وہ سنی مسلمان اور شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے قریب تھے۔ حضرت سے اپنے روابط کے بارے میں انہوں نے خود لکھا ہے:

---

[1] سر سید احمد خانصاحب: آثار الصنادید۔ مطبوعہ دہلی۔ ص ۔ ۴۶۴

"میرے تمام خاندان کو اور خصوصاً جناب والد ماجد کو آپ سے نہایت اعتقاد تھا اور میرے جناب والد ماجد اور میرے بڑے بھائی جناب اعتشام الدولہ سیّد محمد خاں بہادر مرحوم کو آپ ہی سے بیعت تھی اور آپ کی میرے خاندان پر اس قدر شفقت اور محبت تھی کہ میرے والد ماجد کو اپنے فرزند سے کم نہیں سمجھتے تھے۔" [1]

اور اپنے قرب کے بارے میں موصوف یہاں تک رقمطراز ہیں :-

"مَیں نے اپنے دادا کو تو نہیں دیکھا، آپ ہی کو دادا حضرت کہا کرتا تھا۔" [2]

مولوی رحمان علی (المتوفی ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء) نے شاہ غلام علی دہلوی علیہ الرحمہ کے تذکرے میں لکھا ہے :-

"مولانا غلام علی دہلوی۔ علوی بزرگ۔ مرزا مظہر جانِ جاناں کے مُرید، عارف کاملِ و [illegible] ظاہر و باطن کے [illegible] تھے۔" [3]

حضرت شاہ غلام علی [illegible] رحمۃ اللہ علیہ سلف کی مقدس یادگار تھے۔ سارا وقت ذکرِ الٰہی اور تربیت سالکین کے لئے وقف تھا اگرچہ ایک جہان آپ کا گرویدہ تھا لیکن آپ کو دنیاوی مال و متاع اور آرام و راحت سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ [4] اکابر نقشبندیہ کی طرح اتباعِ سنّت کا کمال اہتمام تھا۔ آپ کو دیکھ کر اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ کا مفہوم بخوبی سمجھ میں آجاتا تھا۔ مناسب نظر آتا ہے کہ آپ کے معمولات وغیرہ کا نقشہ سر سیّد احمد خاں صاحب

---

[1] سر سیّد احمد خاں صاحب : آثار الصنادید، مطبوعہ دہلی، ص ۴۶۷

[2] " " " " " ص ۴۶۸

[3] رحمٰن علی : تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص - ۳۶۴

[4] اقبال احمد مجددی، پروفیسر : مقدمہ ملفوظات شریفہ، ص ۱۰-۱۷

کے لفظوں میں پیش کر دیا جائے۔ موصوف ایک چشم دید شاہد کے بطور رقمطراز ہیں:۔

"آپ کی اوقات شریف نہایت منضبط تھی۔ کلام اللہ آپ کو حفظ تھا اور تحقیق قرأت بھی بہت خوب تھی۔ نمازِ صبح اوّل وقت ادا فرما کر دس سیپارہ کلام اللہ کے ختم فرماتے اور بعد اس کے حلقہ مُریدین جمع ہوتا اور تا نمازِ اشراق سلسلہ توجہ اور استغراق جاری رہتا۔ بعد ادا کرنے نمازِ اشراق کے تدریس حدیث اور تفسیر کی شروع ہوتی۔ جو لوگ اس جلسہ کے بیٹھنے والے ہیں ان سے پوچھا چاہیے کہ اس میں کیا کیفیت ہوتی تھی اور پڑھنے پڑھانے سننے سنانے والوں کا کیا حال ہوتا تھا:۔

جہاں نامِ رسولِ خدا آتا آپ بے تاب ہو جاتے اور اس بیتابی میں حاضرین پر عجیب کیفیت طاری ہوتی تھی۔ سبحان اللہ! کیا شیخ تھے۔ باقی باللہ اور عاشق رسول اللہ۔ علم حدیث اور تفسیر نہایت مستحضر تھا۔ اگرچہ باعتبار علوم نقلی خاتم المحدثین والمفسرین سے تعبیر کیا جائے تو بھی بجا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مجمع علوم پیدا کیا تھا کہ ہر ایک علم ظاہری اور باطنی میں درجہ کمال بہ انتہائے کمال حاصل تھا۔

بعد اس درس و تدریس کے آپ کچھ تھوڑا سا کھانا کہ عبادت معبود کو کافی ہوتنا ول فرما کر بہ اتباعِ سنتِ نبوی قیلولہ استراحت میں آرام کرتے۔ تھوڑی دیر بعد اوّل وقت نمازِ ظہر ادا فرما کر پھر درس و تدریس حدیث و تفسیر و فقہ اور کتب تصوف میں مشغول ہوتے اور نمازِ عصر تا نمازِ مغرب حلقۂ مُریدین جمع ہوتا اور ہر ایک آپ کی توجہ سے علو مدارج حاصل کرتا۔

ہمیشہ تمام رات آپ شب بیداری فرماتے تھے۔ شاید کہ گھڑی دو گھڑی مقتضائے بشریت غفلت آجاتی ہو۔ سو وہ بھی جا نماز پہ۔ برسوں آپ نے چارپائی پر استراحت نہیں فرمائی۔ اگر نیند کا بہت غلبہ ہوا۔ یونہی اللہ اللہ کرتے پڑ رہے۔ آپ کی خانقاہ میں عجب عالم ہوتا تھا۔ بوریہ کا فرش رہتا تھا اور اسی کے سرے پہ ایک مصلیٰ کبھی بوریا کا اور کبھی اور کسی چیز کا

پڑا رہتا تھا اور وہیں ایک تکیہ چمڑے کا رکھا رہتا۔ آپ دن رات اسی مصلے پر بیٹھے رہتے اور عبادتِ معبود کیا کرتے اور سب طالبین گرداگرد آپ کے حلقہ باندھے بیٹھے رہتے حق یہ ہے کہ ایسا برشتہ جان شیخ دیکھنے میں نہیں آیا اور میں تو اس بات پہ عاشق ہوں کہ باوجود اتنی آزادی اور خود رفتگی کے سرِمُو احکامِ شریعت سے تجاوز نہ تھا اور جو کام تھا، وہ بہ اتباعِ سنّت تھا۔ لقمۂ مشتبہ سے نہایت پرہیز کرتے اور مالِ مشتبہ ہرگز نہ لیتے۔ جو شخص خلافِ شرع اور سنّت ہوتا اس سے نہایت خفا ہوتے اور اپنے پاس اُس کا آنا گوارا نہ کرتے تھے۔“ [۱]

کاش! موجودہ گدّی نشین حضرات، جو آج مسندِ رُشد و ہدایت پہ فائز ہیں۔ وہ غور کریں کہ حضرت شاہ غلام علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات سے اُن کے اپنے معمولات کوئی مطابقت رکھتے ہیں یا نہیں؟ ——— کیا ان کے اوقات بھی اِسی طرح منضبط ہیں؟ کیا تلاوتِ قرآن مجید کا وہ خود ایسا روزانہ اہتمام کرتے ہیں؟ ——— کیا حدیث و تفسیر کی تدریس ان کے روزانہ مشاغل میں شامل ہے؟ ——— کیا عشقِ رسول ان کے رُوگ رُوپے میں اسی سمایا ہوا ہے؟ ——— کیا وہ بھی ظاہری اور باطنی علوم کی دولت سے مالا مال ہیں؟ کیا وہ بھی صرف اتنا ہی کھاتے ہیں کہ طاقتِ عبادت آئے اور زندگی قائم رہے؟ ——— شب بیداری کا وہ کس حد تک روزانہ اہتمام کرتے ہیں؟ ——— دنیاوی آرام و راحت سے وہ کس درجہ کنارا کش ہیں؟ ——— ان کی اپنی زندگی میں سادگی کا کس حد تک اہتمام ہے؟ ——— اِتباعِ سنّت کا وہ کس درجہ اہتمام فرماتے ہیں؟ ——— لقمۂ مشتبہ کھانے سے وہ کس درجہ گریز کرتے ہیں؟ ——— جو کچھ نذرانوں کی صورت میں وصول کرتے ہیں وہ اپنی ذات کے لئے وصول کرتے ہیں یا مخلوقِ خدا کی خدمت اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے؟ ——— کتاب و سنّت کی خلاف ورزی کرنے والوں سے ان کا تعلق کیسا ہوتا ہے؟

---

[۱] سرسید احمد خاں: آثار الصنادید، مطبوعہ دہلی، ۱۹۶۵ء، ص ۴۶۵ - ۴۶۶

—— امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو وہ کس حد تک ادا کرنے کا اہتمام فرماتے رہتے ہیں؟

رشد و ہدایت کی گدیوں پر براجمان ہونے والے اگر حقیقت میں رشد و ہدایت کے متوالے بن جائیں تو ملک و ملت کی فضاؤں میں ایک نورانی انقلاب آجائے —— کشتِ ایمان سرسبز ہو جائے —— رحمت کے دروازے چوپٹ کھل جائیں —— جہنم کے دروازے بند ہو جائیں —— شیاطین منہ چھپانے لگیں —— قوم کے بھلے دن آنے لگیں —— ترقی و کامرانی پھر ملتِ اسلامیہ کا مقدر ہو کر رہ جائے —— شعائرِ اسلام کی حرمت ہونے لگے —— غیر شرعی اُمور کے ارتکاب کی علی الاعلان کسی کو جراُت نہ ہو —— گمراہوں اور بد مذہبوں کا دیوالہ نکل جائے —— غیر اسلامی نظریات کو اسلامی مملکت میں پھلنے پھولنے کا کوئی موقع میسر آ ہی نہ سکے —— کیا ان حضرات نے صورتِ حال کا مطالعہ کر کے یہ جراُت مندانہ اعلان کیا ہے،

؎ اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ آذاں، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

شاہ غلام علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ کا منہ بولتا ثبوت اور صبر و قناعت کا پیکر تھے۔ آپ کے خانقاہی نظام کے بارے میں سر سید احمد خاں صاحب نے یہ وضاحت بھی فرمائی ہے :۔

> "سبحان اللہ! کیا آزادی تھی کہ مطلق دنیا کا لگاؤ نہ تھا۔ اللہ اللہ! کیا اطاعتِ سُنّت تھی کہ سرِ مُو بھی فرق نہ تھا۔ توکّل تو اس درجہ پر تھا کہ کبھی کسی طرح کا خیال دل میں نہ آتا۔ اُمرا اور بادشاہ دل میں آرزو رکھتے تھے کہ ہم خانقاہ کے فقرا کے لئے کچھ وظیفہ مقرر کریں، ہرگز آپ منظور نہ فرماتے۔ ایک دفعہ نواب امیر الدولہ، امیر محمد خاں والیٔ ٹونک نے بہت التجا سے درخواست

تقرر وظیفہ کی، اُس کے جواب میں آپ نے صرف یہ شعر لکھ بھیجا:"

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم
با میر خاں بگوی کہ روزی مقررست[1]

خانقاہ میں رہنے والے فقرائے طالبین و سالکین اور خود شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بود و باش، خورد و نوش وغیرہ میں یکسانیت کا ذکر کرتے ہوئے سرسید احمد خاں صاحب نے یہ بھی لکھا ہے:

حضرت کی خانقاہ میں پانچ سو سے کم فقیر نہیں رہتا تھا اور سب کا روٹی کپڑا آپ کے ذمہ تھا اور باوجودیکہ کہیں سے ایک حبہ مقرر نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ غیب الغیب سے سب کام چلاتا تھا۔ اس پر فیاضی اور سخاوت اس قدر تھی کہ کبھی سائل کو محروم نہیں پھیرا۔ جو اس نے مانگا وہی دیا۔ جو چیز عمدہ اور تحفہ آپ کے پاس آتی اس کو بیچ کر فقراء پر صرف کرتے اور جیسا گزی گاڑھا موٹا تمام فقیروں کو میسر ہوتا ویسا ہی آپ بھی پہنتے اور جو کھانا سب کو میسر ہوتا وہی آپ کھاتے بھلا غور کرو کہ بشر کی طاقت ہے کہ ایسی بات کر سکے۔"[2]

کیا ہمارے موجودہ پیرانِ عظام کے پاس جو نذرانے آتے ہیں اور جن ذرائع سے بھی اُنہیں آمدنی ہوتی ہے وہ طالبین ہی کے لئے وقف ہوتی ہے؟ ــــــــ کیا یہ حضرات بھی اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ کو اپنا سرمایۂ زندگی بنائے ہوئے ہیں؟ ــــــــ کیا ان کی بود و باش اور خورد و نوش کے اہتمام میں فقیری کی بُو موجود ہوتی ہے؟ ــــــــ کیا یہ حضرات بھی

---

[1] (الف) سرسید احمد خاں: آثار الصنادید، مطبوعہ دہلی۔ ص ۴۶۴
(ب) محمد ایوب قادری، پروفیسر: (اردو ترجمہ) تذکرہ علمائے ہند، مطبوعہ کراچی ص ۳۶۵

[2] سرسید احمد خاں: آثار الصنادید، مطبوعہ دہلی۔ ص ۴۶۵

ویسا ہی کھاتے اور پہنتے ہیں جو فقرا کو میسر آتا ہے؟ ــــــ کہیں دنیائے جیفہ کے مال و متاع پر تو ان حضرات کی نظر نہیں ہوتی؟ ــــــ یہ حضرات بھی طالبین کے تزکیۂ نفس اور اُن کے دلوں کی صفائی کرنے میں ہی مشغول رہتے ہیں یا مریدوں کے دلوں کو صاف کرنے کے بجائے محض ان کے جیبیں صاف کرنے پر ہی نظر مرکوز رہتی ہے؟ ان حضرات کے مریدین و متوسلین کو اپنے بزرگوں سے کہیں یہ شکایت تو نہیں ہوتی

ع
ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی!
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مرجعیت کا یہ عالم تھا کہ نہ صرف متحدہ ہندوستان کے گوشے گوشے سے آکر طالبین و سالکین نے انہیں گھیرے میں لیا ہوا تھا اور اس شمع ولائت پر پروانہ وار نثار رہتے تھے بلکہ بیرونی ممالک کے کتنے ہی حضرات اپنی روحانی پیاس بجھانے اور اپنی روحانی و عرفانی کھیتی کو اس بحرِ رواں کی طغیانیوں سے سیراب کر کے سرسبز و شاداب بنانے کی خاطر عازمِ دہلی ہوتے اور خانقاہِ مظہریہ میں آکر آپ کے قدموں میں پڑے رہتے۔ فقرائے خانقاہ کی خدمت گزاری کو سرمایۂ افتخار سمجھتے اور شب و روز علم و عرفان کے انمول موتی اور رشد و ہدایت کے لعل و گہر جمع کرنے میں مصروف رہتے جو یہ مردِ حق آگاہ ہر وقت لٹاتا رہتا تھا ــــــ خلقِ خدا پروانہ وار دنیا کے ہر گوشے سے آپ کی جانب اس طرح دوڑ رہی تھی جس طرح پیاسا کنوئیں کی طرف جاتا ہے۔ اس سلسلے میں زیرِ نظر ملفوظات کے مرتب یعنی حضرت رؤف احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مشاہدہ یوں قلمبند فرمایا ہے:۔

جمع معتقدان باخلاص و مخلصان	خالص اعتقاد رکھنے والے اور
باختصاص بیشمار ست کہ مردمان	خاص مخلص لوگوں کا بیشمار مجمع ہے
از سمرقند و بخارا و غزنی و تاشقند	یعنی لوگ سمرقند، بخارا، غزنی، تاشقند

(تاشقند) و حصار و قندھار و کابل و	حصار، قندھار، کابل، پشاور، ملتان
پیشور (پشاور) و ملتان و کشمیر و لاہور	کشمیر، لاہور، سرہند، امروہہ سنبھل
و سرہند و امروہہ و سنبھل و بریلی و	بریلی، رامپور، لکھنؤ، جالس،
رامپور و لکھنو جالیس و بہرائچ و	بہرائچ، گورکھپور، عظیم آباد،
گورکھپور و عظیم آباد و ڈھاکہ و بنگالہ و	ڈھاکہ و حیدر آباد و پونا وغیرہا
حیدر آباد و پونا وغیرہا بطلب حق	دیار و امصار سے لوگ حق جل و علا کی
جل و علا او طان خود گذاشتہ	طلب میں اپنے اپنے وطن کو چھوڑ کر آپ کی
آمدہ بودند" [1]	خدمت میں آئے ہوئے ہیں۔

سرسید احمد خاں صاحب نے آپ کی مرجعیت کے بارے میں اپنا مشاہدہ یوں قلمبند کیا ہے:۔

"آپ کی ذات فیض آیات سے تمام جہان میں فیض پھیلا اور ملکوں ملکوں کے لوگوں نے ان کی بیعت اختیار کی۔ میں نے حضرت کی خانقاہ میں اپنی آنکھ سے روم اور شام اور بغداد اور مصر اور چین اور حبش کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ حاضر ہو کر بیعت کی اور خدماتِ خانقاہ کو سعادتِ ابدی سمجھے اور قریب قریب کے شہروں کا مثل ہندوستان اور پنجاب اور افغانستان کا تو کچھ ذکر نہیں کہ ٹڈی دل کی طرح امنڈتے تھے۔" [2]

اس سلسلے میں خود حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمایا ہے:۔

باطرافِ بعیدہ فیض ما رسیدہ است	دُور دراز ممالک تک ہمارا فیض پہنچ گیا
در حضرت مکہ معظمہ حلقہ ما می نشیند و	ہے۔ مکہ معظمہ میں ہمارا حلقہ ہوتا ہے اور

---

[1] رؤف احمد مجددی، شیخ: درالمعارف، مطبوعہ ترکی، ص ۶۵

[2] سرسید احمد خاں: آثار الصنادید، مطبوعہ دہلی، ص ۳۶۴-۳۶۵

در حضرت مدینہ منورہ حلقہ ما می نشیندد	مدینہ منورہ میں ہمارا حلقہ ہوتا ہے
در بغداد شریف و در روم و در مغرب	اسی طرح بغداد، روم اور مغرب (مغربی
حلقہ ما می نشیندو بطریق مطائبہ	ممالک) میں ہمارا حلقہ ہوتا ہے اور مزاحیہ
فرمودند بخارا خود خانۂ پدرِ ماست	انداز میں فرمایا کہ بخارا تو ہمارا آبائی گھر
؎۱	ہے۔

حضرت شاہ غلام علی نقشبندی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فیض یُوں تو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچا اور آپ کے سبب سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کو بہت فروغ ہوا لیکن اس فیض کو پھیلانے میں مولانا خالد رومی رحمۃ اللہ علیہ کا (المتوفی ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء) کی مساعی جمیلا کو بڑا دخل ہے موصوف کا شمار آپ کے نامور خلفاء میں ہوتا ہے اور وہ علم و عرفان کے مجمع البحرین یا جامع جمیع کمالات علمیہ و روحانیہ تھے حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء) نے ملفوظات چہل روزہ میں لکھا ہے کہ ایک روز شاہ غلام علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ـــــــ بعض لوگ کہتے ہیں کہ " حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قسمت تھی کہ انہیں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جیسا مرید میسّر آیا اور یہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی قسمت تھی کہ انہیں شیخ آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ جیسا مرید مل گیا لیکن یہ میری قسمت ہے کہ مجھے حضرت مولانا خالد رومی رحمۃ اللہ علیہ جیسا مرید میسّر آیا ہے " ؎۲

حضرت مولانا خالد رومی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے اس عظیم الشان کارنامے کا خود بھی بخوبی احساس تھا چنانچہ انہوں نے شاہ غلام علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین یعنی شاہ

؎۱ غلام محی الدین قصوری، شیخ: ملفوظات شریفہ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء، ص ۱۶۲۔

؎۲

ابوسعید مجددی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء) کے نام ایک خط میں اس خوش بختی اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی نشر و اشاعت کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ مولانا نور بخش توکلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) نے اُس خط سے ایک اقتباس کا ترجمہ یوں پیش کیا ہے :۔

غریب و مہجور خالد کردی شہرزوری عرض کرتا ہے کہ ایک قلم تمام مملکت روم و عربستان اور دیارِ حجاز و عراق اور عجم کے بعض ملک اور سارا کردستان طریقہ عالیہ مجددیہ کے جذبات و تاثرات سے سرشار ہے اور حضرت امام ربانی مجدد الفِ ثانی قدس سرہ السامی کا ذکر اور ان کے محامد رات دن محفلوں اور مجلسوں اور مسجدوں اور مدرسوں میں ادنیٰ و اعلیٰ کے اس طرح زبان زد ہیں کہ کبھی کسی قرن اور کسی اقلیم میں گمان نہیں کہ گویا زمانہ نے اس زمزمہ کی نظیر سنی یا دیکھی ہو اور گردش کرنے والے آسمان نے ایسی رغبت اور ایسا اجتماع دیکھا ہو۔" [1]

مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۱۹۵ھ) کی طرح شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانے میں بھی خانقاہِ مظہریہ کو رشد و ہدایت کے لحاظ سے مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ متحدہ ہندوستان کا گوشہ گوشہ آپ کے انوار سے جگمگا رہا تھا۔ اگر علمی لحاظ سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس وقت پوری دنیا میں اہلِ علم کے مرجع تھے تو سلوک و تصوف سے دلچسپی رکھنے والوں کی منزلِ مقصود شاہ غلام علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی تھے۔ آپ نے خانقاہ مظہریہ سے فیض کا ایسا دریا بہایا جس نے ایک دنیا کو سیراب کر کے رکھ دیا۔ رشد و ہدایت کے وہ گہر ہائے آبدار بکھیرے کہ مخلوقِ خدا

---

[1] نور بخش توکلی، مولانا: تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، مطبوعہ معارف پریس لاہور ۱۹۷۶ء۔

کو مالا مال کر دیا۔ قلوب و نفوس کو دنیا کی آلائشوں سے پاک کر کے انہیں خالق کی محبت اور نورِ معرفت سے لبریز کر دیا۔ غرضیکہ آپ عمر بھر علم و عرفان کی عطر بیزی و عطر ریزی ہی کرتے رہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سلسلے میں کسی بڑی سے بڑی طاقت کو بھی خطرے میں نہ لائے۔ اُمراء و حکام اور بادشاہِ وقت تک کو تلقین کرتے کہ خوفِ خدا و خطرۂ روزِ جزا ملحوظِ خاطر رہے۔ کسی غلط کام کو دیکھتے تو منع کرنے میں بادشاہ کی پرواہ بھی نہ کرتے اور افضل الجہاد عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ پر عمل کرتے۔

آخر کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ کے تحت آپ کو بھی اس جہانِ فانی سے عالمِ جاودانی کی جانب رختِ سفر باندھنا پڑا۔ شاہ ابوسعید مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا کیونکہ معلوم ہو رہا تھا کہ عمرِ رواں کا توسن اپنے سفر کی چراسی منزلیں طے کرنے کے بعد پوری طرح تھک چکا ہے اور رحمتِ خداوندی کے سایہ میں آرام کرنا چاہتا ہے۔ قانونِ قدرت کے مطابق ۲۲ صفر المظفر سنہ ۱۲۴۰ھ کو اس مردِ حق آگاہ نے جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ع
کیا تیزیاں ہیں ابلقِ لیل و نہار کی
جمتی نہیں ہے ران کسی شہسوار کی

حضرت شاہ غلام علی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی باقیاتِ صالحات میں آپ کے خلفائے عظام اور تصانیفِ عالیہ ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز اور ان کے خلفاء کے بعد سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی جو خدمت قسّامِ ازل نے شاہ غلام علی اور ان کے خلفاء کے نام لکھی وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ آپ کے تمام خلفاء کا ذکر کرنا تو بہت مشکل ہے لیکن چند مشہور ہستیوں کے اسمائے گرامی پیشِ خدمت ہیں:۔

۱۔ حضرت شاہ ابوسعید مجددی رامپوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۳ء)

۲۔ حضرت شاہ احمد سعید مجددی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ھ / سنہ ء)

۳۔ حضرت مولانا خالد کردی رومی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۴۲ھ/ ۱۸۲۶ء)

۴۔ حضرت مولانا سید اسمٰعیل مدنی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ھ/ سنہ ء)

۵۔ حضرت شاہ رؤف احمد رافت مجددی (المتوفی ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء)

۶۔ حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۴ء)

حضرت شاہ غلام علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض کا دریا ہمیشہ جاری رہتا تھا۔ ہر وقت آپ علم و عرفان کے دریا بہاتے رہتے تھے اس لئے طالبین و سالکین کا ہمہ وقت آپ کے پاس جمگھٹا رہتا تھا۔ ایک دنیا آپ کی جانب اُمڈ پڑی تھی۔ لوگ شبانہ روز یوں کشاں کشاں آپ کی جانب لپک رہے تھے جیسے پیاسا پانی کی طرف دوڑتا ہے۔ آپ رشد و ہدایت کے موتی بکھیرتے رہتے اور آنے والے حسبِ استطاعت اپنی اپنی جھولیاں بھرنے میں مصروف رہتے تھے۔ آپ کے بعض ملفوظات بھی جمع کئے گئے جو دستیاب ہیں جہاں آپ علم و فضل میں اپنی نظیر آپ تھے اسی طرح صاحبِ قلم بھی تھے۔ آپ کی بعض تصانیف اور ملفوظات کے مجموعے حسبِ ذیل ہیں :۔

۱۔ مقاماتِ مظہری :۔ اس میں اپنے پیر و مرشد مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و کمالات لکھے ہیں۔ پروفیسر اقبال احمد مجددی سلمہٗ کا غالب گمان ہے کہ یہ ۱۲۱۱ھ/ ۱۷۹۶ء میں لکھی گئی تھی۔

۲۔ ایضاح الطریقت :۔ یہ رسالہ ۱۲۱۲ھ کی تصنیف اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اصول، اذکار، اور اصطلاحات کے بیان پر مشتمل ہے۔

۳۔ احوالِ بزرگاں :۔ ۱۲۲۵ھ کے بعد یہ رسالہ لکھا جس میں بعض اولیائے کبار کے مختصر حالات ہیں۔

۴۔ مقاماتِ مجدد الف ثانی :۔ یہ رسالہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے حالات و کمالات پر مشتمل اور بڑی افادیت کا حامل ہے۔ مختلف حضرات کے پاس اس کے قلمی

نسخے تو موجود ہیں، جو زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوئے۔ کاش یہ ایمان افروز مجموعہ طبع ہو کر منصّۂ شہود پہ جلوہ گر ہو جاتے۔

۵- طریقِ بیعت و اذکار :- یہ مختصر رسالہ رسائل سبع سیارہ میں شامل ہے۔

۶- طریقۂ شریفہ شاہ نقشبند :- یہ مختصر رسالہ بھی رسائل سیارہ میں شامل اور مجموعہ مکاتیب شریفہ میں موجود ہے۔

۷- احوال شاہ نقشبند :- یہ مختصر رسالہ بھی رسائل سبع سیارہ اور مجموعہ مکاتیب شریفہ میں شامل ہے۔

۸- رسالہ اذکار :- یہ چھوٹا سا رسالہ بھی رسائل سبعہ سیارہ میں موجود ہے۔

۹- رسالہ مراقبات :- یہ مختصر رسالہ بھی رسائل سبع سیارہ اور مکاتیب شریفہ میں شامل ہے

۱۰- ردِّ اعتراضات : شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک وقت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی بعض کشفی باتوں سے اختلاف ہوا اور وہ اعتراضات کر بیٹھے جن سے بعد میں انہوں نے رجوع بھی کر لیا تھا جیسا کہ اللہ والوں کی شان ہے۔ بعض لوگ شیخ محقق کے ان اعتراضات کی آڑ میں اپنی طبیعت کی کجی کے باعث مجدد اعظم قدس سرہ کو مطعون کرتے تھے۔ اس لئے آپ نے حضرت شیخ محقق علیہ الرحمۃ کے اعتراضات کا علمی جواب لکھا۔ یہ تحقیقی رسالہ بھی سبعہ سیارہ میں شامل اور اپنی شان میں سب سے نرالا ہے۔

۱۱- ردِّ مخالفین حضرت مجدد :- نفسِ مضمون نام سے ظاہر ہے۔ یہ رسالہ بھی رسائل سبعہ سیارہ میں شامل ہے۔

۱۲- رسالہ مشغولیہ : یہ مختصر رسالہ تا حال شائع نہیں ہوا ہے۔

۱۳- کمالات مظہری :- یہ رسالہ ۱۲۳۷ھ / ۱۸۲۱ء کی تصنیف ہے۔

۱۴- سلوک راقیہ نقشبندیہ :- اس کا ایک قلمی نسخہ مدینہ منورہ میں بتایا جاتا ہے۔

۱۵۔ مکاتیب شریفہ :۔ یہ آپ کے ایک سو چھبیس مکتوبات کا مجموعہ ہے جنہیں آپ کے جلیل القدر خلیفہ یعنی حضرت شاہ رؤف احمد مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جمع کیا تھا۔ یہ مجموعہ ۱۳۳۲ھ میں مدراس سے، ۱۳۷۱ھ میں لاہور سے اور ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء میں استنبول (ترکی) سے شائع ہو چکا ہے۔

۱۶۔ درالمعارف :۔ یہ آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جنہیں حضرت شاہ رؤف احمد رافت مجددی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲۳۱ھ میں قلمبند کیا تھا۔ آخر میں بعض ملفوظات ایسے بھی شامل کئے گئے ہیں جو بعد میں سُنے گئے تھے۔ یہ مجموعہ صاحب ملفوظات اور مرتب کے فضل و کمال کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ مبارک مجموعہ مختلف مقامات سے شائع ہوتا رہا ہے اور ۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء میں استنبول (ترکی) سے بھی شائع ہوا ہے جو مجتبائی المطابع دہلی کے مطبوعہ نسخے کا عکس ہے۔

۱۷۔ ملفوظات طیبہ :۔ یہ چہل روزہ ملفوظات ہیں جنہیں آپ کے خلیفہ، مولانا غلام محی الدین قصوری رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کیا تھا اور یہ مجموعہ اُردو ترجمہ کے ساتھ ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء میں لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

غرضیکہ شاہ غلام علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے رشد و ہدایت کی جو شمع روشن کی تھی وہ انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک روشن رہے گی اور بندگانِ خدا ہمیشہ اس روشنی سے مستفیدو مستفیض ہوتے رہیں گے۔ خلفاء اور تصانیف کے لحاظ سے اس مردِ حق آگاہ کا فیض آج کے دن تک پوری آب و تاب سے جاری و ساری ہے۔ اِس شمعِ ہدایت سے اکتسابِ فیض کرنے والوں کی آج بھی کمی نہیں ہے۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔

ؔ ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

زیرِ نظر ملفوظات کے جامع و مرتب حضرت شاہ رؤف احمد رافت رامپوری رحمۃ اللہ علیہ

ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۴؍ محرم الحرام ۱۲۰۱ھ کو مُصطفٰے آباد (رامپور) میں ہوئی۔ جدِّ امجد نے آپ کا تاریخی نام رحمٰن بخش رکھا تھا۔ آپ حضرت مجدّد الفِ ثانی قدس سرہٗ کی اولادِ امجاد سے ہیں سِلسلہ نسب یُوں ہے :۔ حضرت رؤف احمد بن حضرت شعور احمد بن حضرت محمد شرف بن حضرت شیخ رضی الدین بن حضرت شیخ زین العابدین بن حضرت شیخ محمّد یحییٰ بن حضرت مجدّد الفِ ثانی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

سنِ شعور کو پہنچنے پر جب آپ نے علومِ عقلیہ و نقلیہ میں سندِ فراغت حاصل کرلی تو راہِ سلوک پر گامزن ہونے اور رُوحانی منزلیں طے کرنے کا شوق دامنگیر ہُوا اور یہی شوق آپ کو حضرت شاہ فیض بخش رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ تک لے گیا جن کا لقب حضرت شاہ درگاہی رحمۃ اللہ علیہ ہے اور جو مادر زاد ولی ہونے کے ساتھ دیار و امصار میں مشہور تھے شاہ درگاہی علیہ الرحمۃ کو حضرت حافظ سیّد جمال رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت اور جانشینی کا شرف حاصل ہُوا تھا اور وہ حضرت شاہ قطب الدین محمد اشرف حیدر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے کامل ترین خلفاء سے تھے موصوف کا شمار خواجہ محمد زبیر بن شیخ محمد یحییٰ بن حضرت مجدّد الفِ ثانی (رحمۃ اللہ علیہم) کے نامور خلفاء میں ہوتا تھا۔ آپ نے سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی تھی۔ پندرہ سال مرشدِ برحق سے کسبِ فیض کرتے رہے اور چھ خانوادوں یعنی قادریہ نقشبندیہ چشتیہ (صابریہ، نظامیہ) سُہروردیہ، کبرویہ اور مداریہ میں مجاز قرار پائے۔

حضرت شاہ درگاہی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ھَلْ مِنْ مَّزِیْد کی تڑپ آپ کو القائے ربّانی کے تحت خاندانِ عالیہ نقشبندیہ کے چشم و چراغ حضرت شاہ عبداللہ المعروف بہ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئی۔ خاندانِ مجددیہ کے اِس گوہرِ نایاب یعنی حضرت رؤف احمد رافت نے جب شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ آسمانِ فضل و کمال کے نیّرِ تاباں ہیں اور رشد و ہدایت کے آفتابِ نصف النہار بن کر اپنی ضیاء باری سے دنیا کو بُقعۂ نُور بنا رہے ہیں تو ہزار جان سے قربان ہوکر بے ساختہ پکار اُٹھے۔

س سجدہ گاہِ عشق ہو مطلوب تھا وہ آستاں
ڈھونڈتا تھا میں زمیں اور مل گیا ہے آسماں (اختر)

حضرت غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی معرفت سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے مقامات طے کئے اور مطلق اجازت سے نوازے گئے۔ ساتھ ہی دیگر سلسلوں کی اجازت اور طریقہ قلندریہ کی خلافت عامہ سے مشرف ہوئے۔ شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ جیسی یگانۂ روزگار ہستی کی زیر نگرانی شاہ رؤف احمد علیہ الرحمہ کی ذاتی استعداد نے اپنے جوہر خوب کھل کر دکھائے اور سلوک و تصوف کے انتہائی مقام کو چھونے میں کامیاب ہو گئے، گویا:-

جلا کُندن نے پائی یہ زرِ خالص دمک اُٹھا

مولوی رحمان علی مرحوم آپ کے تذکرے میں یوں رقم طراز ہیں:-

"شاہ رؤف احمد نقشبندی، مجددی، مصطفیٰ آبادی۔ شاہ ابو سعید دہلوی کے خالہ زاد بھائی تھے۔ فقیہ، محدث اور مفسر تھے۔ ظاہری علوم کی تحصیل مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی سے کی۔ خاندان نقشبندیہ میں خرقۂ خلافت شاہ غلام علی دہلوی سے پایا اور بھوپال میں مقیم ہو گئے۔ اُردو زبان میں تفسیر رؤفی لکھی۔ اس کا آغاز ۱۲۲۹ھ/۱۸۲۲ء میں اور اختتام ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء میں ہوا۔ اپنے مرشد کے ملفوظات دار المعارف[ع] کے نام سے لکھے۔ دیوان رأفت ہندی اور فارسی اشعار میں ان کی تصنیف ہے۔ اشعار میں رأفت تخلص کرتے تھے۔ بھوپال سے حج بیت اللہ کے ارادے سے روانہ ہوئے تھے کہ جہاز کی سواری میں سنہ ۱۲۰۳ھ/سنہ ۱۷۸۶ء[ع] میں فوت ہوئے۔"[1]

ع: اِن ملفوظات کے مجموعے کا نام دُرّ المعارف ہے۔ دار المعارف شاید سہواً لکھا گیا ہے۔

ع: جب تفسیر رؤفی کی ابتدا انہوں نے ۱۲۲۹ھ میں کی اور وہ ۱۲۴۸ھ میں مکمل ہوئی تو مصنف کی وفات ۱۲۰۳ھ میں لکھنا سہواً ہے یا اسے کتابت کی غلطی کہہ سکتے ہیں۔ پروفیسر محمد ایوب قادری نے اس کے حاشیہ میں آپکا سال وفات ۱۲۴۹ھ لکھا ہے جبکہ دُرّ المعارف مطبوعہ ترکی کے آخر میں ۷؍ ذیقعد ۱۲۵۳ھ درج ہے یہی تاریخ درست نظر آتی ہے اور تذکرہ علماء ہند میں ۱۲۵۳ھ کی جگہ ۱۲۰۳ھ لکھا گیا ہے۔ [1] محمد ایوب قادری، پروفیسر: تذکرہ علماء ہند (اُردو ترجمہ) مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء ص ۱۹۸۔

شاہ رؤف احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ جہاں ولیٔ کامل تھے وہاں علومِ ظاہری میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف میں کمال حاصل تھا۔ صاحبِ طرز ادیب اور با کمال شاعر تھے جرأت سے شاعری میں شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ فارسی، اردو اور ہندی میں شعر کہتے اور خوب کہتے تھے تینوں زبانوں میں آپ کے مجموعۂ اشعار موجود ہیں۔ آپ کی بعض تصانیف یہ ہیں:۔

۱۔ تفسیر رؤفی (اُردو)	۷۔ سلوک العارفین (فارسی)
۲۔ درّ المعارف (فارسی)	۸۔ معراج نامہ (اُردو)
۳۔ جواہر علویہ (فارسی)	۹۔ مثنوی یوسف زلیخا (اُردو)
۴۔ دیوان رافت۔	۱۰۔ رسالہ صادقہ مصدوقہ۔
۵۔ مثنوی اسرارِ غیب۔	۱۱۔ شرابِ رحیق (فارسی)
۶۔ مراتب الوصول۔	۱۲۔ ارکانِ اسلام (اُردو)

زیرِ نظر ملفوظات المعروف بہ درالمعارف کا اُردو ترجمہ پیش کرنا بایں غرض ہے کہ زمانۂ حال میں جبکہ بے راہ روی عام ہو چکی ہے، اکثر مسلمان کہلانے والے دولت کمانے کی دوڑ میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔ دینی کتب کے مطالعے کا شوق دلوں سے بڑی حد تک نکل گیا ہے جو مطالعہ کا شوق رکھتے ہیں وہ صرف ایسی کتابوں کو ہاتھ لگاتے ہیں جو تفریح کا سامان فراہم کریں یا جن سے صرف ذہنی عیاشی حاصل ہو سکے۔ ایسے حالات میں یہ مناسب نظر آیا کہ بزرگانِ دین کے ارشاداتِ عالیہ کو آسان اُردو میں پیش کیا جائے تاکہ جو سعادت مند بزرگوں سے اس گئے گزرے دور میں بھی وابستہ ہیں اُنہیں استقامت حاصل ہو اور جو حضرات تصوف کا نام سُن کر ناک بھوں چڑھاتے ہیں انہیں معلوم ہو جائے کہ یہ زہر نہیں بلکہ تریاق ہے یہ افیون نہیں بلکہ اکسیر ہے۔ یہ دنیا سے راہِ فرار اختیار کرنے والوں کا راستہ نہیں بلکہ زندۂ جاوید ہونے والوں کا طریقہ ہے۔ تصوف کے بارے میں پروفیسر خلیق احمد نظامی نے فرمایا ہے:۔

حقیقی تصوف مذہب کی رُوح، اخلاق کی جان اور ایمان کا کمال ہے۔ اس کی اساس

شریعت ہے اور اس کا سرچشمہ قرآن و حدیث۔" [1]

بزرگانِ دین کے ارشاداتِ عالیہ پڑھنے اور یاد رکھنے باعثِ سعادت ہیں کیونکہ ان کے ذریعے زندگی گزارنے کا حقیقی شعور حاصل ہوتا ہے اور ساتھ ہی اُن مبارک لفظوں کے باعث بزرگوں کی صحبت کا فائدہ بھی میسر آجاتا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا نور بخش توکلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء یوں فرماتے ہیں:۔

> امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اس امر پہ اجماع ہے کہ تفسیر و حدیث کے بعد صوفیہ کرام کے ارشادات بہترین کلام ہیں اور ان کا پڑھنا یا سننا صحبتِ معنوی کا حکم رکھتا ہے۔ اس لئے ان حالات کے جمع کرنے میں مشائخ کرام کے کلماتِ قدسیہ کی تدوین کا خاص خیال رکھا گیا ہے تاکہ وہ سالک کے لیے دستور العمل کا کام دیں ...... خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری قدس سرہ کے دوسرے خلیفہ حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۸۲۲ھ باوجود کمالاتِ صوری و معنوی کے حضرات خواجگان قدس اللہ ارواحہم کے رسالوں کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے کیونکہ ان کے کلماتِ قدسیہ کا ہمیشہ ساتھ رکھنا اور ان کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل عبد اللہ انصاری ہروی قدس سرہ نے اپنے مریدوں کو وصیت کی کہ ہر ایک پیر کا کوئی کلام یاد کر لو۔ اگر ایسا نہ کر سکو تو ان کا نام یاد رکھو تاکہ اس سے فائدہ اٹھاؤ۔" [2]

اولیاء اللہ کے وجودِ مسعود، سیرت و کردار اور ارشادات و ملفوظات کے بارے میں

---

[1] خلیق احمد نظامی، پروفیسر: تاریخ مشائخ چشت، جلد چہارم، مطبوعہ لاہور۔ ص ۲۱۱۔

[2] نور بخش توکلی، مولانا: تذکرہ مشائخِ نقشبند، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص و ۔

مفتیٔ اعظم ہند، شہزادہ اعلیحضرت مولانا مصطفےٰ رضا خاں بریلوی مدظلہ العالی یوں رقمطراز ہیں :-

"اللہ اللہ! اہل اللہ کی زندگی اللہ تعالیٰ و تبارک کی ایک اعلیٰ نعمت ہے۔ ان کی ذات پاک سے ہر مصیبت ٹلتی ہے اور ہر بڑی مشکل بآسانی بدلتی ہے سُبحان اللہ! انہیں نفوسِ طیبہ طاہرہ کے قدم کی برکت سے وہ وہ عقدہ مالا ینحل چٹکی بجاتے حل ہوتے ہیں جنہیں قیامت تک کبھی بھی ناخن تدبیر نہ کھول سکے جس سے کیسا ہی کوئی عقیل و مُدبّر ہو حیران رہ جائے، کچھ نہ بول سکے، جسے میزانِ عقل میں کوئی نہ تول سکے۔ اللہ اکبر! ان کی صُورت، ان کی سیرت، ان کی رفتار، ان کی گفتار، ان کی ہر روش، ان کی ہر ادا، ان کا ہر ہر کردار اسرار پروردگار عزّ مجدہٗ کا ایک بہترین مرقّع اور مُنہ بولتی تصویر ہے کہ یہ انفاسِ نفیسہ مظہر ذاتِ علیہ و صفاتِ قدسیہ ہوتے ہیں۔" [۱]

ان حضرات قدسی صفات کے ارشاداتِ عالیہ کی حقیقت کے بارے میں عارفِ رومی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے :-

س

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود!

گرچہ در حلقومِ عبداللہ بود

اولیاء اللہ کے بارے میں پیرِ رومی کے مریدِ ہندی یعنی ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے اپنے تاثرات یُوں پیش کئے ہیں :-

چُھپایا حُسن کو اپنے کلیم اللہ سے جس نے

وہی ناز آفریں ہے جلوہ پیرا نازنینوں میں

---

[۱] مصطفےٰ رضا خاں، مولانا : ملفوظاتِ اعلیحضرت، حصّہ اوّل مطبوعہ کراچی، ص ۴۔

جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس ان کی
الٰہی! کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں
تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
ترستی ہے نگاہِ نارسا جس کے نظارے کو!
وہ رونق انجمن کی ہے انہیں خلوت گزینوں میں[1]

شاعرِ مشرق نے اسی سلسلے میں حقیقت کی یوں بھی ترجمانی فرمائی ہے :-

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کارکشا، کارساز
خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی، اُس کا دلِ بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب، اس کی نگہ دل نواز
نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو!
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز
نقطۂ پرکارِ حق، مردِ خدا کا یقین
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز[2]

---

[1] محمد اقبال، ڈاکٹر: کلیاتِ اقبال اردو، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء، ص ۱۰۴

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۳۸۹

دلی چونکہ وہی شخص ہوتا ہے جو نبی کی اتباع کا قابلِ تقلید نمونہ پیش کرتا ہے۔ اس کی زندگی اتباعِ شرع کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کی گفتار اور کردار، اس کی صورت اور سیرت اور اس کے علم و عمل سے ہر لحہ یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی زندگی رضائے الٰہی کے لئے وقف ہے۔ وہ اپنے پروردگار کو راضی کرنے میں سرگرداں نظر آتا ہے اور اس نے محبوب پروردگار کی پیاری پیاری اداؤں کو اپنا لائحۂ عمل اور ضابطۂ حیات بنایا ہوا ہے وہ قربِ خداوندی حاصل کرنے میں کوشاں رہتا ہے اور مخلوقِ خدا کو بھی فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ کا ایمان افروز سبق پڑھاتا رہتا ہے۔ اس کی زبان پر ہر وقت یہی نغمہ رہتا ہے۔

ع بحقِ دل بند و راہِ مُصطفےٰ رو

اسی لئے اللہ جلّ مجدہٗ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ پانچوں وقت نمازوں میں یہ دعا کیا کریں۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ — ہم کو سیدھا راستہ پر چلا۔ راستہ
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝[۱] — ان کا جن پر تو نے احسان کیا۔

خدائے ذوالمنن نے حکم دیا ہے کہ ہم انعام پانے والے بندوں کے راستے پر چلیں کیونکہ صراطِ مستقیم اسی راستے کا نام ہے جس پر بزرگ چلتے رہے ہیں۔ انعام پانے والے بزرگوں کا تعین قرآن کریم نے یوں فرمایا ہے:

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ — تو اُسے ان کا ساتھ ملیگا جن پر اللہ نے
اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ — فضل کیا یعنی انبیاء، اور صدیق
وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ — اور شہید اور نیک لوگ
وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ — یہ کیا ہی اچھے ساتھی
رَفِيْقًا ۝ [۲] — ہیں۔

---

[۱] سورۂ فاتحہ، آیت ۵۔۶
[۲] پارہ ۵۔ سورۂ النساء، آیت ۶۹

یعنی انعام پانے والے حضرات سے مراد انبیائے کرام، صدیق، شہدا اور صالحین یعنی اولیاء اللہ ہیں۔ اس پر فتن دور میں جبکہ لصوص دین کی ہر سو گرم بازاری ہے جبکہ کتنے ہی رہزنوں نے رہبروں کا لباس پہن کر مسلمانوں کو اپنا اپنا گرویدہ کرنا اور اہل حق سے اپنا علیحدہ فرقہ بنانا شروع کر رکھا ہے تو ایسے ناگفتہ بہ حالات میں مسلمانوں کے لیے نجات کا صرف ایک ہی راستہ رہ گیا ہے کہ وہ اپنی اپنی ڈفلی بجانے والوں سے منہ موڑ کر، ان کے جھگڑوں سے ایک طرف ہو کر اس طریقے کو اپنائے رکھیں جس پر اولیائے کرام چلتے رہے ہوں کیونکہ صراطِ مستقیم وہی ہے۔ اسی لیے قرآنِ کریم نے واضح لفظوں میں اولیائے کرام کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ — اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور

وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۝ [1] — سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

دوسرے مقام پہ یہ حکم ان لفظوں میں دیا گیا ہے:۔

وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ۔ [2] — اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔

غرضیکہ اللہ رب العزت نے کتنے ہی مقامات پہ اولیائے کرام کے ساتھ رہنے اور اُن کا اتباع کرنے والوں کی تعریف کی ہے۔ انہیں صراطِ مستقیم اور راہِ ہدایت پہ چلنے والا قرار دیا ہے۔ ——— اُن سے جدا رہنے والوں اور ان سے علیحدہ اپنی جماعت اور پارٹی بنانے والوں کو وعیدیں سنائی ہیں ——— اولیائے کاملین اللہ تعالیٰ کو اس درجہ پیارے ہیں کہ ان کی اداؤں کو عبادتوں کا حصہ بنا دیا گیا ہے چنانچہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام

---

[1] پارہ ۱۱، سورۃ التوبہ، آیت ۱۱۹

[2] پارہ ۲۱، سورہ لقمان، آیت ۱۵

پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ پہاڑیوں پہ دوڑیں تو ان پہاڑیوں پر دوڑنا حجاج کے لئے حج کا ایک حصہ بنا دیا گیا اور ایک ولیہ کی قدم بوسی کے باعث ان دونوں پہاڑیوں کو شعائر اللہ میں شمار کر لیا گیا چنانچہ ارشاد ربانی ہے ۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ (البقرہ) ۱۵۸ لے	بے شک صفا اور مروہ اللہ کے نشانوں سے ہیں، تو جو اس گھر کا حج یا عمرہ کرے اس پہ کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کے پھیرے کرے ۔

اسی طرح اللہ رب العزت کو اپنے ان پاک باز بندوں کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات بھی بہت ہی پیارے ہیں اور کیوں ایسا نہ ہو جبکہ پیاروں کی ہر چیز پیاری ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت مریم علیہا السلام کے منہ سے دردِ زہ کی حالت میں بے اختیار جو الفاظ نکل گئے تھے. قرآن مجید نے وہ بھی بیان کر دیئے ہیں. چنانچہ ارشادِ ربانی ہے ۔

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝ (مریم - ۲۳)	پھر اسے جننے کا درد ایک کھجور کی جڑ میں لے آیا - بولی ہائے کسی طرح میں اس سے پہلے مر گئی ہوتی اور بھولی بسری ہو جاتی ۔

اولیاء اللہ چونکہ اللہ کے دوست ہیں ـــــــ ان کا راستہ طریقِ مستقیم ہے ـــــــ ان کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے ـــــــ ان پہ رحمتِ الٰہی کی بارش ہوتی رہتی ہے ـــــــ ان کی ادائیں اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں ـــــــ اُن کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات بھی خدا کو پیارے ہیں ـــــــ ان کی ہر ادا بارگاہِ خداوندی میں کیوں نہ مقبول ہو جبکہ ان کا ہر سانس رضائے الٰہی کے لئے وقف ہوتا ہے ـــــــ وہ اپنے لئے کچھ بھی نہیں کرتے بلکہ جو کچھ کرتے ہیں وہ اپنے خالق و مالک کو راضی کرنے کے لئے ہوتا ہے ۔

اِس لئے اُن کا ہر قول اور ہر فعل بارگاہِ خداوندی سے شرفِ قبولیت حاصل کرلیتا ہے۔

باین وجہ اس عصیاں شعار کو شوق دامنگیر ہوُا کہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مردِ کامل کے مجموعۂ ملفوظات یعنی دُرّالمعارف کا اُردو ترجمہ پیش کرے تاکہ فارسی سے نابلد حضرات بھی اللہ والوں کی باتوں سے لُطف اندوز ہوکر اپنی دنیا و آخرت کو سنوار لیں۔ احقر نے بساط بھر آسان اور شگفتہ اُردو میں ترجمہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے جابجا حواشی میں ضروری وضاحت بھی کردی ہے۔ اہلِ علم حضرات غلطیوں سے مطلع فرمائیں اور دعواتِ صالحہ میں یاد رکھیں۔ خدائے ذوالمنن اِسے میرے لئے توشۂ آخرت اور ذریعۂ نجات بنائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

گدائے درِ اولیاء

محمد عبدالحکیم خاں اختر

مجددی مظہری شاہجہانپوری

دارُالمصنفین۔ لاہور

۱۵ ذیقعد ۱۳۹۸ھ

۱۹ اکتوبر ۱۹۷۸ء

دیباچہ

(از حضرت شاہ رؤف احمد رافت مجددی رحمۃ اللہ علیہ)

اُس ذاتِ واحد کی حمد و ستائش سے ابتدار کی جاتی ہے جس کی تعریف آغازِ کلام فصحار کی دُلہن کا سنگار ہے کہ احسان کے جوہر کے عارض پہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ و السلام کے آب لسان فیضِ ترجمان سے رنگ و جلا ہے اور بلغار کے بیان کے مقدمے کی شاہد (محبوب) کا زیور اُسی ذاتِ واحد و یکتا کی حمد و ثنا ہے کہ گوہر عرفان کے رخسار کو اولیائے عظام کی زبان گوہر فشاں تازگی اور ضیار بخشتی ہے۔

انبیار[1] را جوہرِ احساں دہی
اولیار را گوہرِ عرفاں دہی

اُس کے اسمار و صفات کی ادنیٰ کنہ کے ادراک سے عقلا کی عقل دائرے کے مانند سرگرداں ہے اور بڑوں کا فہم اُس کے صُغرا مقامِ ذات کو سمجھنے میں آئینہ کی طرح حیران ہے[2]

---

[1] انبیار کو تونے جوہرِ احسان بخشا ہے اور اولیار کو گوہرِ عرفان مرحمت فرمایا ہے۔

[2] وہ اعلیٰ سے اعلیٰ اور بالا سے بالا ہے۔ بلندی کی خود اس کے مقام تک رسائی نہیں۔ اس کا مقام انبیار کی عقل میں سمانے سے پاک ہے اور رسولوں کو بھی اس کی کُنہ کا ادراک نہیں ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

مکمل دُرُودیں اور پاکیزہ سلام ہوں اس کی رُوحِ پُر فتوح پہ جو انبیائے کرام کے سردار، متقیوں کے رہبر، اُوجِ رسالت کے ہما، ربِ جمیل کے خلیلِ جلیل کی قُربت کے قاف کا عنقا ہیں۔ خداوندِ جمیل کے راستے کی دلیل ہیں۔ پہلوں سے پہلے۔ دلیل کی دلیل انوارِ الٰہیہ کے مبتدا، عروجِ کمالیہ کے منتہا جو اعلائے الٰہیہ اور غیر محدود ہیولا رعوالم ہیں جمیع انبیائے کرام کی امتوں کے شافع، تمام امراض و اسقام کے شافی ہیں۔ وہ سرورِ ہر دوسرا خواجۂ دین و دنیا، امامِ انبیاء، پیشوائے اولیاء، شفیعِ روزِ جزا، محبوبِ کبریا، مفخرِ اصفیاء احمدِ مجتبیٰ، محمد مُصطفٰے ہیں۔ ان پہ اور ان کی آل و اصحاب پہ اللہ رب العزت کی جانب سے دُرُود ہو۔

اَمّابعد فقیر رؤف احمد جو نسب اور طریقت کے اعتبار سے مجدّدی ہے، عرض گزار ہے کہ جب اخوت پناہ، والا دستگاہ، کاشفِ اسرارِ شریعت و طریقت، واقفِ انوارِ حقیقت و معرفت، حافظِ کلامِ الٰہی، جناب شاہ ابوسعید سلمہم اللہ تعالیٰ کہ اَلسَّعِیْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَیْرِہٖ[1] کے اسرار جن کی جبینِ مبین سے ظاہر اور اَلسَّعِیْدُ مَنْ سَعَدَ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ کے انوار سے جن کی پیشانی نور بار ہے انہوں نے اس ہیچمدان کے لئے یہ امر تجویز فرمایا کہ حضرت پیر دستگیر، قطبِ دوراں، قیومِ زماں، مہرِ سپہرِ ولایت، ماہِ سماءِ ہدایت، نیّرِ بُرجِ اتقا گوہرِ درجِ اجتبا، آفتابِ مطلعِ ارشاد، ماہتابِ افقِ اوراد، سراجِ محفلِ صفا، چراغِ بزمِ رضا مظہرِ اسرارِ الٰہیہ، مہبطِ انوارِ نامتناہیہ، موردِ فیضِ سُبحانی، مصدرِ برکاتِ رحمانی، مروجِ طریقۂ مجددیہ، مکملِ کمالاتِ احمدیہ، سالکِ مسالکِ صراطِ مستقیم شریعت و ایمان، ناہج

---

[1] سعادت مند وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت حاصل کرے۔

مناہجِ سبیلِ طریقت و احسان، کاشفِ اسرارِ خلّت و محبت، واقفِ انوارِ محبت و محبوبیت مجدّدِ مائۃ ثالثۃ عشر (تیرھویں صدی) مروّجِ شریعت خیر البشر جن کی شان یہ ہے۔

امامِ جملہ خلائق امیرِ ہر دو سرا　　محیطِ رحمت و دریای جود و بحرِ عطا

بشیرِ معرفت و بادشاہ ہر دو جہاں　　برای گم شدگاں شکلِ خضر راہ نما

خبیرِ سرِّ خدا۔ مرشدِ راہِ یزداں　　امامِ امت و سردارِ دیں بجود و سخا

دوای دردِ درون و شفاءِ جملہ علل　　دلیلِ وحدت و برہانِ دیں بعلم و ذکا

رحیلِ راہِ الٰہی. کفیلِ شرعِ نبی!　　رئیسِ انس و انیسِ ملک و جلیسِ خدا

صفاتِ عارضِ خوبی کمالِ محبوبی!　　حبیبِ ذاتِ الٰہی، محبِّ اہلِ صفا

ضیاءِ مہرِ ولایت، مہِ عروجِ کمال　　بہ انتظامِ ہمہ خلق مثلِ قطبِ رحا

طبیبِ علتِ دل، طائرِ ریاضِ قدس　　بزرگِ ذاتِ رسل طاہر از معاصیہا

فقیرِ درگہِ داور، امیرِ انس و ملک　　وجودِ فیضِ الٰہی و اصلحِ الصلحا

قسیمِ فیضِ محبت۔ قرارِ مشتاقاں　　خلیلِ بارگہِ کبریا بعز و علا

کتابِ رازِ خدا و صحیفۂ اسرار　　کریمِ عالم و محبوب، اکرم الکرما

دلِ ایزد و واقف بجملہ سرِّ علن　　وجودِ نورِ، ظہورِ سرور و شبیرِ وفا

ہدایتِ دو جہاں۔ ہادیٔ زمین و زماں　　ہمای اوجِ صفا۔ طائرِ ریاضِ صلا

گلیم پوشِ محبت بطور و نہجِ کلیم　　کلیمِ باری و طورِ تجلیٔ مولا

شہِ زمین و زماں، حضرت غلام علی

شفاءِ جملہ مرض، شافعی بروزِ جزا

سلہ (۱) وہ ساری مخلوق کے امام۔ دو جگ کے امیر، رحمت کے سمندر، دریائے جود اور بحرِ عطا ہیں۔

(۲) معرفت کی خوشخبری دینے والے، دونوں جہان کے بادشاہ اور گمراہوں کیلئے خضر کیطرح رہنما ہیں۔

(۳) خدائی اسرار سے واقف، خدا کی جانب ہدایت کرنے والے اور جود و سخا کے باعث امت کے امام اور دین کے سردار ہیں۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۴) آپ دردِ دل کی دوا اور تمام بیماریوں کی شفا ہیں۔ وحدت کی دلیل اور علم وذکا کے باعث دین کی برہان ہیں۔

(۵) آپ راہِ خدا میں سفر کرنے والے، شرع نبی کی کفالت کرنے والے، انسانوں کے رئیس، فرشتوں کے انیس اور جلیسِ خدا ہیں۔

(۶) آپ خوبصورتی کے عارض کی صفائی، کمال محبوب، ذاتِ الٰہی کے حبیب اور اہلِ صفا کے محب ہیں۔

(۷) آپ مہرِ ولایت کی روشنی، عروجِ کمال کے چاند اور انتظامی لحاظ سے ساری مخلوق کے لیے چمکتی بجلی کے مانند ہیں۔

(۸) آپ قلبی مرض کے طبیب، باغِ قدس کے پرندے اور رسولوں کی طرح گناہوں سے پاک ہیں۔

(۹) آپ بارگاہِ خداوندی کے فقیر اور انس وملک کے امیر ہیں۔ آپ کا وجود فیضِ الٰہی اور نیکوں سے نیک تر ہے۔

(۱۰) آپ فیضِ محبت تقسیم کرنے والے، اشتیاق والوں کا قرار اور عظمت وبزرگی کے باعث بارگاہِ کبریا کے خلیل ہیں۔

(۱۱) آپ رازِ خدا کی کتاب، صحیفۂ اسرار کریم، عالم، محبوب اور بزرگوں سے بڑھ کر بزرگ ہیں۔

(۱۲) آپ خدا کے ولی، ہر پوشیدہ اور ظاہر کے واقف، وجودِ نور، ظہور سرور اور شیرِ وفا ہیں۔

(۱۳) آپ دوجہاں کی ہدایت، زمین وزماں کے ہادی، اوجِ صفا کے ہما اور باغِ علا کے پرندے ہیں۔

(۱۴) آپ گودڑی پوش ہیں۔ اطوار میں محبت ہے۔ انداز کلیمانہ ہیں۔ آپ کلیمِ خدا اور تجلی مولیٰ کا طور ہیں۔

(۱۵) حضرت غلام علی (رحمۃ اللہ علیہ) زمین وزمان کے بادشاہ، ہر مرض کی شفا اور روزِ جزا کے لیے میرے شفیع ہیں۔

کے موتی بکھیرتے اور سلوک و جذبہ کے جو درخشاں جواہرات زبان فیض ترجمان سے لٹاتے انہیں رشتۂ تحریر میں پرو دوں اور ضبطِ تحریر میں لے آؤں ـــــــ اس واجب الاطاعت اشارے کے باعث یہ کمترین جو حضرت پیر دستگیر کی خانقاہ، عرش اشتباہ کا خاکروب ہے۔ عدم لیاقت کے باوجود مرشدِ برحق کے کلام فیض نظام کو ضبطِ تحریر میں لے آیا۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق بخشنے والا اور مددگار ہے اور اسی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ حضرت پیر دستگیر کے ملفوظات کو فقیر اس طرح رقم کریگا کہ پہلے تاریخ اور دِن لکھے گا۔ اس کے بعد اُس روز اِس کے فقیر کی موجودگی میں جو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اُسے تحریر کرے گا اور حضرت پیر دستگیر کے اسم مبارک کی جگہ لفظ حضرت ایشاں لکھے گا (مترجم نے حضرت ایشاں کے بجائے ترجمے میں مرشدِ برحق لکھنے کا التزام کیا ہے) اور اس تالیف سے میری غرض ثواب کے سوا اور کچھ نہیں۔ اللہ جلّ شانہٗ کی بارگاہ سے امید ہے کہ خبر فیض اثر اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کے درخت کا پھل ملے گا۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ وَحَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔

۱

۱۲ ربیع الآخر ۱۲۳۱ھ ـــــ منگل فدوی آپ کی محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ اسی دوران حضور فیض گنجور میں لفظ فقیر کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق (شاہ غلام علی نقشبندی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ) نے زبانِ گہربار سے ارشاد فرمایا کہ لفظ فقیر میں :-

حرف **فا** سے مراد فاقہ کشی اور توکّل کرکے بیٹھ رہنا ہے۔

حرف **قاف** سے مراد قناعت کرنا اور جستجو کو چھوڑ دینا ہے۔

یا یادِ الٰہی اور ہر دو جہان کو فراموش کر دینے سے عبارت ہے۔

حرف **را** ریاضت و مجاہدہ کرنے سے عبارت ہے۔

پس جس نے یہ مکمل کر لیا اس نے اپنے مقصد کو لفظ فقیر میں پا لیا کہ فا سے

فضل، قاف سے قرب، یاؔ سے یاری اور سیٓا سے رحمت در ویتِ خداوندی کو حاصل کر لیا ـــــــــــ اگر صورتِ حال اس کے برعکس ہے تو فاؔ سے فضیحت یعنی رسوائی قاف سے قہرِ الٰہی، یاؔ سے یاس و ناامیدی اور سیٓا سے رسوائی حاصل ہوتی ہے ہم ایسی صورت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتے ہیں۔

اسی روز سماع کا ذکر بھی آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ اہلِ سماع وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب پوری طرح متوجہ ہیں اور اس کے ماسوا سے انہوں نے پوری طرح منہ موڑ رکھا ہے۔ وہ جو کچھ سنتے ہیں اُسے حق تعالیٰ کی جانب سے جانتے ہیں۔ ان کی نظر میں غیریت اُٹھ چکی ہوتی ہے ـــــــــــ ان کا فرمان ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1] فرماتے کہ کاش! مَیں سماع کی حالت میں مروں اور یہ بھی فرمایا کہ حضرت نظام الدین اولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تازیست یہی حسرت رہی کہ ایک روز حضرت فرید الدین گنج شکر قدس سرہٗ[2] (اُن کے مرشدِ گرامی قدر) نے از راہِ عنایت اور خاص نظرِ کرم کے باعث اس عاجز سے فرمایا کہ جو کچھ تو چاہتا ہے مجھ سے مانگ لے۔ مَیں نے استقامت طلب کی اور سماع کی حالت میں مرنا نہ مانگا۔ جس کا افسوس ہے کہ وقت ہاتھ سے نکل گیا۔

---

[1] نام نامی محمد بن احمد بن علی البخاری ہے۔ ۶۳۱ھ/۱۲۳۳ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ لقب سلطان المشائخ اور نظام الدین اولیاء ہے۔ آپ خواجہ فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے نامور ذلیفہ، فخرِ خاندان اور نادرِ روزگار تھے۔ ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ/ ۱۳۲۲ء کو وفات پائی۔ مزارِ مبارک دہلی کے مضافات غیاث پور بستی نظام الدین میں ہے۔

[2] شیخ فرید الدین مسعود شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۵۹۵ھ میں ہوئی آپ کے والد ماجد سلطان محمود غزنوی کے بھانجے تھے۔ آپ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد تھے۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ آپ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سب سے نامور خلیفہ تھے۔ ۵ محرم الحرام بروز سہ شنبہ ۶۹۰ھ میں وصال فرمایا۔ مخدوم ۶۹۰ تاریخ وصال ہے۔ آپ کا مقدس مزار پاک پٹن شریف ضلع ساہیوال میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ آپ کا شمار سلسلہ چشتیہ کے اکابرین میں ہوتا ہے۔

مرشدِ برحق یہ بھی فرماتے تھے کہ وجد و تواجد میں فرق ہے کہ وجد بغیر اختیار کے رقص کرنے کو کہتے ہیں اور تواجد اپنے اختیار سے ہوتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ اگر درست نیت سے ہو تو تواجد بھی صوفیہ کے نزدیک جائز ہے جیسا کہ حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کی محفل میں ہوتا تھا۔ یہ بھی فرمایا کہ حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کی محفل میں سماع ہوتا تھا لیکن بغیر مزامیر کے نیز عورتوں اور بے ریش لڑکوں کو اس میں حاضری کی اجازت نہ تھی بلکہ تالی بھی نہیں بجائی جاتی تھی۔ پس اس طرح کا سماع تو شرع مطہرہ میں بھی جائز ہے ،، اسی طرح فوائد الفواد اور سیر الاولیاء میں لکھا ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ حضرت قطب المحققین خواجہ بختیار اوشی کاکی قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہ الاقدس[1] جس شعر کو ترنم کے ساتھ محفل سماع میں سننے کے باعث اس جہانِ فانی سے عازمِ عالمِ بقا و دانی ہوئے، وہ یہ ہے ۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را !
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است[2]

اللہ اللہ ! احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کا کلام کیسا مبارک ہے کہ جامِ وصل پلاتا اور دامِ ہستی سے چھڑاتا ہے۔ اُسی روز انسان کی جامعیت کا ذکر بھی آیا۔ ارشاد فرمایا کہ حضرت امام محمد غزالی[3] رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً نے لکھا ہے کہ انسان اس لحاظ سے تمام ممکنات کا جامع ہے کہ جو کچھ تمام دنیا میں ہے وہ ایک انسان میں بھی موجود ہے۔ یعنی انسان کا سر آسمان کا نمونہ ہے، خطرات فرشتوں کے مشابہ ہیں، ہڈیاں بمنزلہ پہاڑ ہیں، خون دریاؤں کی طرح ،

---

[1] خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سادات اوش سے تھے آپ سلطان الہند خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سب سے نامور خلیفہ اور آسمانِ ولایت کے مہرِ درخشاں ہیں۔ ۱۴ ربیع الاول ۶۳۵ھ کو دہلی میں وصال ہوا۔ نماز جنازہ سلطان شمس الدین التمش نے پڑھائی جو آپ کے مرید و خلیفہ تھے ۔

[2] جنہیں تسلیم کے خنجر سے قتل کیا گیا ان کے لئے غیب سے ہر زمانے میں نئی جان ہے ۔

[3] آپ اسلام کی حجت، چھٹی صدی کے مجدد دین و ملت اسلامیہ کی مایۂ ناز ہستی ہیں۔ ۵۰۵ھ میں وصال فرمایا۔

رگیں درختوں کے مانند اور ہر دو آنکھیں مہر و ماہ کی طرح تاباں و درخشاں ہیں اور باقی چیزوں کو بھی اسی پہ قیاس کر لیجیے۔

اس کے ساتھ ہی شاہ غلام علی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان تمام ممکنات کا جامع اس طور سے ہے کہ باقی کل جہاں اسماءٔ و صفاتِ الٰہیہ کا ظہور ہے اور انسان مظہر ذات الٰہی ہے اور ذات تمام سفات کی جامع ہے۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ

قلبِ انسان آئینۂ جہان نماست	قلبِ انسان آئینۂ جہاں نما ہے لیکن
مکن عارف می بیند کہ ہماں عالم در	عارف دیکھتا ہے کہ تمام جہان میرے
دلِ من ست بلکہ حق جلّ و علا در	دل میں ہے بلکہ حق جلّ و علا میرے
من جلوہ گرست۔ (ص۵)	اندر جلوہ گر ہے۔

اکثر اولیاء اس حالت میں وحدت وجود کے قائل ہو جاتے ہیں اور انا الحق، سبحان ما اعظم شانی اور لیس فی جبتی سوی اللہ کا نعرہ مارنے لگتے ہیں۔ مولانا احمد جام نے فرمایا ہے؛

ما[1] آئینہ جہاں نمائیم — ما نورِ جمالِ کبریائیم
موجود بجز وجود ما نیست — در ہر چہ نگہ کنی تو مائیم
ہر قطرہ کہ بنگری ز دریا — دریاب کہ قطرہ نیست مائیم

مشہور عارف مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ علیہ الرحمۃ نے اس مقام میں یوں اشارہ فرمایا ہے؛

ممکن[2] ز تنگ نامی عدم ناکشیدہ رخت — واجب ز بارگاہِ قدم نانہادہ گام

---

[1] (۱) ہم آئینہ جہان نما ہیں۔ ہم جمال کبریائی کا نور ہیں۔

(۲) ہمارے وجود کے سوا اور کوئی موجود نہیں۔ تُو جس چیز کو دیکھے تو وہ ہم ہیں۔

(۳) دریا کے جس قطرے کو تُو دیکھے تو پائے گا کہ وہ قطرہ نہیں بلکہ ہم ہیں۔

[2] (۱) ممکن نے نیستی کی تنگ گلی سے اپنا سامان نہیں اٹھایا اور واجب نے بارگاہِ قدم سے باہر قدم نہیں نکالا۔

(بقیہ آئندہ صفحہ پر)

در حیرتم کہ ایں ہمہ نقشِ عجیب چیست   بر لوح صورت آمدہ مشہود خاص و عام

بادہ نہاں و جام نہاں آمدہ پدید   در جام عکسِ بادہ و در بادہ رنگِ جام

جامیؔ معاد و مبدأ ما وحدتست بس

ما در میانِ کثرتِ موہوم والسلام

اور اولیائے عظام کی ایک جماعت وحدت شہود کی قائل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دنیا مانند آئینہ خانہ ہے جس میں معشوقِ حقیقی (اللہ رب العزت) کے چہرۂ حسن و جمال کے آفتاب کی نور باری دکھائی دیتی ہے:

عکسِ رُوئے تو چو در آئینہ جام افتاد

عارف از خندۂ مے در طمعِ خام اُفتاد

فائدہ: مولف عفی عنہ کہتا ہے کہ سماع اس آواز کو کہتے ہیں جو ساز کے بغیر ہو اور جو باجے کے ساتھ ہو وہ غنا کہلاتی ہے۔ علمائے امت میں سے کسی ایک کا بھی غنا کے حرام ہونے میں اختلاف نہیں ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۲) میں حیران ہوں کہ یہ تمام عجیب نقش کیا ہے جو لوحِ صورت پر آ کر خاص و عام کے سامنے ہے۔

(۳) شراب پوشیدہ ہے اور جام پوشیدہ ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جام میں شراب کا عکس ہے اور شراب جام کا رنگ ہے۔ (۴) اے جامیؔ! ہمارے مبداء و معاد میں وحدت ہے قصہ مختصر ہم تو بس کثرتِ موہوم کے درمیان ہیں

؎ اس جماعت کے سرخیل قطبِ ربانی، غوثِ صمدانی، حضرت مجددِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۳۴ھ) ہیں۔ آپ نے وحدت الوجود کے بالمقابل وحدت الشہود کا نظریہ پیش کیا اور بتایا کہ وہ تنگ کوچہ تھا اور یہ شاہراہ ہے۔ وہ پُر خطر ہے اور اس میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وحدت الشہود حقیقت میں وحدت الوجود کی ارتقائی منزل ہے۔

؎ تیرے چہرے کا عکس جب جام کے آئینے میں پڑا تو عارف خندۂ مے سے طمعِ خام میں جا گرا۔

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ ۔ [1]	اور ڈگمگا دے ان میں سے جس پر تُو قدرت پائے اپنی آواز سے ۔

اس نصِ قرآنی سے غنا کی حرمت ظاہر ہے ۔ مفسرین نے اس کی تفسیر میں ھُوَ الْغِنَا لکھا ہے

نیز وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ ۔ [2]	اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو کھیل کی باتیں خریدتے ہیں ۔

یہ آیۂ کریمہ بھی اسی قبیل سے ہے اور کتنی ہی احادیث میں غنا کی حرمت وارد ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ سب سے پہلا شیطان ہے جس نے نوحہ کیا اور سب سے پہلا شیطان ہے جس نے غنا کیا ۔ دوسری حدیث میں ہے کہ غنا اس طرح دلوں میں نفاق اگاتا ہے جس طرح پانی سبزہ اگاتا ہے ۔ پس علمائے امت کا اختلاف سماع کی حرمت میں ہے نہ کہ غنا کے بارے میں ۔ عورتوں اور بے ریش لڑکوں کی آواز سننا بھی اسی قسم (غنا) میں داخل ہے ۔ (یعنی اس کا سننا حرام ہے) پس سماع یعنی وہ آواز جو عورتوں اور بے ریش لڑکوں کے ذریعے نہ ہو اور مزامیر کے ساتھ نہ ہو ۔ ایسی آواز کا اہلِ دل کے لیے سننا جبکہ وہ ذوق و شوق وجد و بےخودی واضطرابی ۔ انوار و اسرار و تجلیات بخشے ۔ تو ان شرائط کے ساتھ جائز ہے جو صوفیہ کرام نے لکھی ہیں جائز ہے ۔ بصورت دیگر جائز نہیں ہے ۔

۲

۱۳ ربیع الآخر ۱۲۲۱ھ ــــــ بدھ

فقیر حضور فیض گنجور کی محفل میں حاضر ہوا ۔ اس وقت وہاں آپ زبان عنبر افشاں سے سورۂ الکٰفرون کی تفسیر بیان فرما رہے تھے کہ بات ناسخ و منسوخ کے بارے میں چل نکلی کہ مشرکین تقدیر کے پلٹنے اور اوامر کے بدلنے کی نسبت اللہ جلّ شانہٗ کی جانب کرتے

---

[1] پارہ ۱۵ ، سورۂ بنی اسرائیل ، آیت ۶۴ [2] پارہ ۲۱ ۔ سورۂ لقمان ۔ آیت ۶

ہیں۔ نعوذ باللہ منہا۔ ارشاد فرمایا کہ حق سبحانہ تعالیٰ حکیم مطلق ہے۔ بنی آدم مریض کی طرح انبیائے کرام عطّار کے مانند اور آسمانی کتابیں نسخے ہیں۔ پس ہر زمانے میں موسم اور مزاج کی رعایت سے طبیب نسخہ تجویز کرتا ہے کیونکہ معالج کی غرض بیمار کی تندرستی سے ہے۔ پس حق تعالیٰ ہر زمانے میں انسانوں کی ہدایت کا نسخہ اولوالعزم پیغمبروں کے ذریعے بھیجتا رہا۔ یہاں تک کہ ہمارے پیغمبر علیہ من الصّلوٰۃ ومن التسلیمات اکملہا جلوہ آرائے گیتی ہوئے۔ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم پر ہر وقت کے مناسب احکام نازل ہوئے۔

اس کے بعد امام ربّانی حضرت مجدّد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا ذکر شروع ہو گیا آپ نے فرمایا کہ حضرت مجدّد قدس سرّہٗ کی کی مباحث سے کہ ان کا تنہا وجود ہزار رسالہ اولیاء اللہ کے بالمقابل ہے اور یہ بھی فرمایا کہ خواجۂ خواجگان، پیرِ پیراں، فانی فی اللہ خواجہ باقی باللہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا ہے کہ:۔

شیخ احمد آفتابیست کہ مثل ما ہزاراں	شیخ احمد ایسے آفتاب ہیں کہ ہمارے جیسے
ستارگاں در سایۂ جنّتِ ایشاں گم اند	ہزاروں ستارے اُن کے سائے کی جنت میں گم ہیں۔

اور شیخ احمد کے معارف انبیائے کرام معارف کی طرح قابلِ مطالعہ ہیں علیٰ نبیّنا وعلیہم الصّلوٰۃ والسلام اور یہ بھی فرمایا کہ شیخ عبد الحق دہلوی[2] رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک رسالے میں لکھا ہے کہ میں حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں غور وفکر کر رہا تھا کہ اچانک وہ آیت مبارکہ میرے دل میں وارد ہوئی جو حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ التحیات والتسلیمات کے

---

[1] اسم گرامی سید رضی الدین محمد باقی عرف خواجہ باقی باللہ ہے۔ آپ کو خواجہ بیرنگ بھی کہتے ہیں۔ ولادت ۹۷۱ھ / ۱۵۶۳ء کابل میں ہوئی۔ والد کا اسم گرامی قاضی عبد السلام خلجی سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ آپ صحیح النسب حسینی سید ہیں خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت وخلافت پائی۔ ۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۰۱۲ھ کو وفات پائی۔ بحر معرفت بود سندِ وفات وصال کی۔

[2] محرم ۹۵۸ھ / ۱۵۵۱ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت شیخ اولیاء ہے سلسلہ قادریہ میں سید موسیٰ قادری

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

شک کو دُور کرنے کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

پس مرشدِ گرامی نے فرمایا کہ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا معتقد ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیروکار ہے اور جو آپ کا منکر ہے وہ فرعون کا پیروکار ہے۔ نعوذ باللہ منہا ——— اور یہ بھی فرمایا کہ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خواجہ حسام الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک خط لکھا اور اس میں تحریر کیا کہ میاں شیخ احمد سلّمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں میرے دِل کی حالت بدل گئی ہے، میرے دِل میں اب کوئی بشری پردہ نہیں رہا بلکہ اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ایسے بزرگوں سے بدگمان نہیں ہونا چاہیے ——— لفظِ غشاوہ سے معلوم ہوا کہ شیخ محقق علیہ الرحمہ کے اعتراضات حقیقت پر مبنی نہیں تھے بلکہ از راہِ بشریت و نفسانیت تھے۔ یہ نکتہ شیخ محقق کے تمام اعتراضات کا جواب ہے۔

اسی دوران میں خازن الرحمۃ خواجہ محمد سعید[۱] رحمۃ اللہ علیہ اور عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم[۲] رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ذِکر آگیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ :

اولادِ شیخ احمد پارہ ہائے جواہر اند ——— شیخ احمد سرہندی کی اولاد جواہر پارے ہیں۔

---

[۱] ولادت ۱۰۰۵ھ میں ہوئی۔ آپ کو سلسلہ نقشبندیہ میں اپنے والد ماجد یعنی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت و خلافت حاصل ہوئی۔ علم و فضل میں یگانۂ روزگار اور اسرارِ والد کے آئینہ دار تھے۔ ۲۷ جمادی الآخری ۱۰۷۰ھ کو وصال ہوا۔

[۲] ولادت ۱۱ شوال ۱۰۰۷ھ میں ہوئی۔ پیدائشی ولی تھے۔ اپنے والد محترم حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے جانشین ہوئے ۱۰۶۸ھ میں شہنشاہ اورنگزیب رحمۃ اللہ علیہ آپ سے بیعت ہوا اور اگلے سال روشن آرا بیگم اور دوسرے شاہی خاندان کے افراد بھی۔ فضل و کمال میں اپنے والد محترم کا نمونہ تھے۔ آپ کے باعث دین کو بڑی تقویت پہنچی۔ ۹ ربیع الاوّل ۱۰۷۹ھ کو وصال ہوا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں حضرات آخر تک حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اللہ تعالیٰ بسرہ السامی کے مقام تک پہنچے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی[1] رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کار تجدید میں شریک ہیں

آپ نے فرمایا کہ تجدید میں شرکت کا ہمارے بغیر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ میرا اور تمہارا معاملہ صاحب شرح وقایہ کی طرح ہے جیسا کہ معاملہ ان کا اپنے جد امجد کے ساتھ تھا۔ یعنی جب ان کے دادا جان وقایہ تحریر فرماتے تو صاحب شرح وقایہ اُسے حفظ کر لیتے۔ اسی طرح جو معارف مجدد پر مکشوف ہوئے وہ تم نے حاصل کر لیے ہیں۔

تو یک نکتہ زیں لوح نگذاشتی
ہر آنچہ نہادم تو بر داشتی[2]

اس کے بعد مجلس شریف میں اتفاقاً میر غیاث الدین کا ذکر آ گیا جو حاجی غلام معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء سے تھے۔ مرشد برحق نے زبانِ فصاحت سے فرمایا کہ وہ صاحبِ ذوق و شوق تھے اور میر غیاث الدین کا یہ شعر پڑھا:۔

قوسِ ابرو بنما ترکشِ مژگاں بکشا
ناوک بر جگرِ زاہد تنگ انداز[3]

---

[1] قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ ظاہری اور باطنی علوم میں یگانۂ روزگار تھے۔ مرشدِ گرامی مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ آپ کو علم الہدیٰ کہتے اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بحر العلوم کی زبان سے بیہقیٔ وقت کا لقب پایا۔ یکم رجب ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء کو وفات پائی۔ عربی میں قرآن پاک کی تفسیر لکھی جس کا نام اپنے مرشد کے اسم گرامی کی مناسبت سے تفسیرِ مظہری رکھا۔ یہ تفسیر قابلِ اعتماد اور ایمان افروز تفاسیر سے ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا اہلِ سنت و جماعت پر بڑا احسان ہے۔

[2] تو نے اس تختی سے ایک نکتہ بھی نہیں چھوڑا۔ جو کچھ میں نے رکھا وہ تو نے اٹھا لیا۔

[3] بھنوؤں کی کمان دکھا اور مژگاں کے ترکش کو کھول کر تنگ کرنے والے زاہد کے جگر پہ تیر اندازی کر۔

۳

۱۴ ربیع الآخر ۱۲۳۱ھ ـــــ جمعرات

حضور پُر نور میں حاضر ہو کر آستان بوسی کے شرف سے مشرف ہوا۔ مرشدِ برحق کے خلفاء سے شاہ گل محمد غزنوی نے طریقۂ توجہ کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضرات نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طریقہ جو ہم تک پہنچا ہے اور جسے میں بیان کرتا رہتا ہوں، وہ اس طرح ہے کہ سب سے پہلے ارواح طیبہ کے لیے فاتحہ خوانی کی جائے یعنی حضرت امام الانبیاء، سید الاصفیاء، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوٰۃ افضلہا ومن التسلیمات اکملہا، سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے پیرانِ کبار اور صاحبانِ اسرار خصوصاً خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ[1]، خواجہ عبید اللہ احرار، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور حضرت مرزا صاحب مظہرِ اسرار و مصدرِ انوار، قطبِ زماں حضرت جانِ جاناں رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم اجمعین کے لیے فاتحہ خوانی کرے۔ اس کے بعد بارگاہِ خداوندی میں دستِ دعا دراز کرکے عاجزی پیش کرے اور اپنے مشائخ سے مدد طلب کرنے کے بعد قلبِ طالب کی جانب متوجہ ہوتا ہوں۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے قلب کو قلبِ طالب کے سامنے کرکے توجہ ڈالتا ہوں اور ذکر کا نور جو اپنے مشائخ عظام کے ذریعے اس عاجز کے دل میں آیا ہے۔ اُسے طالب کے دل میں القاء کرتا ہوں، یہاں تک کہ طالب کا قلب ذاکر (جاری) ہو جاتا ہے۔ بعد ازاں سابقہ طریقے کے مطابق لطیفۂ روح، لطیفۂ سر، لطیفۂ خفی اور لطیفۂ اخفیٰ کے ذریعے ذکر انفاد

---

[1] اسم گرامی محمد، کنیت بہاء الدین اور لقب نقشبند ہے۔ آپ امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ ۴ محرم ۷۱۸ھ کو بخارا کے نزدیک قصرِ عارفاں میں ولادت ہوئی۔ آپ صاحب طریقہ اور امام سلسلہ ہیں۔ تہتر سال کی عمر میں دو شنبہ مبارکہ کے روز ۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ میں وصال ہوا۔ قصرِ عارفاں سالِ وصال ہے۔
۷۹۱ھ

کرتا ہوں اور ہر لطیفے میں تین تین بار توجہ ڈالتا ہوں۔ اس کے بعد طالب کے قلبی خطرات کی جانب متوجہ ہو کر ہمت کے ساتھ ایسے خیالات کا ازالہ کرتا ہوں اور اپنی قلبی ہمت کے ساتھ طالب کے قلب کو اُوپر کی جانب کھینچتا ہوں۔ اس کے بعد مذکورہ بالا طریقے کے مطابق لطیفہ نفس و عناصر اربعہ اور دل میں مراقبۂ احدیت کا کہ اللہ تعالیٰ کے مبارک اسم ذاتی یعنی اللہ کے ساتھ موسوم ہے، جو تمام صفات کمال کا جامع اور نقصان و زوال سے پاک ہے۔ تصوّر کریں۔

اس کے بعد مراقبہ معیت وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ[1] کا مراقبہ کریں یعنی ہر لحظہ اور ہر لمحہ دل میں معیتِ الٰہی کا خیال رکھیں۔ بلکہ تمام لطائف میں سے ہر لطیفے کے اندر بلکہ ہر رگ و پے میں بلکہ تمام جہان میں حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی معیت کا تصوّر کریں جیسا کہ اس پر نصِ قرآنی ناطق ہے۔ تاکہ افعال کی تجلّی، وحدت الوجود، ذوق و شوق، استغراق و بے خودی، آہ و نعرہ اور وجد و تواجد حاصل ہو جائے۔ اس کے بعد لطیفۂ نفس میں مراقبۂ اقربیت، نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ[2]، کریں اور اس لطیفے کا فیضِ عالمِ امر کے دوسرے لطائف کی شرکت کے ساتھ وارد ہوتا ہے۔

اس کے بعد مرشد برحق کی بارگاہ میں یہ عاصی پُر معاصی عرض گزار ہوا کہ ازالۂ مرض کی خاطر کس طرح توجہ فرماتے ہیں۔ حضرت مرشدی و مولائی نے فرمایا کہ صوفیائے متقدمین کے طریقے پر ازالۂ مرض کی توجہ کے دو طریقے رائج ہیں۔ ——— ایک یہ کہ مریض کے سامنے بیٹھ کر، اس کی صحت کا تصوّر باندھ کر۔ خدا کی جانب متوجہ ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ——— دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مریض سے مرض سلب کر کے اپنے اُوپر ڈالنے پر ہمت و خیال کو لگاتے ہیں۔ حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کسی مریض کی عیادت

---

[1] پارہ ۲۷، سُورۃ الحدید، آیت ۴۔ (اور وہ تمہارے ساتھ ہے خواہ تم کہیں ہو)

[2] پارہ ۲۶، سُورۃ قٓ، آیت ۱۶ (اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں۔

کے لئے تشریف لے گئے جس کے چہرے پہ ورم تھا۔ آپ نے توجہ فرمائی تو اس کا ورم آپ کے چہرۂ مبارک پہ آگیا۔

حضرت قیوم زماں، مرزا جانِ جاناں، قلبی و روحی فداہٗ قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہ السامی ازالۂ مرض کے لئے اس طرح توجہ فرماتے کہ مریض کے سامنے بیٹھتے۔ اپنے اور مریض کے درمیان پانی کا پیالہ، سفید چادر یا کوئی اور چیز رکھ لیتے۔ پھر مریض سے مرض سلب کرنے پر ہمت لگاتے اور اس چیز پہ مرض ڈال دیتے ——— اس کے بعد مرشد برحق نے فرمایا کہ میں مریض کے جسم سے مرض کو سلب کر کے اُس کی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیتا ہوں[1]

اس کے بعد مولوی شیر محمد صاحب خدمتِ عالی میں عرض گزار ہوئے کہ حصولِ کشف کے لئے کس طرح توجہ فرمائی جاتی ہے۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ طالب کی جانب متوجہ ہو کر اپنا قلبی نور اس کی آنکھوں کی پتلیوں میں القاء کرتے ہیں نیز حضورِ والا نے یہ بھی فرمایا کہ ازالۂ جہل کی خاطر بھی اسی طریقے سے توجہ ڈالی جاتی ہے یعنی طالب کے قلب کا جہل رفع کر کے اس میں ادراک القاء کیا جاتا ہے۔

حضرت مرشدی و مولائی نے یہ بھی فرمایا کہ طفرہ کا طریقہ ہمارے طریقہ یعنی سلسلہ نقشبندیہ ہی میں ہے۔ یہ بزرگ جس کو چاہتے ہیں چشم زدن میں مقاماتِ عالیہ تک پہنچا دیتے ہیں اور وہاں کے انوار و اسرار طالب پہ القاء کر دیتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ خود اس مقام میں داخل ہو کر اس مقام کے انوار طالب کے دل پہ ڈالتے ہیں۔ اس وقت مولوی شاہ محمد عظیم صاحب جو شریک محفل تھے، وہ عرض گزار ہوئے کہ اس مقام کے انوار طالب پہ ڈالے جاتے ہیں یا طالب کو اُس مقام میں داخل کرتے ہیں؟ مرشدِ گرامی قدر

---

[1] جو حضرات تصریحاتِ انبیاءِ کرام و اولیائے عظام کے منکر ہیں انھیں اِن تصریحات کو مدِنظر رکھ کر ان مقدس بارگاہوں کا گستاخ بلکہ دشمن بننے اور اپنے ساتھ مسلمانوں کے دین و ایمان کو برباد کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

نے فرمایا کہ آپ کو اسی طرح کرنا چاہیئے۔

حضورِ والا نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حضرت مرزا صاحب قبلہ قدس سرّہٗ اس طرح مقامات کی تفصیل بیان نہیں فرمایا کرتے تھے جس طرح مَیں بیان کرتا ہوں اور مجھے یہ بھی الہام ہُوا ہے کہ تیرے سینے سے ایک طریقہ برآمد ہُوا ہے ــــــــ اس کے بعد آپ نے یہ بھی فرمایا کہ صوفیہ کی جماعت کثیرہ کا وہ طریقہ جس پہ ہم عمل پیرا ہیں، یہ ہے کہ پوری جماعت کے دلوں کو توجہ سے مجتمع کر کے بارگاہِ الٰہی میں عاجزی پیش کی جاتی ہے کہ یا الٰہی! ان میں سے ہر ایک کو اس کے مقام میں فیض پہنچا۔ اس وقت اپنی ہمّت کو تمام دلوں کی جانب متوجہ کرتے ہیں اور فضلِ الٰہی سے ہر ایک کو عروج واقع ہو جاتا ہے۔

اِسی دوران آپ کے حضور ذوق وشوق کا ذکر ہُوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ذوق وشوق اور کشف و کرامات کا طالب بھی خدا کا طالب نہیں ہے۔ طالب کو چاہیئے کہ صرف ذاتِ واحد جلّ شانہٗ کو طلب کرے اور اس کے سوا جو کچھ راہ میں آئے اس کی نفی کرے اور کہے کہ اس ذاتِ پاک کے سوا میرا اور کوئی مقصود نہیں ہے۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ حضرت پیرومرشد قلبی وروحی فداہٗ نے میرے ابتدائی حال میں فرمایا کہ فلاں آدمی ذوق وشوق اور کشف و کرامات کا طالب ہے۔ جو اِن شعبدوں کا طلبگار ہے اُسے چاہیئے کہ ہماری خانقاہ سے نکل جائے اور ہمارے نزدیک نہ آئے۔ جب یہ بات مجھ تک پہنچی تو حضور پُرنور میں حاضر ہو کر عرض گزار ہُوا کہ حضرت! آپ نے ایسا فرمایا ہے یا نہیں؟ ارشادِ گرامی ہُوا کہ مَیں نے یہی کہا ہے۔ مَیں عرض گزار ہُوا کہ اِس سے حضورِ والا کی مرضی کیا ہے؟ ــــــــ فرمایا کہ اس جگہ تو پتھر کو بغیر نمک کے چاٹنا ہے۔ اگر کوئی اِس چیز کا طالب ہے تو اُسے میرے نزدیک آجانا چاہیئے ورنہ نہ آئے ــــــــ مَیں عرض گزار ہُوا کہ مجھے تو یہی منظور ہے۔ آپ نے فرمایا۔ بہت خوب۔ تم آجایا کرو۔

ما برائے استقامت آمدیم
نے پئے کشف و کرامت آمدیم[1]

مرشدِ برحق نے حضرت قیومِ زماں، قطبِ جہاں، عارف بلند سیر، قبلۂ عالم، خواجہ محمد زبیر[2] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بتایا کہ وہ اپنا سرِ مبارک طالب کے دل پہ رکھ کر توجہ فرمایا کرتے تھے۔ آپ حضرت قبلۂ عالم کی بہت تعریف کرتے تھے ـــــ قبلۂ عالم کے خلیفہ، حضرت خواجہ محمد ضیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف میں فرمایا کہ جو مجددی نسبت کو مجسم دیکھنا چاہے، اُسے چاہیئے کہ خواجہ محمد ضیاء اللہ کو دیکھ لے ـــــ اور یہ بھی فرمایا کہ حضرت خواجہ محمد ضیاء اللہ رات کے پچھلے حصے میں گریہ وزاری کیا کرتے تھے اور لوگوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر جگایا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے کہ تم پر افسوس ہے۔ محبتِ الٰہی کا دعویٰ کرتے ہو لیکن تمہارا دوست اور محبوب تو بیدار ہے، تمہاری جانب متوجہ ہے اور تم سوئے پڑے ہو، خوابِ غفلت کے مزے لے رہے ہو۔ اس حالت میں تمہارا دعویٰ محبت جھوٹا قرار پاتا ہے حالانکہ سچے عاشقوں کا تو یہ حال ہوتا ہے۔

مجنوں بخیالِ زلف لیلیٰ در دشت[3] ۔۔۔ در دشت بجستجوئے لیلیٰ می گشت
میگشت بدشت و بر زبانش لیلیٰ ۔۔۔ لیلیٰ میگفت تا زبانش می گشت

---

[1] ہم استقامت کے لئے آئے ہیں نہ کہ کشف و کرامت کے لئے۔

[2] آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:۔ خواجہ محمد زبیر بن خواجہ ابوالعلیٰ بن خواجہ محمد نقشبند بن خواجہ محمد معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ آپ کی پیدائش ۵ ذیقعدہ ۱۰۹۳ھ بروز دوشنبہ ہوئی۔ قیوم رابع کا منصب پایا۔ ۴ ذیقعدہ ۱۱۵۲ھ کو دہلی میں وصال فرمایا۔ مزار مُبارک سرہند شریف میں ہے۔

[3] (۱) مجنوں زلفِ لیلیٰ کے خیال میں لیلیٰ کو جنگل میں تلاش کرتا پھرتا۔
(۲) جنگل میں پھرتا اور اس کی زبان پہ نام لیلیٰ ہوتا۔ لیلیٰ کہتا رہا جب تک زبان رہی۔

بعد ازاں مجلس شریف میں کسی نے کہا کہ سبحان اللہ ! اس طریقے کے اکابر کی عجیب شان ہے کہ اپنی ہمت اور توجہ ہی سے ان مقامات تک پہنچا دیتے ہیں کہ جو وہم وگمان میں بھی نہیں آتے مرشدِ برحق نے فرمایا کہ یہ حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہ السامی کی برکات کے باعث ہے کہ بغیر محنت کے ہر مقام کی کیفیات اور اسرار میسر آجاتے ہیں جبکہ دوسرے طریقوں میں سخت مجاہدے اور ریاضتیں کرنے کے بعد بھی یہ دولتِ عظمیٰ اور بخششِ کبریٰ کم و بیش ہی حاصل ہوتی ہے ۔

آنکہ بہ تبریز یافت یک نظر شمس دین[1]
سخرہ کند بردہ و طعنہ زند بہ چلہ

مرشد برحق نے فرمایا کہ یہ سب حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عنایت ہے کہ کارساز حقیقی جل عظمتہ، کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر دعا کی کہ یا الٰہی ! مجھے ایسا طریقہ عنایت فرمایئے جو واصل کرنے والا ہو۔ حق تعالیٰ مجیب الدعوات نے ان کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے ایسا طریقہ (عالیہ نقشبندیہ) مرحمت فرما دیا۔ جو واصل کرنے والا ہے ———— حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدسنا اللہ تعالیٰ باسرار السامی یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہمارے طریقے میں نہ محرومی ہے اور نہ مجاہدہ ... ہم بامراد ہیں اور ہمارے طریقے کے اندر ابتداء میں ہی انتہا حاصل ہو جاتی ہے ۔

اوّل ما آخر ہر منتہیٰ
آخر ما جیب تمنا تہی[2]

مرشدِ برحق فرماتے ہیں کہ انتہا کو ابتداء میں درج کرنے (اندراج النہایت فی البدایت)

---

[1] جو شمس دین کی ایک نظر نے تبریز سے حاصل کیا ۔ وہ دس کو مطیع کرتا ہے اور چلہ پر طعنہ زنی کرتا ہے

[2] ہماری ابتداء ہر منتہیٰ کی انتہا ہے اور ہماری انتہا جیب تمنا کا خالی ہونا ہے ۔

کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں حضورِ قلب و آگاہی، جو توجہ الی اللہ سے عبارت ہے، شروع میں پیدا ہو جاتی ہے نیز جمعیتِ خاطر، بے خطرہ اور کم خطرہ ہونا حاصل ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ سالک وہاں تک جا پہنچتا ہے کہ غیر کا خطرہ ہرگز دل میں نہیں آتا۔ اگر بالفرض ہزار سال کی عمر پائے تب بھی ماسوا کا خطرہ دل میں نہیں آتا۔ یہی دوسروں کی انتہا ہے ——— معناً یہ کلام یوں بھی ہے اس طریقہ (عالیہ نقشبندیہ) میں سلوک پہ جذبہ مقدم ہے جبکہ دوسرے طریقوں میں جذبہ آخر میں ہے۔ پھر حضورِ والا یہ شعر پڑھتے ہیں:۔

از قتلِ من مترس کہ دیوانیانِ حشر
مجرم کنند بہرِ تو صد بے گناہ را[1]

۴

۱۸ ربیع الآخر ۱۲۳۱ھ ——— جمعہ

یہ غلام محفل عالی مقام میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ آدمی کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ رہنا چاہیئے اور اوقات میں سے ہر وقت اور افعال میں سے ہر فعل کے انوار و اسرار اور فیوض و برکات کی تمیز کرنی چاہیئے۔ مثلاً جب نماز پڑھے تو دیکھے کہ انوار و برکات کس کیفیت کے ساتھ آتے ہیں اور تلاوتِ قرآنِ کریم کے وقت کس طرح وارد ہوتے ہیں۔ درود شریف پڑھتے وقت کیا فیض پہنچتا ہے اور کلمہ طیبہ کا وِرد کرنے سے کونسی برکتیں حاصل ہوتی ہیں اور کتبِ احادیث کا مطالعہ کرنے سے کونسے اسرار منکشف ہوتے ہیں اور اسی طریقے سے نقصان دینے والی چیزوں کا خیال رکھنا چاہیئے کہ منہیات اور شبہ والی چیزوں کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں مثلاً شبہ کے لقمے سے کیا ظلمت آتی ہے اور غیبت سے باطن کو کیا نقصان پہنچا اور جھوٹ سے دل پہ کیسی ظلمت چھاتی ہے

---

[1] میرے قتل سے نہ ڈر کہ حشر کے دیوان تیری خاطر سو بے گناہوں کو مجرم ٹھہراتے ہیں۔

علیٰ ہٰذا القیاس اسی طرح تمام منہیات کے ضرر کو سمجھے اور اُن سے احتراز کرے۔ مرشدِ برحق کا کلام ختم ہوا۔

راقم (مولانا رؤف احمد رافت مجددی رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے: ــــــــ طالب کو چاہیئے کہ ہر لحظہ اور ہر لمحہ یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ مجھ سے کیا سرزد ہوا ہے۔ اگر وہ کتاب و سنت کے مطابق و موافق ہے تو اُس پر خدا کا شکر ادا کرے اور اگر نعوذ باللہ قرآن حدیث کے خلاف ہے تو توبہ و استغفار کرے۔

گناہ پوشیدہ را توبہ پوشیدہ و گناہ	پوشیدہ گناہ کی توبہ پوشیدہ طور پر کرے
ظاہر را توبہ آشکار کند (ص ۱۱)	اور ظاہر گناہ کی توبہ آشکارا طور پر کرے

اور توبہ کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ کراماً کاتبین گناہ کے لکھنے میں توقف کرتے ہیں اگر گناہ کرنے والا توبہ کرے تو وہ گناہ کو نہیں لکھتے ورنہ لکھ لیتے ہیں اور

حضرت ایشاں قبل از حلقہ لفظ مبارک	مرشدِ برحق حلقہ سے پہلے دو تین مرتبہ
اللہ دو سہ بار جہراً گفتند۔ (ص۱۱)	بلند آواز سے لفظ مبارک اللہ کہتے ہیں

اُس وقت اِس عاجز کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ احاطۂ تحریر میں نہیں سما سکتی اور خود مرشد برحق اس وقت اپنا دستِ مبارک بلند کر کے تعجب خیز حالت میں ہو جاتے ہیں اور بے اختیار زبان مبارک پر یہ شعر لے آتے ہیں:۔

اے[1] خدا قربان احسانت شوم
ایں چہ احسانست قربانت شوم

ایک شخص جو حاضر بارگاہ ہوا۔ اس نے طریقۂ ذکر معلوم کرنے کی استدعا کی۔ مرشدِ گرامی فداہ قلبی و روحی نے فرمایا کہ اپنی زبان کو تالو کے ساتھ چسپاں کر کے لفظ مبارک اللہ، اللہ کہنا

---

[1] اے خداوند تعالیٰ! میں تیرے احسان کے قربان جاؤں اور تیرے احسان پر میرا قربان جانا کونسا کسی پر احسان ہے۔

چاہیے، یعنی پہلے اسم پر ضمہ اور دوسرا ساکن رکھے (اللہُ ، اللہْ) اور یہ خیال رکھے کہ قلب یہ ذِکر کر رہا ہے۔ جس کا مقام بائیں پستان سے دو انگشت نیچے ہے اس طرح کہے گویا لفظ مبارک اللہ دِل میں آیا ہے۔ اس کے بعد تئیس مرتبہ یوں کہے ـــــــ اے خدا میرا مقصود تو ہے اور تیری رضا ہے۔ مجھے اپنی محبت و معرفت عطا فرما۔ اسی طریقے سے ذکر پہ مداومت کرنی چاہیئے۔

اِس کے بعد کوئی دوسرا شخص عرض گزار ہؤا کہ ایک صاحب علم ہے جو آپ سے بیعت ہونے کا متمنی ہے لیکن کہتا ہے کہ مَیں نے چند مقامات پر بزرگوں کے زیرِ سایہ حبس و ریاضت کی ہے لیکن اب میرے اندر اس کی طاقت نہیں رہی ہے۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ میرے طریقے میں مجاہدہ نہیں ہے، ہاں وقوفِ قلبی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دِل کو ہمیشہ ذاتِ باری تعالیٰ کی جانب متوجہ رکھے اور گزشتہ و آئندہ قلبی خطرات کی نگہداشت کرے۔ خیالات کی ہر لمحہ نگہبانی کرنی چاہیئے۔ گزشتہ و آیندہ خطرات کی نگہبانی اس طرح کرنی چاہیئے کہ جب دِل میں یہ خیال آئے کہ فلاں کام ماضی میں یوں ہؤا تھا تو اسی وقت اس خیال کو دِل سے نکال دے کہ وہ پورا قصہ دِل میں نہ آنے پائے اور اگر خیال آئے کہ مَیں فلاں جگہ جاؤں گا وہاں اِس قسم کے کام کروںگا اور اس کام میں یہ فائدہ ہے۔ ایسے خیالات کو دِل سے دُور کر دے غرض خدا کے سوا جو بھی خیال دِل میں آئے اُسے فورًا دفع کر دے اور اسے پوری طرح دِل میں نہ آنے دے۔

اِسی دوران مَیں توبہ کا ذِکر شروع ہوگیا۔ حضورِ والا نے فرمایا کہ سریع التاثیر توجہ اسی صورت ہوتی ہے کہ اپنی صورت کو مرشد کی صورت میں تصور کرکے اور مراقبۂ معیّت کا لحاظ رکھتے ہوئے طالب کے قلب پہ ہمت کی توجہ ڈالے اور طالب کو ذوق و شوق سے مالامال کرے۔ ع تا یارِ کرا خواہد و میلش بکہ باشد[۱]

---

[۱] یار کس کو چاہتا ہے اور اس کی توجہ کس کی جانب ہے۔

آپ کے حضور صوفیہ کے شادی کرنے کا ذکر ہوا۔ مرشد بر حق نے فرمایا کہ واقفِ اسرار کاشفِ انوار حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک گناہ ہو گیا ہے۔ اگر پانچ سو سال تک زندہ رہوں اور توبہ و استغفار کرتا رہوں تب بھی اس کا کفّارہ ادا نہیں ہو گا۔ یارانِ مجلس عرض گزار ہوئے کہ کونسا گناہ واقع ہوا ہے؟ فرمایا کہ: نکاح۔ پس جائے غور ہے کہ باوجود اس ظاہری شان و شوکت کے اس میں ایسی باطنی مضرّت بھی ہے اور ان کا ظاہری حال ظاہر و باہر اور مشہور و معروف ہے جیسا کہ ان کی شان میں مولانا عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

چو فقر[1] اندر قبای شاہی آمد

بتدبیر عبید اللّٰہی آمد

ایک آدمی آپ کی خدمت میں عرض گزار ہوا: کیا حضرت مرزا صاحب قبلہ، مظہرِ جانِ جاناں[2] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طریقہ قادریہ سے بھی فیض پہنچا ہے یا نہیں؟ مرشدِ گرامی قدر نے ارشاد فرمایا کہ جو فیض حضرت مجدّد الف ثانی قدسنا اللہ باسرار السامی کو حضرات نقشبندیہ قادریہ اور چشتیہ سے پہنچا ہے وہ حضرت مرزا صاحب کو بھی حاصل ہے۔ علاوہ ازیں حضرت غوث الاعظم، محبوبِ سبحانی، شیخ عبد القادر جیلانی[3] رحمۃ اللہ علیہ کی روح مبارک اور حضرت

---

[1] جب فقر شاہی قبا میں آیا تو خواجہ عبید اللہ احرار کی صورت میں آیا۔

[2] لقب شمس الدین عرف جانِ جاناں اور تخلص مظہر ہے۔ ۱۲ رمضان المبارک ۱۱۱۱ھ کو پیدا ہوئے۔ والد ماجد مرزا جان شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے منصب دار تھے۔ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے علمبردار اور فضل و کمال میں یگانہ روزگار تھے۔ ۱۰ محرم الحرام ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۰ء کو ایک رافضی کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کیا۔ عاش حمیداً مات شہیداً تاریخ وفات ہے۔

[3] شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۱ ربیع الثانی ۴۷۰ھ یا ۴۷۱ھ میں ہوئی۔ آپ اولیاء اللہ کے سردار ہیں۔ اولیاء اللہ نے آپ کو غوثِ اعظم اور غوث الثقلین مانا ہے۔ آپ حسنی حسینی سید تھے۔ محی الدین لقب پایا

(بقیہ حاشیہ صفحہ)

قطب المحققین، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی رُوحِ مُبارک سے بھی فیض حاصل کیا ہے
اور حضرت غوث الواصلین، خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کرنا تو ظاہر و
باہر ہے۔

اِس کے بعد آپ کے حضور توجہ کی تیزی کا ذکر آیا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک روز میاں
کرامت اللہ صاحب کے پہلو میں شدت کا درد ہوا۔ میں نے اس جگہ ہاتھ رکھ کر توجہ ڈالی
تو فوراً درد رفع ہو گیا۔ اس وقت میاں کرامت اللہ بھی محفل میں موجود تھے۔ انہوں نے اس
بات کی تصدیق کر دی۔ علاوہ بریں مُرشدِ برحق نے فرمایا کہ ایک روز میں نے چلتی ہوئی کشتی
پر توجہ ڈالی تو وہ ٹھہر گئی ۔

۵

۱۶ ربیع الآخر ۱۲۳۱ھ ــــــ ہفتہ

فقیر حضور پُر نُور میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ طریقۂ نقشبندیہ میں کیا چیز فرض ہے ؟
ارشاد فرمایا کہ (۱) وقوفِ قلبی (۲) خیالات کی نگہداشت ــــــ اِسی طرح آپ کے
حضور زکوٰۃ کا مسئلہ شروع ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ زکوٰۃ کا ادا کرنا ایک سال بعد لازم ہوتا ہے
لیکن میرے پاس جب روپے آتے ہیں میں اُسی وقت زکوٰۃ ادا کر دیتا ہوں ــــــ
یہ بھی فرمایا کہ کسی شخص نے حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[۱] سے مسئلہ زکوٰۃ پُوچھا۔ حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آپ کے ذریعے دنیا میں ایک اسلامی انقلاب آگیا تھا۔ آسمانِ علوم و معرفت کے آپ نیرِ تاباں
ہیں۔ جمادی الاخریٰ ۵۶۱ھ / ۱۱۶۵ء کو بغداد میں وصال فرمایا ۔

[۱] شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نامور خلیفہ تھے۔ آپ
اکابر صوفیہ سے ہیں تحصیلِ علم اور ریاضت و مجاہدے میں بڑی مشقت اُٹھائی۔ ۸۷ سال کی
عمر میں ۳۳۴ھ / ۹۴۵ء میں وصال فرمایا ۔

شیخ نے فرمایا کہ ایک سال کے بعد سَو روپوں میں سے دو روپے اور آٹھ آنے ادا کرنے ہوتے ہیں۔ لیکن میرا قول یہ ہے کہ دو روپے آٹھ آنے دیتا ہوں اور اس کے بعد سَو میں سے جتنے بچتے ہیں انہیں راہ خدا میں خیرات کر دیتا ہوں۔

اس کے بعد مجلس شریف میں وصل عریانی کے مقام کا ذکر آیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کمالات میں وصل عُریانی کا حصول ہوتا ہے اور اس سے مُراد تجلّی ذاتی ہے جو اعتبارات و تعینات سے خالی ہوتی ہے نیز صفات کے اطلاق میں وراء الورا ہوتی ہے۔ اس مقام پر سوائے حقیقی ذات کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اِس مقام پر سالک کے حصّے میں یاس، ناامیدی اور محرومی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ اگرچہ وصول ہوتا ہے لیکن حصول نہیں ہوتا یعنی ذوق وشوق، آہ و نعرہ، وجد تواجد اور استغراق و بے خودی میں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ تمام چیزیں ولایت قلبی میں حاصل ہوتی ہیں اور اِن کا حصول خاندان نقشبندیہ کی ابتدائی باتوں سے ہے اور اس مقام (وصل عُریانی) پر یعنی جو انتہائی مقامات سے ہے، سالک کو خود اپنی نسبت کا ادراک نہیں رہتا۔

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ قلبی حالات جو سالک پر وارد ہوتے ہیں ان کا وارد ہونا تیز بارش کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور اس کے بعد جب سالک مقام قلب سے عروج کرے اور لطیفۂ نفس میں سیر واقع ہو تو اُس وقت احوالِ قلب ہلکی بارش کی شکل میں نظر آتے ہیں اور جب معاملہ لطیفۂ نفس سے اُوپر چلا جاتا ہے تو جس قدر عروج ہوتا جائے گا اُسی قدر نسبت معدوم ہوتی چلی جائے گی۔ اور اس میں اس قدر ہلاکت اور کمزوری آجائے گی کہ وہ بالکل باریک تہ یعنی شبنم کی صورت میں نظر آتی ہے۔

ھ   تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد

ف۵ آنوں والے سکّے اب رائج نہیں ہیں۔ لہٰذا دو روپے آٹھ آنے کی جگہ اب دو روپے پچاس پیسے بنتے ہیں کیونکہ ایک روپے کے اب سَو پیسے رائج ہیں جبکہ قبل ازیں نصف روپے کے آٹھ آنے ہوتے تھے۔ اختر

۶

۱۷؍ ربیع الآخر ۱۲۳۱ھ ـــــ اتوار

فقیر نے مرشدِ برحق کی محفل فیض منزل میں حاضر ہو کر آستاں بوسی کا شرف حاصل کیا۔ آپ کے حضور نکاح کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا کہ صوفی کے لیے نکاح کرنا زیبا نہیں اور عورتوں سے صحبت نہیں رکھنی چاہیئے اور یہ بھی فرمایا کہ آدابُ المریدین کتاب میں حضرت ضیاء الدین ابو نجیب عبد القاہر سُہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانے میں نکاح نہیں کرنا چاہیئے پس اس صوفی پر افسوس ہے کہ اس زمانے میں دست درازی کرے یعنی نکاح کرے۔ (یہ حضرات صوفیہ کا اپنا مخصوص معاملہ ہے اسے عوامی سبق نہیں سمجھنا چاہیئے)۔

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت غوث الثقلین، محبوب سبحانی، سید محیّ الدّین ابو محمّد عبد القادر جیلانی الحسنی الحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب نکاح کیا تو اس وقت کے صوفیا کرام متعجب ہوئے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ میں نے یہ کام حکم خداوندی سے کیا ہے

یہ بھی فرمایا کہ صوفی کو ترک و تجرید، دنیا سے رُوگردانی۔ ماسوی اللہ سے انحراف اور امیروں کی صحبت سے دُور رہنا چاہیئے اور نکاح اِن چیزوں سے مانع ہے کیونکہ عورتوں میں صبر و توکّل اور قناعت کہاں؟ اِلّا ماشاء اللہ۔

چنانچہ منقول ہے کہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ زادِ راہ، سواری اور خدّام کے بغیر زیارتِ کعبہ کے لئے روانہ ہوئے۔ راستے میں اچانک ایک شخص ہم سفر مل گیا۔ آپ نے

ع ـہ جو لوگ انبیاء و اولیاء کی استمداد کے منکر اور شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو غوث اعظم کہنے پر شرک کے فتوے لگاتے اور سچے مسلمانوں کو مشرک ٹھہراتے ہیں وہ غور کریں کہ صرف اسی ایک ملفوظ میں حضرت شیخ کے لئے تین[۳] مرتبہ غوث الثقلین اور دُو[۲] مرتبہ غوثِ اعظم لکھا ہے۔ کیا حضرت شاہ غلام علی نقشبندی اور شاہ رؤف احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما جیسے آسمانِ رشد و ہدایت کے شمس و قمر بھی مشرک تھے؟ دیدہ باید۔

پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ اس آدمی نے جواب دیا کہ مَیں حج کے ارادے سے جا رہا ہوں اور مَیں نے تہیہ کیا ہے کہ تنہا بغیر زادِ راہ اور سواری کے جاؤں گا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ مَیں نے بھی یہی ارادہ کیا ہے۔ غرضیکہ وہ آدمی آپ کے ہمراہ ایسی جگہ پہنچا کہ جہاں ایک عورت ہوا پر اڑ رہی تھی۔ وہ ان حضرات کے نزدیک آئی اور کہنے لگی کہ مَیں نے حبش میں تمہارے نور کا مشاہدہ کیا، آج تمہاری دعوت میرے ذمہ ہے۔ انہوں نے قبول کر لی۔ جب کھانے کا وقت آیا تو دیکھا کہ کھانے کا ایک خوان آسمان سے زمین پر آیا، جس میں چھ روٹیاں، سالن کی تین پلیٹیں اور پانی کے تین کوزے تھے۔ اس عورت نے اس نعمت کے تین حصے کئے۔ ایک حصہ خود رکھ لیا اور باقی دو حصے اِن دونوں حضرات کو دے دیئے اور کہنے لگی کہ شکر ہے اُس ذاتِ کریم کا جس نے میرے مہمانوں کی مہمان نوازی کا بندوبست کر دیا ہے۔ کھانے سے فراغت کے بعد وہ عورت ہوا میں پرواز کرتی ہوئی چلی گئی اور حضرت والا اپنے رفیقِ سفر کی معیّت میں خانۂ کعبہ معظمہ پہنچ گئے۔ حج کے بعد فضلِ الٰہی سے وہ دوسرا شخص فوت ہو گیا۔ اس وقت دیکھا گیا کہ وہی حبشی عورت ہوا پر اڑتی ہوئی آئی۔ خانۂ کعبہ کے پاس اُڑتی اور حضرت کے حضور حاضر ہو کر کہنے لگی کہ اے مُردوں کو زندہ کرنے والے! اس شخص کو زندہ فرما۔ پس اللہ جلّ شانہٗ کے حکم سے وہ شخص زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ (سُبحان اللہ)

مرشدِ برحق نے فرمایا کہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے وصال کی تاریخ کے بارے میں تین روائیتیں ہیں:۔ نویں، گیارھویں اور سترھویں تاریخ ماہ ربیع الثانی

راقم (مولانا رؤف احمد رافت رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی تاریخِ ولادت، عمر اور تاریخِ وفات کو کسی شخص نے ایک شعر میں یُوں نظم کیا ہے:۔

تولّد عاشقِ کامل شدہ عمر[1]

وصالش داں تو معشوقِ الٰہی

---

[1] آپ کا تولّد عاشق، عمر کامل اور وصال خدا کا معشوق ہے۔ یعنی بلحاظ ابجد یہ تینوں تاریخیں ہیں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نیز ایک شخص آپ کی خدمت میں بیعت ہونے کی غرض سے حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے دستِ مبارک میں پکڑا اور اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْہِ[1] تین بار پڑھا پڑھایا۔ اس کے بعد اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَ شَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ ـــــ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسْمَآئِہٖ وَصِفَاتِہٖ وَ قَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْکَامِہٖ[2] پڑھا اور پڑھایا۔ اس کے بعد ایک مرتبہ کلمہ شہادت اور تین مرتبہ کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تک پڑھا اور پڑھایا بعدہٗ اس شخص سے پوچھا کہ آپ کون سے طریقے میں بیعت ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ وہ شخص عرض گذار ہوا کہ خاندان قادریہ میں ـــــ مرشد برحق نے حضرت غوثِ اعظم اور سلسلہ عالیہ قادریہ کے تمام اولیاء اللہ کی ارواح کو فاتحہ پڑھ کر ثواب نذر کیا اور ذکرِ قلبی کی تلقین فرمائی جو حضرات نقشبندیہ کا معمول ہے۔ اس وقت مجلس میں بہت سے فیوض و برکات ظاہر ہوئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) عاشق کے عدد ۴۷۱ ہیں جبکہ آپ کی پیدائش ۱۲۲۲ھ میں ہوئی، وصال کا سن معشوقِ الٰہی سے ۱۲۶۲ھ معلوم ہوا اور عمر مبارک لفظ کامل سے اکانوے ۹۱ سال ظاہر ہوئی۔

[1] میں اللہ سے جو میرا رب ہے ہر گناہ کی معافی چاہتا اور اسی کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

[2] میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور آخری دن (قیامت) پر اور تقدیر پر کہ اس کی بُری اور بھلائی اللہ کی طرف سے ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر ـــــ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اس طرح جیسا وہ اپنے ناموں اور اپنی صفات کے ساتھ ہے اور میں نے اس کے تمام احکام کو قبول کیا۔

۷

۱۸ ربیعُ الآخر ۱۲۳۱ھ ——— سوموار (پیر)

احقر مبارک مجلس میں حاضر ہوا۔ اس روز حضرت نظام الدین اولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا عرس مبارک تھا۔ مَیں مرشدِ برحق سے اجازت لے کر حضرت نظام الدین اولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پُر انوار کی زیارت کے لیئے چلا گیا۔ سارا دن وہاں گزار کر شام کو خدمت مُرشد میں حاضر ہُوا۔ بایں وجہ مرشدِ برحق کے کلام فیض نظام سے مستفید نہ ہو سکا۔ ہاں شام کے وقت جبکہ مَیں بارگاہِ عالی میں حاضر تھا تو مرشدِ برحق نے فرمایا کہ انبیائے کرام میں سے جس نبی یا اولیائے عظام میں سے جس ولی کے نام فاتحہ[۲] پڑھی جائے تو پڑھنے وقت اُس نبی اور ولی کی جانب متوجہ ہو کر بیٹھنا چاہیئے، تو پڑھنے والا اُس کے فیض سے بھی بہرہ ور ہوگا۔

۸

۱۹ ربیعُ الآخر ۱۲۳۱ھ ——— منگل

فدوی آپ کی محفل فیض منزل میں حاضر ہُوا۔ مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ حضورِ قلب دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک قسم حضورِ ذکر ہے۔ ابتدائی حالات میں سالک کے لطائف ذاکر ہو جاتے ہیں۔ اس حالت کی نگہداشت کرنی چاہیئے ——— دوسرا حضور وہ ہے جس کو مع اللہ (معیتِ خداوندی کا تصوّر) کہتے ہیں کہ جس کو ہمارے طریقۂ نقشبندیہ میں یادداشت

---

[۱] بعض لوگ اللہ والوں کی دشمنی پر اس درجہ ادھار کھائے بیٹھے ہیں کہ مزاراتِ اولیاء کی حاضری زنا سے بدتر بتاتے اور شرک ٹھہراتے رہتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ کمال ڈھٹائی سے ایسی عبارتیں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) کی تصانیف میں شامل کر کے اپنی جعلی عبارتوں سے اہل حق کے خلاف استناد کرنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے بدباطن لوگوں کے شر سے تمام مسلمانوں کو محفوظ و مامون رکھے، آمین۔

[۲] فاتحہ بزرگانِ دین کے معمولات میں شامل ہے، جس پر اہل سنّت وجماعت کے عوام و خواص کا عمل رہا ہے۔ اس پر بدعت کے فتوے جڑنے والوں کو اپنے فتووں پر نظرِ ثانی کرنی چاہیئے۔

توجہ یا آگاہی در حضور کہتے ہیں اور دوسرے طریقوں میں اسے شہود کہتے ہیں اور یہ دل کی اس بینائی کا نام ہے جس کا رُخ اللہ سُبحانہٗ کی جانب ہوتا ہے۔

جب یہ چیز حاصل ہو جائے تو اس کی نگہداشت ضروری ہے یہاں تک کہ وہ دل کا ملکہ ہو جائے تو دائمی حضور حاصل ہو جاتا ہے اور غفلت قریب نہیں پھٹکتی۔ اگرچہ ایسا شخص ظاہری طور پہ کسی دنیاوی کام میں مصروف نظر آتا ہے لیکن اس کا باطن اللہ تعالیٰ کی جانب مائل ہوتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔

ع ہاتھ کار و بار میں اور دل بسوئے یار ہے

حضرت محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے نزدیک یہ دائمی حضور اس وقت حاصل ہوتا ہے جب بحالتِ خواب بھی اللہ رب العزت سے غافل نہ رہے لیکن ہمارے نزدیک اس وقت یہ حضور حاصل ہوتا ہے جب نیند سے بیدار ہو تو دل کو آگاہ پائے جبکہ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ چیز اس وقت حاصل ہوتی ہے کہ جب بھی دل کی طرف متوجہ ہو اور دل کو مشاہدۂ ذات میں مصروف پائے تو یہ حضور دائمی ہے۔

مرشدِ برحق نے فرمایا ہے کہ مرتبۂ ولایت میں خطرات نقصان پہنچاتے ہیں لیکن کمالات نبوت کے مرتبے میں نیک خطرات مضر نہیں ہیں، چنانچہ حضرت امیر الاولیاء، امام الاصفیاء، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہٗ عین نماز میں دشمنانِ خدا کے ساتھ لڑائی کی تدبیریں اور صفوں کی درستی فرمایا کرتے اور ان خیالات سے اُن کے حضورِ قلب میں فرق نہیں آتا تھا چنانچہ آفتاب کا مشاہدہ جو دل کے تخیلات سے ہو۔

اور یہ حضورِ قلب کا کمال اور مشاہدۂ حق ہے۔ اللہ تعالیٰ میسّر فرمائے۔

دادیم ترا ز گنجِ مقصود نشاں
گر ما نرسیدیم تو شاید برسی[1]

---

[1] مَیں نے تجھے مطلوبہ خزانے کا پتہ بتا دیا ہے اگرچہ میں اس تک نہیں پہنچ سکا لیکن شاید تو پہنچ جائے۔

اِس کے بعد آپ کے حضور صوفیائے کرام کے کھانے کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ ایک رضائے نفس ہے اور ایک حقِ نفس۔ پُر تکلّف کھانے، مختلف کھانے اور زیادہ کھانا رضائے نفس ہے اور حقِ نفس یہ ہے کہ اتنا کھائے جس سے فرائض و سُنن کے ادا کرنے کی طاقت باقی رہے۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ اسی لئے کسی بزرگ[1] نے کہا ہے کہ :-

نہ چنداں بخور کز دہانت برآید
نہ چنداں کہ از ضعف جانت برآید[2]

مرشدِ برحق نے فرمایا کہ حضرت نظام الدین اولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خانقاہ کے صوفی گداگری کرتے تھے۔ وہ ایک روز جاتے اور اسے کئی روز کھاتے تھے۔ یہ بھی فرمایا کہ بعض صوفیہ کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ مزدوری کر کے کھاتے، چنانچہ خلیفہ ہارون رشید کے فرزند احمد سبتی رحمۃ اللہ علیہ ہفتے کے روز مزدوری کرتے اور اُسے باقی چھ روز کھاتے اور عبادت الٰہی میں مصروف رہتے مگر خلیفہ ہارون رشید کے گھر سے کبھی نہ کھاتے اور مسجد میں رہتے تھے ——— ایک روز خلیفہ ہارون رشید ان کے نزدیک آیا اور کہنے لگا کہ اے فرزند! تُو نے مجھے رُسوا کر دیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ بادشاہ کا بیٹا کیسی خراب حالت میں ہے انہوں نے فرمایا کہ ابا جان! میری وجہ سے آپ کی کوئی رسوائی نہیں ہے البتہ آپ کے باعث مجھے یقیناً شرمسار ہونا پڑتا ہے۔ ہارون رشید نے پُوچھا۔ وہ کس طرح؟ فرمایا کہ یہ پرندے جو ہوا میں اڑ رہے ہیں ذرا انہیں بلائیے۔ ہارون رشید نے انہیں آواز دی تو وہ اور اونچائی کی جانب اڑنے لگے۔ اِس کے بعد احمد سبتی رحمۃ اللہ علیہ نے پرندوں کو اشارہ کیا تو وہ فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے فرمایا کہ ابا جان دیکھا! آپ کی آواز سے

---

[1] مترجم عفی عنہ کہتا ہے کہ وہ بزرگ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

[2] نہ اتنا کھا کہ تیرے منہ سے باہر نکل آئے اور نہ اتنا (کم) کھا کہ کمزوری سے تیری جان نکل جائے۔

یہ بھاگتے ہیں اور میرے اشارے پر حاضر ہو جاتے ہیں۔

اِس کے بعد احمد سبتی رحمۃ اللہ علیہ کسی دوسرے شہر میں چلے گئے۔ روانگی کے وقت ان کی والدۂ محترمہ نے ایک لعل ان کے بازو سے باندھ دیا اور تلاوت کے لیے قرآن کریم کا ایک نسخہ دے دیا تھا۔ جب دوسرے شہر پہنچے تو معماروں کے ساتھ مزدوری کرتے یعنی اینٹیں اٹھا کر لاتے تھے۔ اِس طرح ہفتے کے روز مزدوری کرتے اور باقی چھ روز صحرا کی ایک مسجد کے اندر خلوت میں گزارتے۔ مزدوری کے روز کام کرنے میں ذرا سستی اور کمی نہ آنے دیتے حالانکہ عام مزدوروں کی یہی حالت ہوتی ہے۔ وہ امیر جو اس جگہ کا مالک تھا جب اس نے آپ کے طرزِ عمل کا مشاہدہ کیا تو ان کا معتقد ہو گیا کہ یہ عجیب آدمی ہے کہ مزدوری کے وقت کام میں کمی نہیں آنے دیتا اور باقاعدگی سے پانچوں وقت نماز پڑھتا ہے۔

قصہ مختصر ایک دفعہ اپنی پرانی عادت کے مطابق احمد سبتی رحمۃ اللہ علیہ مزدوری کے لیے ہفتے کے روز نہ آئے تو اس امیر نے مزدوروں سے پوچھا کہ فلاں آدمی کیوں نہیں آیا ہے؟ وہ کہاں رہتا ہے؟ ایک شخص بولا کہ وہ فلاں مسجد میں رہتا ہے لیکن آجکل وہ بیمار ہے۔ امیر اُن کے پاس گیا، عیادت کی اور بڑے خلوص و محبت کا اظہار کیا۔ احمد سبتی رحمۃ اللہ علیہ سخت بیمار تھے۔ فرمانے لگے کہ اگر پوری کرو تو میری تین وصیتیں ہیں۔ امیر عرض گزار ہوا کہ جو ارشاد ہوگا ضرور اس کی تعمیل کرونگا ——— فرمایا۔ مَیں ہارون رشید کا بیٹا ہوں۔ مَیں نے اُن سے کوئی چیز کبھی نہیں لی مگر یہ لعل زبردستی میرے بازو میں باندھ دیا گیا اور یہ کلامِ مجید کا ایک نسخہ میں خود لے آیا تھا، اِس وقت یہ دونوں چیزیں میرے پاس موجود ہیں۔ پس:-

پہلی وصیت: یہ ہے کہ یہ دونوں امانتیں خلیفہ ہارون رشید کو پہنچا دی جائیں۔

دوسری وصیت: یہ ہے کہ مَیں نے ساری عمر کوئی کام حق سبحانہٗ تعالیٰ کی رضا کے مطابق نہیں کیا اور ماسوائے تقصیر اور گناہ کے مجھ سے اور کچھ ظاہر نہیں ہوا۔ پس ضروری ہے کہ مرنے کے بعد میرا منہ سیاہ کر دیا جائے، میری گردن میں رسی ڈال کر پورے شہر کے

ہر کوچہ و بازار کے اندر گھسیٹا جائے اور یہ اعلان کیا جائے کہ جو غلام بھی اپنے آقا کی نافرمانی کرے اس کا یہی حال ہونا چاہیئے۔

تیسری وصیت:۔ یہ ہے کہ میری قبر کا نشان نظر نہ آئے

یہ وصیتیں کر کے وہ اس جہانِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ امیر کو بہت ہی رنج و ملال ہوا ــــــ جب مجبوراً وصیت کے مطابق اس نے چاہا کہ گردن میں رسی ڈالے تو اس کے کانوں میں آوازِ غیب اور ندائے لاریب آئی کہ اے بے ادب! ہمارے مقربین کے ساتھ ایسی بے ادبی سے پیش آتا ہے اور ہمارے غضب سے نہیں ڈرتا؟

اسی طرح فقر اور درویشی کا ذکر آیا تو مرشدِ برحق نے فرمایا کہ درویشی پہلے اکابر نے ہی کی کہ مجاہدوں اور ریاضتوں پر قائم رہتے اور کئی کئی روز کے بعد حقِ نفس ادا کرنے کی خاطر تھوڑا بہت کھا لیتے اور رضائے نفس کو ترک کر دیتے تھے لیکن مجھے تو درویشی کا نام لینے میں بھی شرم آتی ہے کیونکہ میرے اندر صوفیائے متقدمین کے طور طریقے کہاں ہیں۔ لیکن

عیب[1] ہا جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

---

[1] اللہ غنی۔ اللہ والے نام و نمود سے کس درجہ گریزاں رہتے ہیں لیکن اُن کا خالق و مالک ان کے نام کو اس درجہ روشن اور اُن کے ذکر کو اتنا بلند کر دیتا ہے کہ زندۂ جاوید بنا دیتا ہے۔ سُبحان اللہ۔

[2] مقربینِ بارگاہِ الٰہیہ کا ادب ہر خیر و خوبی کا ضامن ہے اور ان حضرات کی بے ادبی کرنے سے دین و ایمان کا بیڑا منجدھار میں ڈوب جاتا ہے۔ منزلِ مقصود اللہ والوں کے ذریعے ہی ہاتھ آتی ہے۔ ان کی عقیدت و رفاقت کے ثمرات دیکھنے ہوں تو اصحابِ کہف کے کتے کی مثال ہی کافی ہے۔ پس

از خدا خواہیم توفیقِ ادب

بے ادب محروم ماند از فضلِ ربّ

[1] تُو نے اس کے سارے عیب بیان کیے ہیں۔ اس کے ہُنر بھی بیان کر۔

فضلِ خداوندی سے توجّہ الی اللہ اور اس کے غیر سے انحراف کلّی میرے اندر موجود ہے نیز حق تعالیٰ جلّ وعلا اور اس کی رضا کے سِوا کسی کو اپنا مقصود و مطلوب شمار نہیں کرتا بلکہ لقائے یار سے مست، اس کے دیدار میں ایسا مدہوش ہوں کہ دُنیا و آخرت سے مجھے کوئی سروکار نہیں ہے۔

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم! | خاک شوم و بزیرِ پائے تو زیم!
مقصودِ من خستہ زکونین توئی! | از بہرِ تو میرم و برائے تو زیم! [۱]

مرشدِ برحق بعض اوقات کمالِ شوقِ الٰہی جلّ جلالہٗ میں یہ رُباعی جوشِ عشق کے تحت بے اختیار پڑھنے لگتے ۔

حوّراں بنظارۂ نگارم صف زد | رضوان زتعجب کف خود برکف زد
یک خال سیاہ بران رُخ مطرف زد | ابدال زبیم چنگ بر مصحف زد [۲]

اُسی روز اِس بندۂ خدا (حضرت مولانا رؤف احمد رأفت رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے حالات پر مشتمل ایک درخواست آپ کی خدمتِ عالی میں پیش کی تو مرشدِ برحق نے جواباً چند سطریں انعام فرمائیں انہیں تبرک کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ لیجئے وہ جواب یہ ہے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

آپ کا رقعہ شریفہ موصول ہُوا، اس کے مضامین مندرجہ نے مسرور کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے آباؤ اجداد کے علوم و معارف تک پہنچائے۔ سیرِ قلبی کے دَوران

---

[۱] مَیں چاہتا ہوں کہ ہمیشہ تیری طلب میں زندہ رہوں۔ مٹی ہو کر تیرے پیروں تلے زندگی گزاروں۔ کونین سے مجھ خستہ کا مقصود صرف تُو ہے۔ مَیں تیرے لیے مرتا ہوں اور تیرے لئے جیتا ہوں۔

[۲] حوروں نے دیدارِ معشوق کی خاطر صف باندھی۔ رضوان (داروغۂ بہشت) نے تعجب سے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ اُسکے چہرے کا ایک سیاہ خال (تل) ابدال نے خوف سے مصحف پر پنجہ مارا۔

بہت سی رنگینیاں سامنے آئیں گے۔ یہ محض رنگینیاں ہیں، کوشش فرمائیں اور جنابِ الٰہی سبحانہٗ میں التجا کریں کہ باطنی حالات بعزت تمام حاصل ہو جائیں اور وہ حضوری جو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کو اپنی ذات کے ساتھ ہے اس کا عکس آپ کے باطن شریف میں ظہور فرمائے۔ وہ حضور جو غیبت کے بغیر اُوپر کی جانب سے متوہم ہوتا ہے، وہ دوام اختیار کرے اور تمام اطراف پر حاوی ہو جائے، تاکہ نقشبندی نسبت حاصل ہو جائے۔ گزشتہ کیفیات و حالات وہ بغیر توجہ تمام کے نقد وقت نہ ہوں بلکہ وہ فنا ہو جائیں اور یہ فنا و ہلاکت لطیفہ قلبی کی مکمل سیر ہے۔ والسلام

۹

۲۰ ربیع الآخر ۱۲۳۱ھ ——— بدھ

احقر حضور پُر نور میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ چار چیزوں سے عبارت ہے:۔

(۱) بے خطرہ ہونا۔ (۲) دائمی حضور و آگاہی

(۳) جذبات۔ (۴) واردات

یہ بھی فرمایا کہ طریقہ نقشبندیہ کی اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح سفر در وطن ہے، جس کا مطلب میرے نزدیک یہ ہے کہ خصائل رذیلہ سے نیکیوں کی جانب چلے اور صوفیہ کے دس مقامات حاصل کرے یعنی بے صبری سے صبر کی جانب بے توکلی سے توکل کی جانب اور بے قناعتی سے قناعت کی جانب سفر کرے اور باقی چیزوں کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ ان دس مقامات کا حصول اس طرح ہوتا ہے کہ کثرتِ تہلیل اختیار کرے یعنی کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ سے بے صبری کی نفی کرے یعنی بے صبری میرا مقصود نہیں ہے اور اِلَّا اللہ سے یہ تصور کرے کہ میرا مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک ہے۔

چند روز اس پر مداومت کرے تو انشاء اللہ تعالیٰ صبر کا مقام حاصل ہو جائے گا اور اسی طرح سے بے توکلی اور بے قناعتی وغیرہ کی نفی کرے۔

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ خلوت در انجمن سے مراد حضور، توجہ، آگاہی، یادداشت اور شہود ہے کیونکہ ان پانچوں لفظوں کا مطلب ومعنی ایک ہے۔ تمام اکابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے نزدیک مرتبۂ ولایت یہ ہے کہ ماسوا کا خطرہ دل میں نہ آئے اور حق تعالیٰ جلّ وعلا کی توجہ اور شہود کا دل کو ملکہ ہو جائے اور حضرت مجدد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مفہوم اس سے بھی بلند ہے۔ حق تعالیٰ وہ نصیب فرمائے۔ مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ سینے سے سر تک میں صاف تختی کے مانند ہوں کہ ہرگز غیر کا خطرہ نہیں گزرتا اور خدا کے سوا کسی کا خیال دل میں نہیں آتا اور اگر ظاہری طور پر میں کسی کی جانب متوجہ نظر آتا ہوں تو میری مثال مولانا روم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے اس خطاب کی طرح ہوتی ہے۔

قافیہ[1] اندیشم و دلدارِ من
گویدم میندیش جز دیدارِ من

مرشدِ برحق نے ساتوں لطائف کا ذکر بھی فرمایا کہ اُن میں سے پانچ عالمِ امر سے ہیں اور دو[2] عالمِ خلق سے ــــــ عالمِ امر کے پانچ لطائف قلب[1]، رُوح[2]، سر[3]، خفی[4] اور اخفیٰ[5] ہیں اور وہ دونوں لطائف جو عالمِ خلق سے ہیں وہ نفس[1] اور قالب[2] ہیں ــــــ لطیفۂ قلب کا مقام بائیں پستان کے نیچے دو انگشت کے فاصلے پہ ہے اور لطیفۂ رُوح دائیں پستان کے نیچے دو انگشت کے فاصلے پہ ہے اور لطیفۂ سر کا مقام بائیں پستان کے برابر وسط سینہ کے نزدیک ہے اور لطیفۂ خفی دائیں پستان کے نزدیک وسط سینہ سے دو انگشت کے فاصلے پر ہے اور لطیفۂ اخفیٰ کا مقام وسط سینہ ہے اور لطیفۂ نفس کا مقام پیشانی میں

---

[1] میں قافیہ (شعر کے لئے) تلاش کرتا ہوں لیکن میرا دلدار کہتا ہے کہ میرے دیدار کے سوا اور کچھ نہ سوچ۔

ہے۔ یہ چھ لطائف ہوئے اور ساتواں لطیفۂ قالب ہے جو عناصرِ اربعہ سے مرکب ہے۔ پس عناصر کے اعتبار سے دس لطیفے ہوئے اسی لئے انہیں لطائف عشرہ کہتے ہیں۔

۱۰

۱۲ ربیع الآخر ۱۲۳۱ھ ——— جمعرات

احقر اپنے مرشدِ برحق فداہ قلبی وروحی کی نور بار محفل میں حاضر ہوا۔ ارشاد فرمایا کہ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام جمیع کمالات نبوت و رسالت و ولایت کے جامع ہیں لیکن ہر کمال کا ظہور خاص وقت پہ ہوتا ہے اور خاص زمانے کے ساتھ مختص ہوتا ہے اور افرادِ امت سے وہ خاص اشخاص ہوتے ہیں جن کے ذریعے وہ جلوہ گر ہوتا ہے مثلاً بھوکے رہنا۔ جہاد کرنا اور عبادت میں رہنا وغیرہ اُمور ہیں۔ ان کے جلوے صحابۂ اکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ظاہر ہوئے اور وہ کمالات جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب مبارک سے تعلق رکھتے ہیں یعنی ذوق وشوق، استغراق و بیخودی، آہ و نعرہ اور اسرار وجود وغیرہ یہ زمانہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1] کے اولیائے امت سے جلوہ گر ہوئے اور وہ کمال جو لطیفۂ نفس سے ظاہر ہوتا ہے وہ سرور کون و مکان علیہ صلوٰۃ واللہ الملک الاکبر کے اشرف النفوس سے ہے اور استہلاک و اضمحلال سے عبارت ہے، یہ خواجۂ

---

[1] سید الطائفہ ابوالقاسم شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ صوفیہ کے امام، مشائخ کے پیشوا اور اسرار و معارف کا بحرِ بیکراں تھے۔ آپ صحیح النسب سید اور شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۲۵۰ھ سنہ ۸۶۴ء) کے بھانجے تھے۔ آپ نے شدید ریاضتیں کیں تیس سال تک ایک پیر پر کھڑے ہو کر راتوں کو قیام کرتے۔ ذکر و فکر میں مشغول رہتے اور عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے۔ آپ نے سنہ ۲۹۷ھ/ سنہ ۹۱۰ء میں وصال فرمایا۔ بغداد شریف کے مشہور قبرستان میں آپ کا مزار پُر انوار ہے۔

خواجگان، بہاء الملت والدین، خواجہ بہاء الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ سے اکابر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ کمال جو آپ کے اسم مبارک محمد علیہ صلوٰۃ اللہ الملک الصمد سے ظاہر ہوتا ہے، وہ ایک ہزار سال کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہم کے ذریعے جلوہ گر ہوا۔ غرضیکہ کاملوں سے جو کمال ظاہر ہوا وہ پیغمبر علیہ صلوات اللہ الملک الاکبر کے کمالات کا عکس اور پرتو ہے کیونکہ آپ جمیع کمالات کے جامع ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے:۔

ع آنچہ[1] خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اے[2] ذاتِ تو از صفات ما پاک	کُنہِ تو بروں نہ حدِّ ادراک ا
ہم از تو منیر شمع انجم ا	ہم از تو بلند قصرِ افلاک
آدم زتو شُد منور از مہ	پیداست مقام ذرۂ خاک

اسی اثنا میں اطمینانِ نفس اور مقامِ رضا کے حصول کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ ہمارے طریقے میں سب سے پہلے دل کی صفائی فرماتے ہیں جو ماسوا کو بھول جانے اور دائمی حضور و آگاہی سے عبارت ہے اور یہ چیز توجہ۔ کثرتِ ذکر اور مراقبہ کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے ذریعے چاروں لطائف کو تہذیب حاصل ہوتی ہے اور اس کے بعد لطیفۂ نفس کے تزکیہ میں مشغول ہوتے ہیں جو انانیت کے استہلاک، اضمحلال اور شکستگی سے عبارت ہے کیونکہ سالک اپنی ذات کو آنا کے اطلاق سے معذور سمجھتا ہے۔ اس وقت

---

[1] جو خوبیاں سارے معشوقوں کے پاس ہیں وہ آپ کی تنہا ذات میں موجود ہیں۔

[2] تیری ذات ہماری صفات سے پاک ہے اور تیری حقیقت ہمارے ادراک کی حد سے باہر ہے۔
ستاروں کی شمع تجھ سے منور ہے اور قصرِ افلاک بھی تیرا بلند کیا ہوا ہے۔
آدم علیہ السلام تجھ سے منور ہوئے۔ چاند سے خاک کے ذروں کا مقام پیدا ہوتا ہے۔

وہ مقامِ رضا حاصل کر لیتا ہے اور اُسے اَنا کی فنا حاصل ہو جاتی ہے۔ نفس امارہ بھی نفس مُطمئنہ ہو جاتا ہے اور رذیل خصلتیں دُور ہو جاتی ہیں یعنی غرور، تکبر، حَسد، بُغض، کینہ اور عُجب وغیرہ نیکیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

۱۱

۲۲ ربیعُ الآخر ۱۲۳۱ھ ـــــــ جمعۃُ المبارک

فقیر محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ ایک شخص نے طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ کے سلوک کے بارے میں سوال کیا۔ مرشدِ برحق نے سارے سلوک کو اوّل سے آخر تک اختصار کے ساتھ بیان فرمایا۔ بندہ کو وہ تقریر رشک اکسیر جو کیمیائے قلوب ہے اسی خوش اسلوبی کے ساتھ لفظ بلفظ یاد ہے لیکن یہاں اس تقریر کا خلاصہ پیش کرتا ہوں: ـــــــ

جاننا چاہیئے کہ انسان لطائف عشرہ سے مرکب ہے جن میں سے پانچ عالمِ امر سے ہیں۔ یعنی (۱) قلب (۲) رُوح (۳) سِر (۴) خفی (۵) اخفیٰ ـــــــ پانچ عالمِ خلق سے ہیں۔ (۱) نفس (۲) باد (۳) خاک (۴) آب (۵) آتش ـــــــ تحت الثرٰی سے عرش تک عالمِ خلق سے ہے اور اس سے اُوپر عالمِ امر ہے۔

سب سے پہلے طالب کو ذکرِ قلبی، خطرات کی نگہداشت اور وقوفِ قلبی کی تلقین فرماتے ہیں۔ جب دل کو بے خطرگی یا کم خطرگی اور حضور و آگاہی حاصل ہو جاتی ہے تو جذبات و واردات آتے ہیں اور فنائے قلبی حاصل ہوتی ہے جس کا مطلب ماسوا کو بھول جانا ہے اور تجلی افعال ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس وقت سالک افعال کی نسبت اپنی جانب یا دیگر افراد عالم کی طرف نہیں کرتا بلکہ ہر فعل کو فاعلِ حقیقی کا فعل جانتا، دیکھتا اور کہتا ہے۔

طرۂ نازرا دوتا کردکہ کرد یار کرد　　　دِل بدو عالم آشنا کرد کہ کرد یار کرد

لہ طرۂ ناز کو دُہرا کیا۔ یہ یار نے کیا۔ دِل کو دو عالم سے آشنا کیا۔ یہ یار نے کیا۔
کعبہ، دَیر اور بت کدہ بنائے، یہ یار نے بنائے۔ کافر، رند اور پارسا کیا، یہ یار نے کیا۔

کعبہ و دیر و بت کدہ ساختہ ساختہ یار ساخت کافر و رند و پارسا کردہ کردہ یار کرد

اور لطیفۂ قلبی کی سیر میں ذوق و شوق، آہ و نعرہ، استغراق و بیخودی اور وجد و رقص وغیرہ چیزیں بھی سالک کو حاصل ہوتی ہیں، توحید وجودی منکشف ہوتی ہے اور اَنَا الحق وَ سُبحَانِیْ کا نعرہ مارتا اور بے اختیار کہنے لگتا ہے:۔

مَن نمی گویم انا الحق یار می گوید بگو
چوں نمی گویم مرا دلدار می گوید بگو[1]

جب غیریت نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے تو ایسا شخص اپنے آپ کو اُس (خدا) کا عین جانتا اور زبانِ حال سے ترنم کے ساتھ یہ کہنے لگتا ہے:۔

ما ز دریائیم و دریا ہم زماست[2]
ایں سخن داند کسی کو آشناست[3]

اور سوائے ایک وجود کے اور کچھ نظر نہیں آتا:۔

---

[1] میں انا الحق نہیں کہتا بلکہ یار کہتا ہے کہ یوں کہہ۔ جب میں یہ نہیں کہتا تو محبوب مجھ سے کہتا ہے کہ یوں کہہ۔

[2] ہم دریا سے ہیں اور دریا بھی ہم سے ہے۔ اِس بات کو وہی سمجھ سکتا ہے جو آشنا ہو۔

[3] اِس سخن یعنی توحید وجودی یا وحدت الوجود کے آشناؤں میں سے ایک مجدد مایۂ حاضرہ، امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۳۴۰ھ ۱۹۲۱ء) بھی ہیں۔ قصیدہ معراجیہ میں آپ نے اسی نظریہ کا یوں اظہار فرمایا تھا:۔

ہوا نہ آخر کو ایک بجرا تموج بحر ھُو میں اُبھرا
دنیٰ کی گودی میں ان کو لے کر فنا کے لنگر اٹھا دیئے تھے
کسے ملے گھاٹ کا کنارا، کدھر سے گزرا کہاں اتارا
بھرا جو مثل نظر طرارہ، وہ اپنی آنکھوں سے خود چھپے تھے

آفتابی در ہزاران آبگینہ تافتہ[1] | بس بہ رنگ ہر یکے تابی عیاں انداختہ
جملہ یک نورست لیکن رنگہائے مختلف | گفت و گوئی درمیان این و آں انداختہ

اور کبھی فنا کا لباس پہنتے اور یہ کہتے ہیں :-

خواجہ مگو کہ من منم من نہ منم نہ من منم[2] | جان من او ست در تنم، من نہ منم نہ من منم
فاش و نہان او منم، گنج در دان او منم | گوہر کان او منم، من نہ منم نہ من منم
شمس منم، قمر منم، بحر منم، گہر منم | جوہر و سیم و زر منم، من نہ منم نہ من منم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اسے جو قصر دنیٰ کے پردے، کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دُوئی کی، نہ کہہ کہ وہ بھی نہ تھے، ارے تھے
وہ باغ کچھ ایسا رنگ لایا کہ غنچہ و گل کا فرق اٹھایا
گرہ میں کلیوں کی باغ پھولے، گلوں کے تکمے لگے ہوئے تھے
محیط و مرکز میں فرق مشکل، رہے نہ فاصل، خطوط واصل
کمانیں حیرت میں سر جھکائے، عجیب چکر میں دائرے تھے
حجاب اٹھنے میں لاکھوں پردے، ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے
وہی ہے اوّل، وہی ہے آخر، وہی ہے باطن، وہی ہے ظاہر
اسی کے جلوے اسی سے ملنے، اسی سے اس کی طرف گئے تھے
کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو، تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو !!!
محیط کی چال سے تو پوچھو، کدھر سے آئے، کدھر گئے تھے

[1] ایک سورج ہزاروں شیشوں میں چمک رہا ہے۔ ہر ایک اپنے رنگ میں چمک دکھا رہا ہے۔ سب ایک نور ہیں لیکن رنگ الگ الگ ہیں۔ این و آں کے درمیان لفظی چکر ڈالا ہوا ہے۔

[2] (۱) اے خواجہ! یہ مت کہو کہ میں ہوں۔ میں نہیں ہوں۔ نہ میں میں ہوں بلکہ جسم میں وہی جان ہے، میں نہیں ہوں

اور کبھی خلعتِ بقا پاتا اور یہ ظاہر کرتا ہے :۔

نقاش ہر نقشم عیاں، من عاشقِ دیرینہ ام	دیگر کسی نبے درمیاں، من عاشقِ دیرینہ ام
من ہم زمینم، ہم سما، من با تو ہستم جملہ جا	ہم آفتابم، ہم ضیا، من عاشقِ دیرینہ ام

اور لطیفۂ قلب میں سب سے پہلے مراقبۂ احدیت کرتے ہیں یعنی دل میں اسم مبارک اللہ کے مسمیٰ کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اس کے بعد مراقبۂ معیت کیا جاتا ہے، جس میں وَھُوَ مَعَکُمْ (اور وہ تمہارے ساتھ ہے) کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ اور توحید وجودی اس مراقبے سے منکشف ہوتی ہے جب سالک لطیفۂ قلب کی سیر تکمل کر لیتا ہے تو لطیفۂ روح میں عروج واقع ہوتا ہے اور اس کے دوران اللہ تعالیٰ کی صفات ثبوتیہ کی تجلّی منکشف ہوتی ہے کہ سالک اپنی صفات کو اور تمام جہان کی صفات کو صفاتِ الٰہیہ کا متلاشی دیکھتا ہے۔

اس کے بعد لطیفۂ سِر میں سیر واقع ہوتی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے شیونات ذاتیہ کی تجلّی ہوتی ہے۔ اس کے بعد لطیفۂ خفی کی سیر ہوتی ہے۔ اور اس کے دوران اللہ تعالیٰ کی صفات سلبیہ منکشف ہوتی ہیں اس کے بعد لطیفۂ اخفیٰ کی سیر ہوتی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی جامع شان کی تجلّی کا انکشاف ہوتا ہے اور اس کے بعد لطیفۂ نفس کے تزکیہ میں مشغول ہوتے ہیں۔

اس سلسلے میں یہاں تک جو کچھ کہا گیا وہ حضرت امام ربّانی، مجدّد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۲) میں اسکا ظاہر و پوشیدہ ہوں، میں اسکا گنج رولں ہوں، میں اسکی کان کا گوہر ہوں، میں نہیں ہوں، نہ میں میں ہوں۔ (۳) میں سورج ہوں میں چاند ہوں، میں سمندر ہوں، میں موتی ہوں، میں سیم و جوہر ہوں۔ میں نہیں ہوں، نہ میں میں ہوں۔

سلہ (۱) نقاش ہر نقش سے ظاہر ہے، میں دیرینہ عاشق ہوں۔ درمیان میں کوئی نہیں رہے۔ میں دیرینہ عاشق ہوں۔

(۲) میں زمین بھی ہوں، میں آسمان بھی ہوں۔ میں ہر جگہ تیرے ساتھ ہوں۔ میں سورج ہوں اور روشنی بھی، میں دیرینہ عاشق ہوں۔

کا طریقۂ تلقین ہے لیکن حضرتین (خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہما) نے لمبے راستے کو مختصر کر دیا ہے۔ اُن کا معمول تھا کہ لطیفۂ قلب کا تصفیہ کر کے لطیفۂ نفس کے تزکیہ کی جانب توجہ فرماتے تھے اور لطیفۂ قلب کے دوران ہی باقی لطائف کا تصفیہ بھی ہو جاتا ——— غرض یہاں پہنچنے تک دو دائرے طے ہوتے ہیں، (۱) دائرہ اِمکان (۲) ولایت صُغریٰ کا دائرہ ——— اِن دونوں دائروں کے حاصل ہونے سے مقاماتِ عشرہ حاصل ہو جاتے ہیں جو توبہ، انابت، زہد، ورع اور توکل وغیرہ سے عبارت ہیں۔

اس کے بعد لطیفۂ نفس کی تہذیب میں مشغول ہوتے ہیں اور فنائے انا اور توحید وجودی ظاہر ہو جاتی ہے اور اس مقام میں مراقبۂ اقربیت کرتے ہیں یعنی نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (ہم اس کی طرف شہ رگ سے بھی قریب ہیں) کے معنی کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور اس لطیفے میں ساڑھے تین دائرے طے ہوتے ہیں اور ولایت کبریٰ کا دائرہ اِن دائروں سے مِلا ہُوا ہے۔

اِس کے بعد خاک کے علاوہ باقی تین عناصر کی سیر شروع ہوتی ہے، اِسے ولایت عُلیا کہتے ہیں جو ملاءِ اعلیٰ کی ولایت ہے۔ اِس کے بعد کمالاتِ نبوّت کا دائرہ منکشف ہوتا ہے اور اس جگہ عنصر خاک کی سیر ہوتی ہے اور تجلّی ذاتی ہمیشہ کے لیے حاصل ہو جاتی ہے اِس کے بعد کمالاتِ رسالت کا دائرہ ہے، اس کے بعد کمالاتِ اولوالعزم کا دائرہ ہویدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد حقائق میں سیر واقع ہوتی ہے۔ حقیقتِ کعبہ کا دائرہ۔ حقیقتِ قرآن کا دائرہ۔ حقیقتِ صلوٰۃ کا دائرہ۔ معبودیتِ صرفہ، حقیقتِ ابراہیمی۔ حقیقتِ موسوی۔ حقیقتِ محمدی کا دائرہ، حقیقتِ احمدی کا دائرہ۔ حبِّ صرفہ کا دائرہ۔ اور لاتعین کا دائرہ منکشف ہوتا ہے۔ کس کا نصیب ہے کہ یہاں تک پہنچے اور کس کے بخت میں کہ اِن مقامات کی سیر کرے نکتہ شناس عقلمندوں کی عقل یہاں حیرت کی گہرائی میں غرق ہو جاتی ہے اور دقیقہ شناس ہوشمندوں کے ہوش اِس مقام پہ سر بہ گریباں ہوتے ہیں۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ

مَنْ یَّشَآءُ ـــــــ اس کے بعد مرشدِ برحق نے فرمایا کہ حضرت مجددِ الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ، ہزار سالہ اولیاء اللہ کے ہم وزن ہیں۔

۱۲

۲۳، ربیع الآخر ۱۲۳۱ھ ـــــــ ہفتہ

یہ غلام بارگاہِ قبلۂ عالم میں حاضر ہوا۔ اس وقت حلال روزی تلاش کرنے کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ مسلمانوں پر حلال رزق تلاش کرنا فرض ہے اور اسی طرح عارفوں کے لئے ترک حلال ضروری ہے۔ اسی اثنا میں نفسانی خواہشات کو ترک کرنے کا ذکر آیا۔ آپ نے فرمایا جو خواہشات کی پیروی میں لگا ہوا ہے وہ خدا کا بندہ کب ہے۔ اے عزیز! تو جس کی قید میں ہے اُسی کا بندہ ہے۔

اس کے بعد صوفیہ کی بے نفسی کا ذکر آیا۔ آپ نے فرمایا کہ شیخ ابوالعباس ابن قصاب رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں ایک شخص بیعت ہونے کے لئے آیا۔ اس نے استنجا کے لئے پانی کا لوٹا مانگا۔ ایک صوفی نے پانی سے بھرا ہوا لوٹا اس کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس آدمی نے وہ لوٹا توڑ دیا اور دوسرا مانگا۔ دُوسرا لوٹا دیا اس نے وہ بھی توڑ دیا اور تیسرا لوٹا مانگا حتیٰ کہ خانقاہ کے تمام توڑ دیئے اور کہنے لگا کہ اپنے شیخ سے کہو کہ میرے استنجے کے لئے وہ اپنی داڑھی لائے۔ حضرت ابوالعباس علیہ الرحمۃ کو خبر ہوئی تو اپنی داڑھی ہاتھ میں پکڑے ہوئے اس کے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ قصاب کے بیٹے کی یہ سعادت مندی ہے کہ اس کی داڑھی ایک مُسلمان کے استنجا کے کام آئے۔ وہ شخص آپ کے مبارک قدموں میں گر گیا۔ بیعت ہوا اور کہنے لگا کہ میں تو حضرت کی بے نفسی دیکھ رہا تھا۔

اس کے بعد آپ کے سامنے صبر کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ ایک صابر بزرگ تھے جن کا سارا بدن مبارک زخمی تھا۔ یہاں تک کہ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخن تک کیڑے پڑے ہوئے تھے اور وہ جسم کے گوشت کو کھاتے تھے۔ ایک روز اس

بزرگ نے اپنے کسی مرید سے پوچھا کہ میرے بدن میں جہاں کیڑے نہ ہوں ایسی کوئی جگہ ہے یا نہیں؟ مرید نے جواب دیا کہ زبان مبارک کے علاوہ ایسی اور کوئی جگہ نہیں ہے۔ فرمایا شکر ہے کہ زبان ادائے شکر کے لیے باقی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اندر بھی دل کے سوا کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں کیڑے نہ ہوں لیکن شکر ہے کہ ذکر کے لیے دل باقی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت ایوب علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام رَبِّ اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ [1] (اے رب مجھے تکلیف لاحق ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے) کہا کرتے لیکن میں نے تا حال ایسا نہیں کہا ہے۔

اس کے بعد ماسوا اللہ سے منہ موڑنے کا ذکر آ گیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ حضرت شیخ ممشاد الدینوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے کہ چالیس سال گزر گئے ہیں کہ میرے سامنے بہشت کے دروازے کھولتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ میں اُسے دیکھوں لیکن میں نے آنکھیں کسی سے مستعار لی ہیں، میں بہشت کی جانب نہیں دیکھتا۔

۱۳

۱۴ ربیع الآخر ۱۲۳۱ھ ——— اتوار

آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ ہمارے قدماء کا طریقہ ریاضتیں اور مجاہدے کرنا تھا لیکن حضرت خواجۂ خواجگان، پیرِ پیراں، دردمند دلوں کے مرہم، خواجہ بہاء الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنت پہ عمل فرمایا اور راہ کو آسان کر دیا۔ انہوں نے بموجب آیت [2] يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تمہارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا) سخت ریاضتوں

---

[1] پارہ سورہ آیت

[2] پارہ ۲ سورہ البقرہ، آیت

سے منع کر کے ہم کم ہمت لوگوں پر بڑا احسان فرمایا ہے۔ اس طریقہ عالیہ میں بغیر محنت کے پیرانِ عظام کی توجہ سے فیض آتا ہے اور سالک ہر مقام سے تمتع حاصل کرتا ہے۔ سُبحان اللہ خواجۂ خواجگان کی شان عجیب ہے کہ زبان اُن کے وصف سے قاصر ہے۔

سکّہ[1] کہ در یثرب و بطحا زدند
نوبت آخر بہ بخارا زدند

۱۴

۲۵ ربیع الآخر ۱۲۳۱ھ ——— پیر

حضور پُر نور میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ میں جو کچھ فقراء کو راہِ خدا میں خیرات دیتا ہوں۔ اس وقت دل میں اُن کے ثواب کے تین حصّے کر دیتا ہوں۔ ایک حصّہ حضرت سیّد الاوّلین والآخرین علیہ افضل صلوٰۃ المصلّین کی رُوح کے لئے اور ایک حصّہ اپنے پیر و مرشد قلبی و رُوحی فداہ کے لئے کہ وہ جانتے ہیں اور ان کے پیرانِ عظام جس طرح سمجھتے ہیں اور ایک حصّہ اپنے والدین شریفین کی نذر کرتا ہوں۔

اِسی اثنا میں درویشوں کے مقامات کا ذِکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ خواجہ ابوالحسن خرقانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور ایک دوسرے بزرگ حضرت ابوالعباس قصاب علیہ الرحمۃ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ دائمی خوشی بہتر ہے یا ہمیشہ کا غم؟ ابن قصاب نے فرمایا کہ الحمدللہ میں ان دونوں سے بالا تر ہوں۔ میں اس مقام پر ہوں کہ خوشی وغم دونوں کا وہاں کوئی دخل نہیں ہے

از[2] وصل و فصل رافت در منزلی در آئیم
شادی وغم نگنجد در محفلے کہ مائیم

---

[1] وہ سکہ جو یثرب و بطحا میں ڈھالا گیا۔ آخر کار اس کی نوبت بخارا تک آئی۔

[2] اے رافت! ہم وصل و فصل سے ایسی منزل میں آگئے ہیں کہ ہماری محفل میں شادی وغم نہیں سماتے۔

اِس کے بعد آپ کی بارگاہ میں ولایت کے معنی کی گفتگو چل نکلی۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ ولایت اگر واؤ کے زیر سے ہو تو اِس کا معنی تصرف ہے اور زبر کے ساتھ ہو تو اس کا معنی قربِ الٰہی ہے اور ہمارے طریقے میں زبر کے ساتھ ہے جبکہ زیر کے ساتھ ضروری نہیں ہے۔

یہ بھی فرمایا کہ ولی تو فعیل کے وزن پر صفت مشبّہ ہے جو فاعل اور مفعول دونوں کے معنی میں آتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو دوست رکھنے والا اور حق تعالیٰ نے جس کو دوست بنایا ہو۔ دونوں کا حاصل ایک ہے یعنی حق تعالیٰ اسے معاصی اور ممنوعات سے محفوظ رکھتا ہے یا وہ حق تعالیٰ کی مدد کے ذریعے منہیات سے احتراز کرتا ہے بلکہ تمام ماسوی اللہ کی جانب سے منہ پھیر لیتا ہے۔

اِس کے بعد مجلس شریف میں کشف و کرامت کی بات شروع ہوئی۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ کرامتوں کی کثرت سیّد الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جنگلوں کے راستوں کی سیر کرنے والے سے شروع ہوئی، جس کا سبب کم کھانا، حرام سے پرہیز کرنا، کم بولنا، عوام سے دُور رہنا، کم سونا، ہمیشہ روزے رکھنا، کثرتِ ذکر اور دائمی فکر وغیرہ مجاہدے اور ریاضتیں ہیں۔ لیکن اِس طریقۂ شریفہ (عالیہ نقشبندیہ) کی بنیاد حضرت امام الاصفیاء، سیّد الاولیاء خواجہ بہاء الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو چیزوں پہ رکھی ہے۔ ایک محبت اور دوسری شریعت کی پیروی اور حتی الامکان عزیمت پر عمل اختیار کرنا اور نہ رخصت پہ۔ رخصت کی اجازت بھی دیتے ہیں (یعنی بحالت مجبوری رخصت کی اجازت ہے ورنہ نہیں۔)

پس اس طریقۂ عالیہ میں کرامت یہ ہے کہ ہمت کر کے طالب کے دِل میں ذکر القا کرتے ہیں اور توجہ ڈال کر طالب کے قلب میں جمعیت پیدا کی جاتی ہے اور متوجہ ہو کر حضور و آگاہی اور جذبات و واردات کو طالبوں کے دل میں ڈالتے ہیں۔ خواص اسی کو کرامت شمار کرتے ہیں اگرچہ عوام کے نزدیک مردے زندہ کرنا اور ایسی ہی خلافِ عادت باتوں کا نام کرامت ہے،

حالانکہ راہِ الٰہی میں یہ چیزیں چنداں کام نہیں آتیں اور یہ (طریقۂ نقشبندیہ) عین راستہ ہے اور اولیائے عظام کا یہ طریقہ انیقہ تو صحابۂ کرام کے طریقہ کی طرح ہے کہ اس میں حضور و جمعیت ہے نہ کہ کشف و کرامت۔

ما براے استقامت آمدیم[1]
نے پئے کشف و کرامت آمدیم

۱۵

۲۶ ربیع الآخر ۱۲۳۱ھ ——— منگل

یہ بندہ محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں دو چیزیں اختیار کی جاتی ہیں، (۱) اتباعِ سنّت (۲) دلی توجہ چنانچہ یہی طریقہ صحابۂ کرام کا ہے اور صحابۂ کرام تمام اولیائے امت سے افضل ہیں۔ صحابۂ کرام کے کمالات اصول ہیں اور اولیاء کے کمالات فروع و ظلال ہیں۔ پس وہ طریقہ جو صحابۂ کرام کے طور طریقوں سے مطابقت رکھتا ہے وہ باقی جملہ طریقوں سے افضل ہوگا۔

اس کے بعد آپ کے حضور جمعیت اور بے خطرگی کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ جب دِل سے خطرات زائل ہو جاتے ہیں تو دِل کے اندر نہیں آتے بلکہ دِل کے ارد گرد ٹھہر جاتے ہیں۔ چاہیے کہ انہیں وہاں سے بھی دُور کرے اور جب وہاں سے ہٹ جاتے ہیں تو پیشانی کی حِس مشترک میں جمع ہو جاتے ہیں۔ جب خطرات کو اس مقام سے بھی ہٹا دیا جاتا ہے تو وہ دماغ کی قوت متخیلہ میں جا وارد ہوتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور پیرانِ عظام کی نظرِ عنایت سے یہاں سے بھی چلے جاتے ہیں تو پھر کسی جگہ نہیں آتے لیکن خطرات کا اس درجہ زائل ہونا بہت مشکل ہے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء

---

[1] ہم استقامت کے لیے آئے ہیں۔ کشف و کرامت کے لئے نہیں آئے۔

اس کے بعد آپ کی پُر نور بارگاہ میں الہامات کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ الہام کے لئے رزقِ حلال، صدق گوئی، دائمی طہارت، خلوتِ عام اور منہیات سے احتراز درکار ہے۔ الہام کی چند قسمیں ہیں:۔

(۱) خدائے زمین و آسمان کی جانب سے القاء۔

(۲) فرشتے کی آواز۔

(۳) روحانی ندا۔

(۴) نفسِ مُطمئِنّہ کی آواز۔

چونکہ یہ فانی ہے پس چاہیئے کہ دل سے پوری طرح متوجہ رہے کہ الہام صدائے غیبی اور لاریبی رہے۔ اور شیطان کا گمراہ کرنا نہ ہو۔ نعوذ باللہ عن ذالک۔

۱۶

۲۷ ربیع الآخر ۱۲۳۱ھ ـــــــ بُدھ

یہ غلام قبلۂ انام اور کعبۂ خاص و عام کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ فنا سے مراد خواہشات کا ختم ہونا ہے۔ ایک بزرگ کا قول اسی حقیقت کی جانب اشارہ کرتا ہے:۔

؎ تمنّا ہے تیری اگر ہے تمنّا
تیری آرزو ہے، اگر آرزو ہے

اس کے بعد آپ کے رُوبرُو مقربین بارگاہِ الٰہیہ کی آزمائش اور ان کے مصائب و آلام کا ذکر شروع ہوگیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ رنج و بلا میں مبتلا کر کے نازنین معشوق کا امتحان لیا جاتا ہے تاکہ بیچارے عاشق کا سچا عشق واضح ہو جائے۔ اسی لئے تو کہا گیا ہے:۔

؎ رنج و غم اپنا نہیں ہے بے سبب
یار اپنا لے رہا ہے امتحان!

شاہ رؤف احمد مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ افسوس! صد افسوس!! عاشق جس قدر روتا ہے معشوق اتنا ہی ہنستا ہے۔ جب عاشق غمگین و مہجور ہوتا ہے تو وہ خوشیاں مناتا ہے۔ عاشق کا اضطراب معشوق کے لئے آرام دِہ ہے۔ عاشقِ شیدا کی مصیبت و آفت معشوق کی فرحت و رعنائی ہے۔

جس قدر تڑپا کیا بسمل مرا
دیکھ کر ہنستا رہا قاتل مرا

مرشدِ برحق نے یہ بھی اسی مجلس میں فرمایا کہ عقل مند آدمی دو چیزیں ٹوٹی ہوئی اور دو صحیح سالم رکھتا ہے۔ ٹوٹی ہوئی دو چیزوں سے مراد شکستہ دِل اور شکستہ پاؤں ہیں اور صحیح و سالم دو چیزوں سے درست دین اور درست یقین مراد ہیں ـــــــ دِل شکستہ سے مراد یہ ہے کہ دِل میں اپنے خالق و مالک کے سوا کسی کی آواز و تمنا نہ ہو اور پا شکستہ کا مطلب یہ ہے کہ ماسوا اللہ کی جستجو میں بھاگ دوڑ نہ کی جائے۔ درست دین وہی ہے جو شریعت مطہرہ و سنت نبویہ کے مطابق ہے اور درست یقین وہی ہے جو حقیقت و معرفت کے مطابق ہو۔

۱۷

۲۸ ربیع الآخر ۱۲۱۳ھ ـــــــ جمعرات

یہ فدوی حضرت پیر و مرشد کی محفلِ مقدس میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پہ ایمان لانا فرض ہے اور اس بات کے تین مطلب بیان فرمائے ـــــــ
(۱) اللہ جل و علیٰ کی وحدانیت پہ ایمان لانا۔ (۲) ہر کام جو واقع ہونا ہے اُس کے متعلق یہ یقین رکھنا کہ اللہ رب العزت کی قضا و قدرت سے واقع ہوتا ہے۔ (۳) ہر مسرت و شادمانی اور رنج و الم جو بھی آئے اسے برحق جانے اور حق تعالیٰ کی جانب سے یقین کرے۔ جب رنج و غم سے واسطہ پڑے تو مسرت کا اظہار کرے اور مصائب و آلام کا خندہ پیشانی سے استقبال

کرے۔ شاہ رؤف احمد مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ محبوب کی جانب سے جو کچھ بھی آئے وہ مرغوب و پسندیدہ ہے اور دوست کی طرف سے جو کچھ بھی ملے اُس میں مصلحت ہوتی ہے۔ ؎

ناصحا گر گشت مارا دوست ما دانیم دوست | در بقتلِ من رضای اوست، ما دانیم دوست
قہر اُو عینِ رضا، و مہر اُو عین مراد | اے عزیز آں ایں چہ گفت و گوست ما دانیم دوست

عاشق کو چاہیئے محبوب کے جَور کو عین احسان و کرم دیکھے اور اس کی جفا کو عین وفا شمار کرے کیونکہ :-

؎ جَور[2] و احسانست یکساں عاشق بیتاب را
تشنہ لب نشناسد از آبِ بقا سیلاب را

تمہیں معلوم ہی نہیں کہ دشنام میں انعام سے زیادہ لذت ہے اور جَور و جفا میں لطف و کرم سے زیادہ مسرت و شادمانی بھری ہوئی ہوتی ہے۔

بدم[3] گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جوابِ تلخ می زیبد لبِ لعلِ شکر خارا

---

[1] اے ناصح! اگر وہ ہمارا دوست ہو گیا ہے تو ہم بھی اُسے اپنا دوست سمجھتے ہیں۔ اگر اس کی رضا ہمارے قتل میں ہے تب بھی ہم اُسے دوست سمجھتے ہیں۔
اس کا قہر عین رضا ہے اور اس کا لطف و کرم عین مراد ہے۔ اے عزیز! یہاں کسی قسم کی گفتگو کی گنجائش ہی نہیں ہے کیونکہ ہم اُسے دوست سمجھتے ہیں۔

[2] بیتاب عاشق کے لئے اس کا جور اور احسان یکساں ہے۔ پیاسا آبِ حیات سے سیلاب کو نہیں پہچان سکتا۔

[3] تُو نے مجھے بُرا بھلا کہا۔ میں خوش ہوں۔ اللہ تعالیٰ تجھے معاف کرے تُو نے ٹھیک کہا کیونکہ سُرخ اور شکر چاٹنے والے ہونٹوں کو تلخ جواب زیب دیتا ہے۔

ہاں جو ایسا نہیں وہ کوچۂ عاشق سے ناواقف ہے۔ بیچارے عاشق کو تو آوارہ و غمگین ہونا چاہیئے اور وہ تو بیچارگی کے غم سے لذت یاب ہوتا آوا آوارگی میں فرحت پاتا ہے کیونکہ وہ تیر کے ہر زخم میں فرحت کا کرشمہ دیکھتا ہے اور ابرو کے غمزہ سے اُسے کمال مسرت ہوتی ہے۔ کسی شخص نے کیا خوب کہا ہے ؎

خوباں دِل و جان مبتلا می خواہند	زخمی کہ زنند مرحبا می خواہند
ایں قوم، ایں چشم بد دُور، ایں قوم	خون می ریزند و خوں بہامی خواہند

اس کے بعد مرشدِ برحق کے حضور سماع اور اہلِ سماع کا ذکر آیا۔ مرشدِ گرامی نے فرمایا کہ حضرت پیرِ طریقت، ہادیٔ حقیقت، قطبِ بحری و کوہی، حضرت خواجہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے سماع کی حرمت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ سماع کے حرام ہونے کا یہ سبب ہے کہ سماع میں قلب کا رجحان فسق و فجور کی جانب ہو جاتا ہے جبکہ ہمیں حق کی جانب رجوع ہونا چاہیئے۔ پس جب سبب ہی ختم ہو جائے تو مسبّب کا وجود کہاں رہے گا۔ کیونکہ شرط کے فوت ہونے سے مشروط فوت ہو جاتا ہے۔

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ ولایتِ قلبی میں سماع ترقی دیتا ہے اور ولایتِ عالیہ میں تلاوتِ قرآن پاک کثرت سے درود پاک پڑھنا اور کثرتِ نوافل سے درجاتِ ولایت کے فرق کے لحاظ سے ترقی بخشتے ہیں۔ —— مرشدِ گرامی نے یہ بھی فرمایا کہ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی نسبت جو ہلکے بادل کی تشکل میں ہمارے اوپر سایہ فگن رہتی ہے، وہ سماع و نغمہ اور سُرود کی آواز کو جو کسی وقت کانوں تک آ پہنچتی ہے تو اُسے پھاڑ کر پھینک دیتی ہے اور قلب کی جانب متوجہ کر دیتی ہے نیز ذوق و شوق پیدا کر کے بیتاب بنا دیتی ہے۔

---

[۱] معشوق دِل و جان کو مبتلا چاہتے ہیں اور جو زخم پہنچاتے ہیں اس پر داد چاہتے ہیں۔
یہ قوم، چشم بد دُور ایسی قوم ہے کہ (عشاق کا) خون بہاتے ہیں اور (خلافِ معمول) خون بہا بھی طلب کرتے ہیں۔

۱۸

۲۹ ربیع الآخر ۱۲۳۱ھ ــــــــ جمعتہ المبارک

یہ بندہ کمترین قبلۂ اہلِ دین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ طریقے کا کمال فقر و فاقہ میں ہے۔ درویشوں کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقے پہ چلنا چاہیئے اور اس طریقے کے خلاف نہیں جانا چاہیئے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حالت یہ ہوتی کہ بھوک کی شدت کے وقت شکم مبارک پر پتھر باندھ لیتے تھے، توکل کرکے بیٹھتے، بلا پر صبر کرتے اور عطا پہ شکر بجا لاتے۔ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کم کھانے کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ آلِ محمد نے کبھی متواتر دو دن بھی سیر ہو کر جَو کی روٹی بھی نہیں کھائی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وصال فرمایا اور نہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پیٹ بھر کر روٹی کھائی ــــــ آہ! اسی طرح کی تصریح شمائل ترمذی میں ہے

فقراء فرماتے ہیں کہ فاقے کی رات درویشوں کی معراج ہے اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ درویش اگر تین روز کے بعد بھی کھانا طلب کرے تو وہ صوفی نہیں ہے، اسے خانقاہ سے باہر نکال دینا چاہیئے۔ منقول ہے کہ ایک بزرگ کے دل میں تین رات دن کے بعد کھانے کا خیال آیا اسے الہام ہوا کہ اے کم ہمت! ہماری صحبت کو تو نے روٹی کے بدلے بیچ ڈالا۔

اس کے بعد حضور پُرنور میں حضور مع اللہ (اللہ تعالیٰ کی معیت) کا ذکر آیا۔ مرشد گرامی قدر نے ارشاد فرمایا کہ دل میں حضوری کا خیال اس طرح ہونا چاہیئے کہ غیر کا خیال ہرگز دل میں نہ آئے۔ یہ بھی فرمایا کہ ایک بزرگ مراقبے کی حالت میں گریبان کے اندر سر ڈالے ہوئے تھے اور اسی جگہ ایک بلی بھی چوہے کے لئے گھات لگائے بیٹھی تھی۔ اچانک اس بزرگ کے دل میں غیر کا خیال آگیا۔ ان پہ عتاب نازل ہوا کہ اے کم ہمت! کیا میں چوہے سے کمتر

ہوں اور نہ تو بلّی سے کمتر ہے۔ پس غور تو کر کہ بلّی کس طرح چوہے کی جانب متوجہ ہے جبکہ تو غیر سے ہم آغوش ہو رہا ہے (یعنی غیر کا خیال اپنے دل میں لا رہا ہے) اور مجھے فراموش کر رہا ہے۔

مرشدِ برحق نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حضور وجمعیت اور توحید وجودی لطیفۂ قلب کی کی سیر میں ہوتی ہے لیکن انانیت کی فنا اور اضمحلال واستہلال کا وقوع لطیفۂ نفس کی سیر میں ہوتا ہے اور اس وقت سالک کو شکستگی، نابودگی اور نیستی حاصل ہوتی ہے، چنانچہ حضرت مولانا رُوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

سہ
چیست معراجِ فنا، این نیستی
عاشقاں را مذہب و دیں نیستی

اس کے بعد آپ کی بارگاہ میں یہ ذکر شروع ہوا کہ صحابۂ کرام کے بعد تابعین عظام میں سب سے افضل کون بزرگ ہیں۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے نسب اور عبادت کے باعث امام العارفین حضرت امام زین العابدین[۲] رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۹۵ھ) کو سب سے افضل قرار دیا ہے۔ بعض بزرگوں نے فقر و زہد، ترک و تجرید اور

---

[۱] سہ
کیا ہے معراجِ فنا، ہستی مٹا
عاشقوں کا دین و مذہب نیستی

[۲] آپ کا اسمِ گرامی علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور لقب سجّاد و زین العابدین ہے۔ عبادت گزاری میں اپنی مثال آپ تھے۔ تابعین میں فضیلت کے لحاظ سے آپ سرِفہرست ہیں۔ حادثۂ کربلا کے وقت آپ موجود تھے لیکن مشیّتِ ایزدی کے تحت مسلسل بیمار رہے۔ واقعۂ کربلا کے بعد آلِ نبی، اولادِ علی کے سردار اور گلشنِ زہرہ کے باغبان آپ ہی تھے۔ آپ نے ۹۹ھ/۷۱۷ء کو وفات پائی جبکہ دارا شکوہ نے ۹۵ھ/۷۱۳ء وصال کا سن لکھا ہے۔

خاتم المرسلین، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ محبت رکھنے
کے باعث حضرت خواجہ اویس قرنی قدس سرہٗ (المتوفی ۳۷ھ) کو افضل بتاتے ہیں اور
بعض حضرات نے ترویج شریعت و تجدید ملت کے باعث حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ
تعالیٰ عنہٗ (المتوفی ۱۰۱ھ) کو افضل بتایا ہے۔ اور بعض بزرگوں نے اشاعتِ شریعت
اور اجرائے طُرقِ طریقت کے سبب حضرت خواجہ حسن[۱] بصری رضی اللہ تعالیٰ کو تابعین میں بہتر
کہا ہے۔

۱۹

۳۰ ربیع الآخر ۱۲۳۱ھ ——— ہفتہ

یہ غلام قبلۂ عالم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ مرشدِ گرامی قدر نے ارشاد فرمایا کہ عرفانِ انوار
سے یہ مراد ہے کہ سالک فیوض و برکات اور اسرار و انوار میں سے ہر چیز کو علیحدہ علیحدہ دیکھے
یعنی ان کے درمیان فرق و امتیاز کر سکے۔ انوار کے وقت تلاوتِ قرآن کریم اور درود و نوافل
میں مشغول رہے اور ظلمات کا عرفان یہ ہے کہ منہیات میں سے ہر چیز یعنی حرام روزی، منصبہ
غیبت اور فحش کلامی وغیرہ میں امتیاز کرے۔

اسی مجلس میں میاں رمضان شاہ رحمۃ اللہ علیہ بھی حاضر ہوئے جو مولوی عبدالقادر دہلوی
رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۲ھ / ۱۸۲۷ء) کے خلیفہ تھے۔ وہ عرض گزار ہوئے کہ میں نے
دیکھا ہے کہ حضرت امام العادلین، عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ (المتوفی ۲۳ھ) اس دنیا

۱؎ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں سرفہرست اور فضل و کمال کا مرقع تھے۔ آپ صوفیہ کے امام
برحق اور قافلہ سالارِ لشکر ہیں۔ آپ نے خرقہ خلافت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۴۰ھ)
سے پایا۔ آپ کو حضرت ام المومنین امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دودھ سے چند قطرے پینے میسّر
آئے اور سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ازراہِ شفقت آپ کو گود میں اٹھایا۔ آپ
کے فضائل و کمالات حد و شمار سے باہر ہیں۔ ۴ محرم الحرام ۱۱۰ھ / ۷۲۸ء کو وصال فرمایا۔

سے رحلت فرما گئے ہیں اور حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرطِ غم سے آنسوؤں کی لڑیاں پرو رکھی ہیں۔ یہ خواب دیکھنے سے مَیں بھی رونے لگا اور شدتِ غم کے باعث بیدار ہو گیا۔ اِس خواب کی تعبیر میں حیران و پریشان ہوں۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ آپ نے امر بالمعروف کو ترک کیا ہوا ہے یا آئندہ ترک کریں گے اور اسی کے مانند تعبیر کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ سلطان اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء) نے خواب میں دیکھا کہ جہانِ فانی میں سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم وفات پا گئے ہیں۔ اسی روز شاہ علیم اللہ رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا سانحہ ارتحال واقع ہوا تھا۔

اُسی مجلس میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ شیخ احمد نے اپنے مکتوب میں یہ بات لکھی ہے۔ مرشدِ برحق نے پوچھا، شیخ احمد کون ہے۔ اس آدمی نے جواب دیا کہ شیخ احمد سرہندی۔ فرمایا میری مجلس سے چلے جاؤ۔ میرے روبرو میرے پیر کی اس درجہ بے ادبی کرتے ہو۔ الغرض اس آدمی کو مجلس سے نکال دیا گیا۔

بعد ازاں آپ کی مبارک محفل میں سفرِ حجاز کا ذکر آیا۔ مرشدِ گرامی نے فرمایا کہ بیت اللہ کا نام لینے سے انوارِ الٰہیہ مجھے گھیر لیتے ہیں اور میرا دل شوقِ طواف میں بے اختیار ہو جاتا ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ ایک دفعہ میں خانۂ کعبہ تک پہنچنے کے ارادے سے کھڑا ہو رہا تھا کہ الہام ہوا:۔ تیرے لئے اسی جگہ رہنا زیادہ بہتر ہے یہ مخلوق کا فائدہ اسی میں ہے۔

یہ بھی فرمایا کہ کعبہ معظمہ میں دو رکعت پڑھنا دوسری جگہ ایک لاکھ رکعت پڑھنے کی طرح ہے جبکہ اطمینان کے ساتھ قومہ و جلسہ وغیرہ کئے ہوں۔ اسی دوران صوفیہ کے احوال کا تذکرہ شروع ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ صوفی دنیا و آخرت کو پسِ پشت ڈال کر اللہ جلّ مجدہٗ کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور حق جلّ و علا کے غیر سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔

ملّتِ عشّاق ہے سب سے جُدا
کیونکہ اِن کا دین و مذہب ہے جُدا

اس کے بعد آپ کے حضور نسبت مجدّدیہ کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور دُعا مانگی، یا الٰہی! زندگی میں، نزع میں اور قبر میں اس نسبتِ شریفہ سے مشرف رکھنا اور حشر و نشر میں بھی اسی نسبت کے ساتھ محشور فرمانا اور حضرتِ والا نے بڑی گریہ و زاری کے ساتھ جنابِ الٰہی میں یہ دعا بھی کی، یعنی مندرجہ ذیل رباعی پڑھی اور کہا کہ خداوندِ کریم! میرا حال کر دے ا۔

منگر کہ دلِ ایں ہمیں پُر خوں شد — بنگر کہ ازیں سرائے فانی چوں شد

مصحف بکف و پا برہ و دیدہ بدوست — با پیکِ اجل خندہ زناں بروں شد

۲۰

یکم جمادی الاولیٰ ۱۲۳۱ھ ــــــ اتوار

یہ بندہ حضور فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ ایک روز مولانا شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۳ء) اور یہ فقیر ایک ہی مجلس میں موجود تھے، اچانک نسبت نقشبندیہ کا ذکر آگیا۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ اس طریقہ نقشبندیہ کی نسبت بے نمک ہے۔ مَیں نے کہا کہ ہم تو بغیر نمک والے دسترخوان کے مہمان نہیں ہیں۔ ہم تو ایسی نسبت چاہتے ہیں جس میں کیفیات، جذبات، واردات، انوار اور اسرار ہوں۔ پس بے اختیار میری زبان پہ یہ شعر آگیا:-

ع — ترے عشق نے ہے یہ حالت بنائی

دو عالم سے دِل نے تسلّی نہ پائی

لہ یہ نہ دیکھیے کہ اس کا دِل خون سے بھر گیا ہے بلکہ دیکھنا یہ چاہیئے کہ اِس سرائے فانی سے وہ کس حالت میں رخصت ہوا ہے۔ ہاتھ میں قرآن کریم، پاؤں راہِ ہدایت پر اور آنکھ محوِ لقائے یار۔ اس حالت میں پیکِ اجل کے ساتھ ہنستا ہوا دنیا سے باہر چلا گیا۔

مرشدِ برحق ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی کے مکتوبات شریفہ کا درس دے رہے تھے۔ ایک مقام پر تامّل کرتے ہوئے متوجہ ہوئے اور ایک لمحہ کے بعد سرِ مبارک کو اٹھا کر ارشاد فرمایا کہ عصائے پیر بھی پیر کی جگہ ہوتی ہے۔ اس کے بعد مکتوبات قدسی آیات (یعنی مکتوباتِ امام ربانی) کی جانب اشارہ کرکے فرمایا کہ اب ہم بجائے پیراست یعنی یہ بھی پیر کی جگہ ہے اور یہ مصرعہ پڑھا:۔

؎ گفت انساں پارۂ انساں بود

اس کے بعد آپ کے حضور میں اولیاء اللہ کے صبر کا تذکرہ شروع ہوا۔ مرشدِ گرامی قدر نے ارشاد فرمایا کہ حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی [illegible]ھ) کے فرزند کا انتقال ہوگیا۔ جب لوگوں نے وفات حسرت آیات کی خبر حضرت گنج شکر علیہ الرحمہ کو پہنچائی تو آپ نے فرمایا کہ اس پلّے کو کسی جگہ زمین میں چھپا دو ——— اس کے بعد احوال وحدت الوجود کے اکابر کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ اس مقام کے مجتہد، اس کان کے گوہر یکتا اور بحر فردیت کے دُرّ بے بہا اور جوہر و گوہر حضرت محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ ہی چنانچہ انہوں نے فرمایا ہے:۔

---

[1] آپ کا اسم گرامی احمد اور لقب امام ربانی و مجدد الف ثانی ہے۔ ولادت باسعادت ۱۴ شوال المکرم ۹۷۱ھ کو سرہند شریف میں ہوئی۔ پیدائش کا سال خاشع (۹۷۱ھ) سے نکلتا ہے۔ آپ مذہباً سُنّی، مسلکاً حنفی مشرباً نقشبندی، نسباً فاروقی اور مولداً سرہندی تھے۔ ۲۷ واسطوں سے آپکا سلسلۂ نسب حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۰۷ھ) ہے تصوف میں آپکا پایہ بلند اور اولیائے متاخرین میں آپ نائب غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ کے باعث سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کو پوری دنیا میں جو عروج حاصل ہوا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اکبر بادشاہ کے دورِ الحاد میں آپ جیسے صاحبِ کمال ہی کی ضرورت تھی جو اولو العزم پیغمبروں کا نائب بن کر گمراہی کے بھیڑے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

لا آدم فی الکون ولا ابلیس[1]	لا ملک سلیمان ولا بلقیس
فالکل عبارت وانت المعنی	یا من ھوا للقلوب مقناطیس

اور اکثر اولیاء اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اسی بحرِ عرفان کے غوطہ خور ہیں۔ شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

سجدۂ[2] خود را می کند ہر لحظہ اُو

سجدہ پیش آئینہ ست از بہر رُو

اور مولانا مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ز دریا[3] موج گونا گوں بر آمد!!	ز بے چونی برنگِ چوں بر آمد!
گہے در صورتِ لیلیٰ فرو شد	گہے در کسوتِ مجنون بر آمد!
چو یار آمد ز خلوت خانہ بیروں	ہموں نقشِ دروں بیروں بر آمد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہوئے سیلاب کا رخ پھیر دے اور ملتِ اسلامیہ کی رگوں میں تازہ خون دوڑا کر اُسے فتوحات مدینہ کے جام پلائے۔ آپ کے مکتوبات رشد و ہدایت کا نصاب اور فضل و کمال کی منہ بولتی شہادت ہیں۔ دیگر مجددین حضرات پر آپ کو یہ فضیلت ہے کہ وہ سو سالہ مجدد ہیں لیکن آپ ہزار سالہ یعنی اس دوسرے ہزار سال کے لیئے آپ مجدد ہیں۔ اس لحاظ سے آپ کو مجدد اعظم کہا جائے تو بجا ہے۔ آپ کا فیض قیامت تک جاری رہیگا اور حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کی نسبت حاصل ہو گی۔ مجدد اعظم علیہ الرحمۃ کی اولاد بھی اپنے والد ماجد کی سچی جانشین ثابت ہوئی۔ آپ نے بروز سہ شنبہ ۲۹ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ء کو وفات پائی مزارِ پُر انوار سرہند شریف میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

[1] دنیا میں نہ کوئی آدم ہے نہ ابلیس۔ نہ ملک سلیمان ہے اور نہ بلقیس۔ سب عبارت ہے اور تو مفہوم۔ اے وہ ذات جو دلوں کے لئے مقناطیس ہے

[2] وہ ہر وقت اپنے لئے سجدہ کرتا ہے۔ آئینہ کے سامنے اُسی کے چہرے کو سجدہ کیا جاتا ہے۔

[3] دریا سے طرح طرح کی موجیں اُبھریں۔ بے چونی کے باعث چون کے رنگ میں اُبھریں۔ ۲۔ کبھی انہوں نے لیلیٰ کی شکل اختیار کی اور کبھی مجنون کے لباس میں ابھریں (۳) جب یار خلوت خانے سے باہر جلوہ گر ہوا۔ تو اندر جو نقش تھا وہی باہر ظاہر ہوا۔

اور مولانا احمد جام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

ما ز دریا ئیم و دریا ہم ز ماست[1]
ایں سخن داند کسے کو آشناست

اور مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

چیست[2] می دانی صدائی چنگ و عود | انت حسبی انت کافی یا ودود
بست بے صورت جناب قدس عشق | لیک در ہر صورتے خود را نمود
در لباس حسن لیلیٰ جلوہ کرد | صبر و آرام از دل مجنوں ربود
پیش روئے خود ز عذرا پردہ بست | صد در غم بر رخ وامق کشود
در حقیقت خود بخود می باخت عشق | وامق و مجنوں بجز نامے نبود

پس مرشد برحق نے فرمایا کہ ان جملہ بزرگوں کو اگر حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ تعالیٰ باسرار السامی کا ہل توجہ دیتے تو یقیناً انہیں اپنے اس مقام سے عروج[3] حاصل ہو جاتا ہے

---

[1] ہم دریا ہیں اور دریا ہم سے ہے۔ اس بات کو وہی سمجھ سکتا ہے جو دانائے راز ہے۔

[2] (۱) کیا تو جانتا ہے کہ سارنگی اور ڈھولکی کی آواز یہ کہتی ہے کہ اَنْتَ حَسْبِیْ اَنْتَ کَافِیْ یَا وَدُوْدُ۔

(۲) عشق کی وہ پاک جناب بے صورت ہے اس کے باوجود ہر صورت میں جلوہ گر ہے۔

(۳) حسنِ لیلیٰ کے لباس میں بھی اسی نے جلوہ دکھایا جس سے مجنوں کے دل کا صبر و قرار چھین لیا۔

(۴) اپنے چہرے کے سامنے عذرا کا پردہ ڈال لیا اور وامق کے چہرے پر سینکڑوں غموں کے راستے کھول دیئے

(۵) حقیقت میں خود ہی اس نے عشق اختیار کیا ہے ورنہ وامق اور مجنون تو محض نام ہیں اور کچھ بھی نہیں۔

[3] توحید وجودی لطیفہ قلب کی سیر میں حاصل ہوتی ہے اور توحید شہودی اس کا انتہائی مقام ہے جیسا کہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۰۱۲ھ) نے فرمایا ہے کہ میاں شیخ احمد سلمہ کی بدولت ہم پر یہ منکشف ہوا کہ توحید وجودی ایک تنگ کوچہ ہے اور شاہراہ توحید شہودی ہے ——— اکثر اکابر کا عروج

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہ (المتوفی ۶۳۸ھ) اس سمندر میں اس درجہ غرق ہیں کہ وہ کنارے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) توحید شہودی تک پہنچا ہے اور اس قافلے کے قافلہ سالار حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کشف و عروج چونکہ اولیائے متاخرین میں سب سے بڑھ کر ہے اس لئے آپ پر یہ منکشف ہوا کہ توحید وجودی اس راستے کی انتہائی منزل نہیں بلکہ آخری منزل کا نام توحید شہودی ہے۔ اس کشفی نظریہ کی علمبرداری کا سہرا حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے سر ہے۔

بات یہاں درست و غلط یا حق و باطل کی نہیں ہے۔ دونوں ہی نظریے درست ہیں اور دونوں پر اہلِ حق کا اعتماد رہا ہے لیکن چونکہ یہ سارا معاملہ حال سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا اس میں قیل و قال کی قطعاً گنجائش ہی نہیں ہے۔ یہ کشف و الہام اور سیرِ لطائف سے وابستہ ہے، جس کا تعلق اپنے اپنے عروج اور اپنی اپنی روحانی پرواز سے ہے۔ یہ اُن بزرگوں کی باتیں ہیں جن کی نگاہوں سے نہ لوحِ محفوظ پوشیدہ ہے اور نہ سماک و سمک۔ واضح رہے کہ توحید وجودی کا انکشاف لطیفۂ قلب کی سیر کے وقت حاصل ہوتا ہے اور اپنی اپنی استطاعت و توفیق کے مطابق ان حضرات کو عروج حاصل ہوتا ہے۔ بہرحال کشف و عروج کے معاملے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یکتائی میں جائے کلام نہیں، اسی لئے توحید شہودی کے تفوق و برتری پر بھی عرفا کا اتفاق ہے۔

صد افسوس ہے اُن جہلا پر جو توحید وجودی کو کفر و بت پرستی تک قرار دیتے اور توحید شہودی کی حمایت پر کمربستہ ہو کر اپنی حقانیت کا ڈھول بجانے لگتے ہیں حالانکہ وہ حضرات اس کوچے سے قطعاً نابلد اور تصرف و روحانیت کے سرے سے منکر بلکہ دشمن ہیں۔ ایسے حضرات کا تصوف کے اس کشفی مسئلے پر رائے زنی کرنا سراسر دخل در معقولات ہے۔ جیسا کہ بعض وہابی حضرات نے اپنی بے بصری کو ظاہر فرمایا ہے۔

پر آنے سے مجبور ہیں لیکن امید ہے کہ انہیں بھی اس مقام سے عروج ہو سکتا ہے۔ حضرت مرشدِ برحق نے مشاہدۂ حق کے بارے میں یہ شعر پڑھا۔

چو غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم[1]
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

۲۱

۲؍ جمادی الاوّلیٰ ۱۴۳۱ھ ——— پیر

احقر محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ بقول امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۰۵ھ) فنا خصائل کے گم ہونے کو کہتے ہیں اور بقا سے مراد رذائل کی جگہ حسنات کا پیدا ہونا ہے۔ اور حضرت محبوب سبحانی، غوثِ صمدانی، سیّد محی الدین، ابو محمد عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک فنا کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ فنائے خلق یعنی مخلوق سے کوئی امید و بیم نہ رہے۔

۲۔ فنائے ہوا یعنی غیرِ حق تعالیٰ و تقدس سے دل میں قطعاً کوئی آرزو نہ ہو۔ اس سلسلے میں مرشدِ برحق کا یہ شعر بھی ہے۔

من نہ آں مستم کہ جامِ می ہوس باشد مرا[2]
گردش از ساغرِ چشمِ تو بس باشد مرا

۳۔ فنائے ارادہ یعنی دل میں کوئی ارادہ باقی نہ رہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ اُرِیدُ

---

[1] جب میں سورج کا غلام ہوں تو سب کچھ سورج کے فیض سے کہوں گا کیونکہ میں شب یا شب پرست نہیں ہوں کہ خواب کی بات کہوں۔

[2] میں ایسا مست نہیں ہوں کہ جامِ شراب کی ہوس باقی رہ جائے۔ (اے محبوب!) میرے لئے تو بس تیری آنکھ کے پیالے کی گردش ہی کافی ہے۔

اَنْ لَّا اُرِیْدَ یعنی میں یہی ارادہ کرتا ہوں کہ کوئی ارادہ نہ کروں اور خواہشات کی بنیاد ارادہ ہی تو ہے جس طرح چشمہ نہر کی اصل (منبع) ہوتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ فنائے خلق اور فنائے ہوا تو لطیفۂ قلب کی سیر میں میسر آتی ہے جو حضرات مجددیہ کی اصطلاح میں تجلی افعال سے عبارت ہے۔

مرشدِ گرامی قدر نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حضرات مجددیہ کے طریقے میں ہر لطیفے کی فنا علیحدہ ہے چنانچہ فنائے اول فنائے قلب ہے جو ما سوا کو بھول جانے سے عبارت ہے اور قلب حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے جس کسی کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ اس ولایت سے مشرف فرمائے اور اپنے قرب کا معاملہ اس راستے سے کرے۔ اُسے آدمی المشرب کہتے ہیں۔ اس کے بعد لطیفۂ رُوح کی فنا ہے، جو حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے جس کو اس ولایت کے ساتھ مخصوص فرمایا جائے اُسے ابراہیمی المشرب کہتے ہیں۔

۲۲

۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۱ھ ——— منگل

بندہ بحضور فیض گنجور حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ قلب حضرت آدم علیہ السلام کے زیرِ قدم ہے اور اس ولایت کی سیر میں تجلی افعال منکشف ہوتی ہے اور رُوح حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیرِ قدم ہے اور اس کی سیر میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ثبوتیہ کی تجلی منکشف ہوتی ہے اور لطیفہ سِر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیرِ قدم ہے اور اس کی سیر میں شیونات ذاتیہ الٰہیہ کی تجلی منکشف ہوتی ہے اور لطیفۂ خفی حضرت عیسیٰ السلام کے زیرِ قدم ہے اور اس کی سیر میں اللہ تعالیٰ کی صفات سلبیہ کی تجلی منکشف ہوتی ہے اور لطیفۂ اخفیٰ تو حضرت خاتم الرسل، سیدنا محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے زیرِ قدم ہے اور اس کی سیر میں اللہ تعالیٰ کی شانِ جامع کی

تجلی منکشف ہوتی ہے جو تمام صفات کی اصل ہے جیسا کہ شعاعیں حالانکہ اصل نورِ آفتاب ہے لیکن وہ آفتاب سے بہت قریب ہیں اور اس لطیفہ میں تجلی ذاتی بجلی کی طرح جلوہ گر ہوتی ہے مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ لطیفۂ رُوح کی سیر میں اپنی ذات سے صفات کا سلب ہونا اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے نسبت اور لطیفۂ سِر کی سَیر میں اپنی ذات کا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات میں مضمحل ہونا اور لطیفۂ خفی میں اللہ تعالیٰ کی تمام مظاہر قدرت سے تعزید اور لطیفۂ اخفیٰ میں سالک کو اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے تخلق حاصل ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد صُوفیہ کے کسب کا ذکر آیا۔ مرشدِ گرامی قدر نے فرمایا کہ بعض صوفیہ حلال روزی کمانے کی غرض سے تجارت بھی کرتے تھے لیکن صبح کی نماز سے نمازِ ظہر تک اس کام میں مشغول ہوتے تھے اور باقی وقت کو اپنے اصحاب میں حلقہ ومراقبہ اور ذکرِ الٰہی و توجہ الی اللہ کے لئے رکھتے تھے ـــــــ یہ بھی فرمایا کہ صوفیہ نے خواہ کوئی کسب بھی اختیار کیا لیکن جب وہ اذان کی آواز سنتے تو کام چھوڑ کر نماز ادا کرنے کا ارادہ کر لیتے۔

ایک بزرگ کپڑا بننے کا کام کرتے تھے۔ ایک روز جب وہ کپڑا بُن رہے تھے اور صرف چند دھاگے بننے تک نماز کے لئے توقف کیا اور اذان کے اتنی سی دیر بعد وضو کے لئے پانی حاصل کرنے کی غرض سے کنوئیں میں ڈول لٹکایا۔ جب ڈول اُوپر کھینچا تو اس میں درہم بھرے ہوئے تھے۔ انہیں زمین پر پھینک کر پانی کے لئے دوبارہ ڈول کنوئیں میں لٹکایا تو اس دفعہ طلائی دیناروں سے بھرا ہوا ڈول آیا۔ انہیں بھی پھینک کر پھر تیسری مرتبہ ڈول لٹکایا تو وہ جواہرات سے لبالب بھرا ہوا باہر آیا۔ انہیں بھی پھینک دیا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض گزار ہوئے کہ یا الٰہی! یہ کیا ماجرا ہے؟ مَیں اس دولت کو کیا کروں؟ مجھے تو وضو کے لئے پانی درکار ہے مَیں جانتا ہوں کہ مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا ہے کہ مَیں نے نماز میں تاخیر کی ہے لیکن تیری مغفرت میرے گناہ سے وسیع تر ہے۔ میرے حال پر نظرِ رحمت فرما اور میرے احوال پہ کرم فرما اور مجھے وضو کے لئے پانی عنایت ہو جائے کیونکہ اے اللہ!

کارساز تو تو ہے۔

مرشدِ برحق نے فرمایا کہ حضرت قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی سنہ) ایک روز استنجا کے لئے ڈھیلا تلاش کر رہے تھے۔ اُن کے ہاتھ میں ڈھیلے کی جگہ لعل آگیا۔ انہوں نے اُسے زمین پہ پھینک دیا اور کہنے لگے کہ میں تو استنجا کے لیے ڈھیلا تلاش کرتا ہوں اور تو مجھے لعل دیتا ہے تیرا لعل تجھے مبارک رہے مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں تک کہ عارفوں کی نظر میں دنیا کی قدر و قیمت ایک رائی کے دانے سے بھی کمتر ہے۔ جو یار کا طالب ہے وہ اس سے بیزار ہے۔ حضرت رؤف احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ (مرتب) فرماتے ہیں کہ جو اس بلا (دنیا) میں مبتلا ہے۔ وہ خدا کا عاشق کب ہے۔ طالب یزداں تو دونوں جہاں سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے یعنی لاتعلق و بیزار ہو جاتا ہے۔ سبحان اللہ! کسی شخص نے کیا خوب کہا اور معانی کے کیسے موتی پروئے ہیں۔

گیرم[1] کہ سریرت از بلور و لیشم ست	سنگش داند ہر کہ اُو را چشم ست
ایں مسندِ قاقم و سمور و سنجاب	در دیدۂ بوریا نشیناں لیشم ست

اس کے بعد حضور فیض گنجور میں انوار و برکاتِ دُعا کے عرفان کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ دُعا کے وقت انوار و برکات آتے ہیں لیکن ان کا فرق معلوم کرنا مشکل ہے کہ یہ انوار و دعا کے ہیں یا قبولیّت کے۔ بعض اکابر نے لکھا ہے کہ اگر دُعا کے وقت دونوں ہاتھ بھاری معلوم ہوں تو یہ قبولیّت کی نشانی ہے لیکن میں اس طرح امتیاز کرتا ہوں کہ وقتِ دعا اگر انبساطِ قلب اور انشراحِ دل ظاہر ہو تو قبولیّت کی علامت ہے ورنہ دُعا کے انوار ہیں۔

مرشدِ گرامی قدر نے یہ بھی فرمایا کہ ایک روز مظہرِ اسرارِ رحمٰن، مصدرِ انوارِ سبحان،

---

[1] ؎

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں نور اللہ مرقدہٗ نے کسی کام کے لئے دُعا فرمائی۔ انوار آئے اور اشارہ کیا کہ قبولیتِ دعا کی امید ہے۔ مَیں نے دل میں کہا کہ یہ کام نہیں ہوگا۔ خدا کے حکم سے وہ کام نہ ہو سکا۔

یہ بھی فرمایا کہ ایک روز حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۲۲۵ھ ۱۸۱۰ء) کے ایک کام کے لئے مَیں نے دُعا کی تو معلوم ہوا کہ دعا قبول نہیں ہوئی ہے۔ دوبارہ دعا کی تو عدم اجابت ہی معلوم ہوئی۔ مَیں نے کہہ دیا کہ قبول نہیں ہوئی ہے لہٰذا پھر دُعا کرتا ہوں۔ پس دل میں مجھے انبساط محسوس ہوئی تو مَیں نے کہا کہ دُعا قبولیت سے ہم آغوش ہو گئی ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ یہ کام ہو جائے گا ——— اس کے بعد اللہ جلّ شانہٗ کے سوا دُوسروں سے دُعا مانگنے کا ذِکر آیا۔ اس پر مرشدِ برحق نے فرمایا کہ خدا کے سوا کسی سے دُعا مانگنا اور اُسے پکارنا شریعتِ مطہرہ میں درُست نہیں ہے۔

اما استمداد خواستن از دوستانِ خدا اگر بسبب تقربِ خداست رواست۔ راقم گوید عفی عنہٗ کہ کارے از بزرگاں خواستن خطاست و نارضی خداست وحل مشکلے از حق تعالیٰ طلب نمودن بتوجہ بزرگان بجاست و عین رضاست آدمی را باید کہ استمداد از مقربان حق تعالیٰ باین طور نماید کہ یا حضرت	لیکن خدا کے دوستوں (انبیاء و اولیاء) سے تقربِ خدا کے باعث مدد طلب کرنا جائز ہے۔ راقم عفی عنہٗ (شاہ رؤف احمد) کہتا ہے کہ بزرگوں سے کسی کام کے کرنے کو کہنا غلطی ہے اور خدا کی مرضی کے خلاف ہاں مشکل کو حق تعالیٰ سے حل کرانے کی غرض سے بزرگوں کی طرف متوجہ ہونا بجا ہے اور عین اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے۔ آدمی کو چاہیئے کہ مقربینِ بارگاہ الٰہیہ (انبیائے کرام و اولیائے عظام) سے اس

؎ اس مسئلے میں امام الوہابیہ، مولوی محمد اسماعیل دہلوی (المقتول ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) نے بڑی دھاندلی مچائی اور فتنہ و فساد کا دروازہ کھول کر مسلمانوں کو بے دھڑک کافر و مشرک قرار دیا ہے۔ شاہ رؤف احمد مجددی

توجہ فرمایند و دعا بکنند کہ حق تعالیٰ مرا بمراد رساند۔" (ص ۳۳)

طرح مدد مانگے کہ یا حضرت! آپ اس جانب توجہ فرمائیں اور (اس عاجز کے حق میں) دعا کریں کہ حق تعالیٰ میری مراد پوری فرما دے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت کے آخر میں بزرگوں سے مدد مانگنے کا جو طریقہ بتایا ہے اس کے بارے میں مولوی محمد اسماعیل دہلوی کی تعلیم یہ ہے:

"اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ جو بعضے لوگ اگلے بزرگوں کو دور سے پکارتے ہیں اور اتنا ہی کہتے ہیں کہ یا حضرت! تم اللہ تعالیٰ کی جناب میں دعا کرو کہ وہ اپنی قدرت سے ہماری حاجت روا کرے اور پھر یوں سمجھتے ہیں کہ ہم نے شرک نہیں کیا۔ اس واسطے کہ اُن سے حاجت نہیں مانگی بلکہ دعا کروائی ہے۔ سو یہ بات غلط ہے۔ اسی واسطے کہ گو اس مانگنے کی راہ سے شرک ثابت نہیں ہوتا لیکن پکارنے کی راہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اُن کو ایسا سمجھا کہ دور و نزدیک سے برابر سن لیتے ہیں۔ جب ہی اُن کو اس طرح سے پکارا۔ حالانکہ اللہ صاحب نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو اللہ کے ورے ہیں یعنی مخلوق، سو وہ ان پکارنے والوں کے پکارنے سے غافل ہیں۔" (تقویۃ الایمان، مطبوعہ اشرف پریس لاہور، ص ۵۷)

مولوی محمد اسماعیل دہلوی اپنے مذکورہ شرک فروشی کے دعوے کی پارہ ۲۶، سورۃ الاحقاف کی پانچویں آیت کو دلیل بنایا ہے حالانکہ یہ آیت بتوں کو پکارنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ جواب دینے سے تا قیامت وہی مجبور ہیں اور پکار سننے سے بے خبر بھی وہی ہیں۔ اس آیۂ کریمہ کے الفاظ مِنْ دُوْنِ اللّٰہ کے بارے میں سارے مفسرین کرام یہی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد بُت ہیں جیسا کہ تفسیر نسفی، جلالین، خازن، جامع البیان، بیضاوی، مظہری، تفسیر کبیر، روح البیان اور روح المعانی وغیرہ میں ہے۔ بتوں کے حق میں جو آیتیں نازل ہوئیں انہیں انبیائے کرام و اولیائے عظام پر چسپاں کرنا خوارج مخذولہ کی عادت ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف جلد دوم میں خوارج کے بارے میں حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ ایک روز میں نے کہا۔ یا حضرت شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ۔ غیب سے سمعِ لاریب میں یہ آواز آئی کہ یوں کہو۔ یا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ شَیْئاً لِلّٰہِ

مرشدِ گرامی قدر نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بازار میں کاروبار کرنے کا مضائقہ نہیں ہے جبکہ مخلوق کی حاجت پوری کرنے کی نیت ہو کہ لوگوں کو اس امر میں اس کی ضرورت پڑتی ہے لہٰذا میرے ذریعے ان کا مقصد حاصل ہو جائیگا اور کسب واسباب کو مؤثر حقیقی نہ جانے۔ اکثر اولیاء اللہ قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہم نے اسباب و تعلقات کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ راقم عفی عنہٗ (شاہ رؤف احمد مجددی) کا کہنا ہے کہ اسباب کی تین قسمیں ہیں:۔

۱۔ **اسبابِ قطعیہ** جس طرح کھانا بھوک دور کرنے کا سبب ہے، اگر کوئی اس کو ترک کر گیا تو گنہگار ہوگا۔ مثلاً ایک شخص کے سامنے کھانا موجود ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ میں نے خدا پر توکل کیا ہے لہٰذا وہی میرا پیٹ بھریگا، یا وہ اپنے ہاتھ سے نہیں کھاتا اور کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کھلائیگا تو کھاؤں گا۔ ایسا کہنے والا گنہگار ہے علیٰ ہٰذا القیاس۔

۲۔ **اسبابِ ظنیہ** جس طرح تجارت یا ملازمت کرنا یا روزی کمانے کے لئے کوئی اور پیشہ اختیار کرنا یا علاج معالجہ کرنا۔ ان کے اختیار کرنے میں بہتری ہے لیکن ان اسباب کا اگر ممکن ہو یا استطاعت رکھے تو ترک کرنا اور توکل کر کے بیٹھ رہنا اولیٰ ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ ارشاد موجود ہے کہ وکان ابن عمر یراہم شرار خلق اللہ وقال انھم انطلقوا الی اٰیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المؤمنین۔ (اور ابن عمر خوارج کو بدترین مخلوق سمجھتے اور فرماتے کہ انہوں نے وہ آیتیں جو کفار کے حق میں نازل ہوئیں انہیں مسلمانوں پر چسپاں کر دیا) اس کے باوجود اگر کوئی مولوی محمد اسماعیل دہلوی کی تصدیق کرے تو اس پر ساری امتِ محمدیہ کا کافر و مشرک ماننا لازم آتا ہے اور امتِ محمدیہ کو [illegible] تو اس طائفہ کو ملتِ اسلامیہ کا دشمن اور دین میں تحریف کرنے والا ماننا لازم آتا ہے۔

۲- اسباب وہمیہ | فال نکالنا اور کاموں میں مبارک و منحوس ساعتوں کو ملحوظ رکھنا اور ہر چیز کی سعادت و نحوست پر، جیسا کہ بعض آدمیوں نے لکھا ہے، عمل کرنا شرک کے قبیل سے ہے، لہٰذا اس خیال کا ترک کر دینا واجب ہے۔ اولیاء اللہ جو اسباب و تعلقات کو ترک کرتے ہیں تو اس سے مُراد اِن آخری دونوں قسموں کا ترک کرنا ہے۔

مُرشدِ برحق نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ایک روز میں حضرت پیرِ طریقت، ہادیٔ حقیقت نہایت کو ہدایت میں درج کرنے والے مُرشد، فانی فی اللہ، خواجہ محمد باقی باللہ عطرہٗ اللہ قبرہٗ و نورٌ اللہ مرجعہٗ کے مزار پُر انوار پر حاضر ہُوا۔ عرض کی کہ حضور کی توجہ سے حضرت شیخ احمد سرہندی قدسنا اللہ تعالیٰ باسرار السامی نے یہاں تک ترقی کی کہ امامِ ربانی اور مجدد الفِ ثانی ہو گئے تھے۔ لہٰذا مَیں بھی حضور کی نظرِ عنایت کا امیدوار ہوں۔ مَیں نے دیکھا کہ حضرت خواجہ اپنے مزارِ مُبارک سے باہر تشریف لے آئے اور میری جانب ہمت و توجہ مبذول فرمائی چونکہ اُس وقت آفتاب نصف النہار پر تھا اور تمازت کی گرمی پڑ رہی تھی۔ مَیں تھوڑی دیر بیٹھ سکا اور پھر اُٹھ کر چلا آیا۔ مَیں خاطر خواہ کسبِ فیض نہ کر سکا، جس کی آج تک دل میں حسرت ہے لیکن حضرت خواجہ کی اس توجہ کا اِتنا اثر دیکھتا ہوں جسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

مرشدِ گرامی قدر نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت بوعلی قلندر قدس سرہٗ کی بارگاہ میں حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حاضر ہوئے اور قدم بوسی کا شرف حاصل کیا۔ حضرت بُوعلی قلندر نے فرمایا کہ کیا تو وہی خسرو ہے کہ ہا ہا اور ہی ہی کرتا ہے؟ عرض گذار ہوئے کہ ہاں، مَیں وہی خسرو ہوں۔ حضرت بُوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تو اشعار منظوم کرتا ہے لیکن ہم نے بھی ایک غزل کہی ہے سنو، ہم اپنی غزل پڑھتے ہیں۔ جوشِ استماع میں بے اختیار حضرت امیر خسرو کی آنکھوں سے آنسوؤں کا چشمہ پھوٹ نکلا۔ حضرت بوعلی قلندر نے پُوچھا کہ ہمارے کلام سے تمہاری سمجھ میں کونسی بات آئی ہے کہ جس پر تمہیں رونا آیا ہے؟ امیر خسرو نے جواب دیا کہ حضور! مجھے تو اپنی کم فہمی پر رونا آیا ہے کہ اپنے فہم کی نارسائی کے باعث آپ

کے کلام سے کبھی بات کو بھی سمجھ نہ سکا۔ حضرت بُو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش ہوئے۔ اُن کے حق میں دُعا فرمائی کہ تو اچھی طرح جیئے گا۔ اچھی طرح مرے گا اور اچھی طرح اُٹھے گا۔

۲۳

۴، جمادی الاولیٰ ۱۲۳۱ھ ـــــ بدھ

احقر بحضورِ والا حاضر ہوا۔ چند حضرات برائے حصولِ فیض و شرفِ آستاں بوسی کے سمرقند سے حضرت کی بارگاہِ عالی میں آئے ہوئے تھے۔ مرشدِ برحق نے بارگاہِ خداوندی میں تضرع و زاری پیش کی اور اس کے بعد حضرت قبلۂ دین و ایمان، مظہرِ انوارِ رحمٰن، مرزا جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ پُرانوار کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میرے قبلہ و کعبہ حضرت مرزا صاحب! میں اس لائق نہیں ہوں کہ ایسے اکابر اتنی دُور دراز جگہ سے سفر کر کے، منزلیں طے فرما کے، میرے نزدیک آئیں۔ یہ سب کچھ آپ کی عنایت ہے۔ یہ سب آپ کی خدمت میں آ رہے ہیں میں تو وہی نالائق پنجابی آدمی ہوں۔ جیسا کہ پہلے تھا۔ یہ آپ ہی کی نظرِ کرم ہے کہ اس جگہ کی خاک کو آنکھوں کا سُرمہ بنا دیتی ہے۔ آپ کی نگاہِ کیمیا اثر نے میرے جسم کے تانبے کو سونے کا مرتبہ عطا فرما دیا ہے:۔

نیاورد[1] ام از خانہ چیزے نخست
تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

میرا رتبہ تو یہی ہے کہ زمین پر بیٹھا ہوا ہوں۔ پھر آپ نے یہ شعر ارشاد فرمایا:۔

خاک[2] نشینی است سلیمانیم
عار بُود افسرِ سلطانیم

---

[1] میں گھر سے کوئی چیز لے کر نہیں آیا۔ سب کچھ آپ نے دیا ہے اور میں بھی آپ کا ہوں۔

[2] میرے لئے زمین پہ بیٹھنا ہی سلیمانی ہے۔ مجھے بادشاہی تاج پہننے سے شرم آتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ میرے پاس ایسی زبان نہیں جس سے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاؤں اور سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا شکریہ ادا کر سکوں اور نہ جنابِ جانِ جاناں مظہر رحمۃ اللہ علیہ کا شکریہ ادا ہو سکتا ہے۔

شکرِ فیضِ تو چمن چوں کند ای ابرِ بہار[1]
کہ اگر خار و گر گل ہمہ پروردۂ تست

۲۴

۵ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۱ھ ——— جمعرات

یہ غلام حضور قبلۂ انام حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق اس وقت خواجۂ خواجگان، پیرِ پیراں خواجہ باقی باللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضۂ منورہ پر تشریف[2] لے گئے تھے اور یہ فدوی بھی آپ کی رکاب میں رہنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ راستے میں مرشدِ برحق نے کتنے ہی معارف بیان فرمائے لیکن اس وقت حافظے میں محفوظ نہیں ہیں۔ جب اپنے دولت خانے پر واپس تشریف لائے حکیم عبدالکریم جھنجانی نے حضرت والا سے رسالۂ مراقبات نقل کرنے کے لیے مانگا۔ جو آپ کی تصانیف سے ہے۔ اس غلام کو بھی اُس قبلۂ خاص و عام نے جن پر میرا دل اور میری رُوح فدا ہیں۔ اس کے نقل کرنے کا قبل ازیں حکم دیا تھا۔ وہ رسالہ حسبِ ذیل ہے۔

رسالہ مراقبات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ اس طریقۂ شریفہ (عالیہ نقشبندیہ) کے اکابر نے مقامات

---

[1] اے ابرِ بہار! باغ تیرے فیض کا شکریہ کس طرح ادا کرے کیونکہ اس کا ہر ایک کانٹا اور ہر ایک پھول تیرا ہی پالا ہُوا ہے۔ [2] مزاراتِ اولیاء پر حاضر ہونا اور ان سے کسبِ فیض کرنا ہمیشہ سے بزرگوں کا معمول رہا ہے۔

قرب کا عالمِ مثال میں کشفِ صحیح کے ذریعے معائنہ صریح کیا ہے اور اُن مقامات کو دائرہ سے تعبیر کرنا مناسب سمجھا کیونکہ وہ مقامات بے جہت اور بے چُون ہیں جبکہ دائرے کی بھی جہت ہوتی ہے اور اس سے قطع نظر جہاں خدا ہے وہاں دائرہ کہاں ؟ پہلا دائرہ ، دائرہ امکان ہے اس کے نچلے نصف حصّے میں سیر آفاقی میسّر آتی ہے اور یہ انوار کو باطن کے باہر سے مختلف رنگوں میں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اور اوپر والے نصف میں سلوک انفسی کی سیر ہے اور یہ انوار و تجلّیات کا اپنے باطن میں مشاہدہ کرنا ہے ۔نیند اور دوسرے واقعات کا اعتبار نہ کرتے ہوئے دوامی حضور و آگاہی کے حصُول کی خاطر جدّ وجہد کرنی چاہیئے۔ اس جگہ اسمِ ذات اور نفی اثبات کا ذِکر نیز کلمہ طیبّہ کا وِرد ترقی بخشتا ہے ۔

مراقبۂ احدیّت کا تعلق ذاتِ باری تعالیٰ کے اسمِ مُبارک اللہ سے ہے ۔ اِس میں وقوف قلبی بھی ہوتا ہے ۔یعنی دلی توجّہ سے معنیٰ کا لحاظ رکھّا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات کے سوا میرا اور کوئی مقصود نہیں ہے ۔ذِکر صحتِ الفاظ کے ساتھ کیا جائے اور دِل کی ہر وقت خطرات سے حفاظت کی جائے اور کثرت سے ذِکر کیئے بغیر دِل کو کشادگی حاصل نہیں ہوتی دِل کی جانب توجہ رہے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی جانب متوجہ ہو کر خطرات کا خیال رکھا جائے ذِکر صحتِ الفاظ اور لحاظِ معنیٰ کے ساتھ کرنا چاہیئے ۔اِس کے بعد بازگشت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدّسہ کے سوا میرا کوئی مقصود نہیں ہے یا اس طرح کہ اے خداوندا ! میرا مقصود تُو ہے اور تیری رضا ہے ۔اپنی نیستی کو دیکھتے ہوئے انکساری اور تضرّع کے ساتھ خداوندِ قدوس کی ذاتِ پاک کا اثبات کرنا چاہیئے تاکہ یہ حالت دائمی ہو جائے ۔جب بےخطرگی یا کم خطرگی حاصل ہو جائے تو اس حالت پہ چار گھڑی ٹھہرا رہے کیونکہ خطرات ہی توجہ اور کیفیت کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں ۔

مراقبۂ معیّت یعنی تم جس جگہ کیوں نہ ہو خدا تمہارے ساتھ ہے ۔ اِس معنیٰ پر ہر لحظہ اور ہر لمحہ توجہ رہے اور زبان سے کلمہ طیّبات کا وِرد بھی کرتا رہے ۔ یہ مراقبہ ولایت

صغریٰ میں کرتے ہیں جو دائرہ ثانی ہے اور اسی میں تجلیاتِ افعالِ الٰہیہ کی سیر ہوتی ہے اور اسی میں اسماء وصفات کا ظلال ہے نیز توحید وجودی، ذوق وشوق، آہ و نالہ۔ استغراق و بے خودی، دوام وحضور اور توجہ بھی اسی میں حاصل ہوتی ہے۔ جب توجہ شش جہت کا احاطہ کرتی ہے اور فدرے انتظار کرتی ہے تو دائرہ ولائیتِ کبریٰ کی سیر شروع ہو جاتی ہے۔

یہ تیسرا دائرہ ہے جو تین دائروں اور قوس پر مشتمل ہے یہ قوس پہلے دائرے میں ہوتی ہے۔ اس میں مراقبہ اقربیت کرتے ہیں یعنی نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔ (یعنی ہم اس کی طرف شہ رگ سے بھی قریب ہیں) اس میں کلمہ طیبہ کا ذکر بھی کرتے ہیں نیچے والا پہلا دائرہ اسماء وصفاتِ زائدہ کی تجلیات کا ہے اور اوپر والا نصف یہ شیون واعتباراتِ ذاتیہ کا ہے اور دوسرا دائرہ ان تجلیات کی اصول کا ہے اور تیسرا دائرہ اِن اصول کی اصول ہے جبکہ قوس ان سب کی اصول ہے اور دوسرے دائرے، تیسرے دائرے اور قوس میں مراقبہ محبت کرتے ہیں کہ یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗ (یعنی وہ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اس سے محبت رکھتے ہیں۔)

اس ولائیتِ کبریٰ میں کہ انبیائے کرام کی ولایت ہے، توحید شہودی، انانیت کی فنا۔ استہلاک واضمحلال، نسبت باطن میں حقیقی اسلام مشرح صدور، عالم کے وجود کا ظل ہونا اور ذاتِ باری تعالیٰ کے وجود کے تابع ہونا پایا جاتا ہے نیز رذائل کا فنا ہونا اور نیک اخلاق وصفات کا تخلق میسر آتا ہے اور ان تمام تجلیات کے حاصل ہونے سے اسماوصفات کا ظلال، اسمائی وصفاتی تجلیات اور اسم ظاہر کی سیر مکمل ہوتی ہے اس کے بعد اسم باطن کی سیر اور تجلیات وحالات پیش آتے ہیں۔

یہ مقامات کا چوتھا دائرہ ہے اور اس سیر کو ولایتِ عُلیا قرار دیا جاتا ہے اور اس کے اندر نفل نماز طویل قنوت کے ساتھ اور اسمِ باطن کا مراقبہ موجبِ ترقی ہوتا ہے۔ اس کے بعد تجلی ذاتی دائمی کی سیر ہاتھ آتی ہے اور اس تجلی ذاتی دائمی کی سیر کو کمالاتِ نبوت

کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔

یہ پانچواں دائرہ ہے اور تجلیاتِ ذاتیہ اس کے درجے رکھتی ہیں۔ پہلا درجہ کمالاتِ نبوّت کا ہے۔ اس مقام میں ذاتِ باری تعالیٰ کا اعتبارات کے لحاظ سے مراقبہ کیا جاتا ہے اور عنصرِ خاک کا لطیفہ اس جگہ موردِ فیض ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید کی تلاوت اس مقام میں ترقی بخشتی ہے۔ اس مقام میں حالاتِ باطن کی اصلاح اور بے رنگی و بے کیفی میسّر آتی ہے اور نیّت و عقائد میں قوّت پیدا ہو جاتی ہے اور قوّتِ استدلال بدیہی ہو جاتی ہے اور اس درجے کے محققین کو قرآنِ کریم کے حروفِ مقطّعات کے اسرار معلوم ہو جاتے ہیں۔

دوسرا درجہ کمالاتِ رسالت کا دائرہ ہے جبکہ تیسرا درجہ کمالاتِ اولوالعزم کا دائرہ ہے یہ دونوں دائرے سالک کی ہیئتِ وحدانی کے موردِ فیض ہیں کیونکہ تصفیہ اور عالمِ امر کے لطائف وحدانی کے موردِ فیض ہیں اور تلاوتِ قرآنِ مجید، خصوصاً نمازوں میں ترقی کا باعث ہوتی ہے۔ بعض اکابر نے حصولِ کمالاتِ ثلاثہ کے بعد انبیائے کرام علیہم السلام کے حقائق کی سیر مقرر فرمائی ہے۔

دائرۂ خلّت، حقیقتِ ابراہیمی ہے علیہ السّلام اس جگہ ذاتِ باری تعالیٰ کا مراقبہ کیا جاتا ہے کیونکہ حقیقتِ ابراہیمی اسی جگہ سے تعلق رکھتی ہے اور درودِ ابراہیمی کثرت سے پڑھتے ہیں ـــــــ محبّتِ ذاتیہ کے دائرے کا تعلق حقیقتِ موسیٰ علیہ السّلام سے ہے۔ اس جگہ ذاتِ باری تعالیٰ کا مراقبہ کرتے ہیں جو حقیقتِ موسوی ہے اور اس درودِ پاک کا ورد کرتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اِخْوَانِهٖ مِنَ الْاَنْبِيَاۗءِ خُصُوْصًا عَلٰی كَلِيْمِكَ مُوْسٰی وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

محبّتِ ذاتیہ کا دائرہ جو محبوبیتِ ذاتیہ سے ملا ہوا ہے حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم ہے۔ اس مقام میں ذاتِ باری تعالیٰ کا اس لحاظ کے ساتھ مراقبہ کرتے ہیں کہ یہ منشائے حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم ہے اور حقیقتِ احمدی کہ خالص محبوبیت

ذاتیہ ہے۔ اس میں ذاتِ باری تعالیٰ کا اس لحاظ کے ساتھ مراقبہ کرتے ہیں کہ یہ منشائے حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہے اور حبِ صرفہ ذاتیہ میں ذاتِ باری تعالیٰ کا حُبِ ذاتیہ کے لحاظ سے مراقبہ کرتے ہیں اور اس درود شریف کا کثرت سے ورد کرتے ہیں:۔
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَفْضَلَ صَلَوَاتِكَ بِعَدَدِ مَعْلُوْمَاتِكَ وَبَارِكْ وَ سَلِّمْ۔ یہ درودِ پاک اِن مقامات میں باعثِ ترقی ہے۔

اِس کے بعد لاتعین اور باری تعالیٰ سبحانہٗ کے اطلاق کا مرتبہ ہے۔ اس کے بعد حقیقتِ کعبہ حُسنیٰ کا دائرہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شانِ عظمت و کبریائی کا اظہار ہے۔ اِس مقام میں ذاتِ باری تعالیٰ کا مسجودیت کے اعتبار سے جو ممکنات اُس کے لیے کرتے ہیں مراقبہ کرتے ہیں ——— حقیقتِ قرآن کا دائرہ ذاتِ باری تعالیٰ کے مبدائے وسعت سے ہے۔ اِس مقام پہ ذاتِ خداوندی کا مراقبہ اِس اعتبار سے کیا جاتا ہے کہ یہ منشائے حقیقتِ قرآنی ہے۔

حقیقتِ صلوٰۃ جو ذاتِ باری تعالیٰ کی کمال وسعت سے عبارت ہے۔ اس مقام پہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا کہ منشائے حقیقتِ صلوٰۃ ہے۔ مُراقبہ کرتے ہیں ——— اس کے بعد معبودیتِ صرفہ کا مرتبہ ہے اور اس جگہ پہ سیرِ نظری کی جا سکتی ہے۔ نہ کہ سیرِ قدمی، کیونکہ وہ (سیرِ قدمی) مقاماتِ عابدیت میں ہوتی ہے۔ یہ ہیں طریقۂ احمدیہ عالیہ (طریقہ نقشبندیہ مجددیہ) میں مقامات و مراقبات کے نام جن کی تفصیل مکتوباتِ امامِ ربانی میں مندرج ہے اور ولایتِ ثلاثہ میں کیفیات کا ظہور ہوتا ہے یعنی بے خودی، استغراق، توحیدِ وجودی، استہلاک و اضمحلال، توحیدِ شہودی، انانیت کی فنا، کیفیاتِ لطیفہ قالبہ، کمالاتِ ثلاثہ میں دائمی طور پہ تجلیاتِ ذاتیہ کا ظہور اور حقائقِ سبعہ میں لطائف، بساطت، وسعت، بے رنگیاں اور بے کیفیاں باطن کی نسبت میں پہنچتی ہیں نیز قوتِ ایمانی اور عقائدِ حقہ بھی حاصل ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اِن مقاماتِ عالیہ میں مراقبات کی کثرت کرے تو ہر مقام کے اندر لطافت و

بے رنگی میں فرق کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ——— یہاں حضرت پیر و مرشد رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ختم ہو گیا۔

۲۵

۶ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۱ھ ——— جمعۃ المبارک

حضور فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ میرے حاضر ہونے سے پہلے مرشدِ برحق نے چند باتیں برائے ہدایت ارشاد فرمائی تھیں۔ برادرِ محترم چونکہ اس وقت مبارک محفل میں حاضر تھے لہٰذا وہ باتیں ان کی زبانی ضبطِ تحریر میں لا رہا ہوں ——— مرشدِ گرامی قدر نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کسی بزرگ کی زیارت کے لئے جائے تو چاہیئے کہ پہلے دو رکعت نماز ادا کرے اور اس کے بعد اپنے قلب کو اس بزرگ کی جانب متوجہ کر کے راستہ طے کرے اور اسی انداز میں حاضرِ خدمت ہونا چاہیئے تاکہ اس کے فیض سے بہرہ ور ہو سکے۔ اس بزرگ کی صحبت میں خاموش بیٹھنا چاہیئے، بموجب:۔

ع خموشی کے فوائد ہو نہیں سکتے بیاں ہرگز

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم بازاروں کی بیٹھک سے بچو۔ ——— یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اپنے دہنِ مبارک میں چند سنگریزے رکھا کرتے تھے تاکہ منہ سے اونچی آواز نہ نکلے ——— نیز قبلۂ عالم، خواجہ محمد زبیر قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہ[۱]

[۱] خواجہ محمد زبیر رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:۔ خواجہ محمد زبیر بن خواجہ ابوالعلی بن خواجہ محمد نقشبند قیوم ثالث بن خواجہ محمد معصوم قیوم ثانی بن حضرت مجدد الفِ ثانی قیوم اول رحمۃ اللہ علیہم۔ آپ کو قیومیت رابع کا منصب مرحمت ہوا تھا۔ ولادت ۵ ذیقعدہ ۱۰۹۳ھ میں ہوئی۔ یکم صفر ۱۱۱۲ھ کو مسندِ قیومیت و ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے۔ جب علم و عرفان اور رشد و ہدایت کا نور پھیلاتے ہوئے اڑتیس ۳۸ سال گزر گئے تو ۴ ذیقعدہ ۱۱۵۲ھ کو دہلی میں فوت ہوئے۔ مزار پر انوار سرہند شریف میں ہے۔

الاقدس اپنے منہ میں مصری رکھا کرتے تھے تاکہ کم بول سکیں کیونکہ انسان پہ بیشتر مصائب زبان کی بدولت آتے ہیں اور خاموشی کے سبب آدمی کتنی ہی مصیبتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اس کے بعد مولانا رُوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ شعر پڑھا۔

اے زباں ہم رنجِ بے درماں توئی[1]

اے زماں ہم گنجِ بے پایاں توئی

مرشدِ برحق اس مجلسِ فیض نشان میں بار بار یہ شعر زبانِ مبارک پہ لائے۔

بعشقت گر جنوں پیدا نمیکردم، چہ میکردم[2]

چو مجنوں سر بسُوئے صحرا نمیکردم، چہ میکردم

اس کے بعد احقر عرض گزار ہُوا کہ مولوی نور محمد صاحب بیعت ہونے کا ارادہ رکھتے تھے۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ بیعت کی تین قسمیں ہیں۔ ایک بیعتِ توسل ہے کہ کوئی شخص توسل کی خاطر حضرات نقشبندیہ قادریہ اور چشتیہ کے پیرانِ کبار میں سے کسی کے ہاتھ پہ بیعت ہو جائے۔ جس طریقے میں چاہے ——— دوسری بیعت گناہوں کی معافی کے لیے ہے۔ یہ بیعت گناہ کرنے سے ٹوٹ جاتی ہے۔ لیس اس بیعت کی تجدید جائز ہے بلکہ گناہ واقع ہو جانے کے بعد اس کی تجدید ضروری ہے۔ تیسری بیعت سلوک باطن حاصل کرنے کے لئے ہے۔

---

[1] اے زباں ہر درد کا درماں ہے تو

اے زباں اک گنجِ بے پایاں ہے تو

[2] جنونِ عشق گر پایا نہیں ہے تو کیا کیا ہے

جو مجنوں بادیہ پیما نہیں ہے تو کیا کیا ہے

۲۶

۷ رجمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ ــــــ ہفتہ

یہ بندہ حضور فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ حضرت شیخ یحییٰ منیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ آدمی جب کسی مرض یا بلا میں مبتلا ہو جاتا ہے تو شدتِ درد کے باعث گریہ وزاری کرتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ اس کی تکلیف کو اور بڑھا دو۔ کیونکہ مجھے اس کا نالہ و بکا بہت پیارا ہے اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

سہ
چندان کہ طپید بسملِ ما
خنداں زگشت قاتلِ ما

اس کے بعد بصد عاجزی کہا [1] اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ الْعَافِیَۃَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ الْعَافِیَۃَ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ دَوَامَ الْعَافِیَۃِ ــــــ اس کے بعد آپ کی خدمت میں توڑ اور جوڑ کا ذکر آیا مرشدِ برحق نے فرمایا کہ بعض اکابر نے توڑ کو جوڑ پر مقدم شمار کیا ہے اور بعض عارف جوڑ کو توڑ پر مقدم جانتے ہیں۔ یعنی جب حق تعالیٰ سے وصل ہو گیا تو ماسوی اللہ سے خود ہی فصل ہو گیا، یا جب ماسوی اللہ سے جدائی ہو گئی تو حق تعالیٰ سے وصل ہو گیا ــــــ راقم الحروف عفی عنہٗ کہتا ہے کہ مذکورہ دونوں اقوال درست ہیں کیونکہ جب عشقِ الٰہی کی آگ دل میں شعلہ زن ہوتی ہے تو جسم کا ایندھن جل بجھ کر رہ جاتا ہے۔ نیز جب دل کا آئینہ کدورتوں اور ماسویٰ کے خطرات سے صاف مصفّٰی ہو جاتا ہے تو مانندِ آئینہ رخسارِ یار کے انوار کا جلوہ نما ہو جاتا ہے۔

---

[1] اے اللہ! میں تجھ سے عافیت مانگتا ہوں ۔ اے اللہ میں تجھ سے دین، دنیا اور آخرت میں عافیت مانگتا ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے دائمی عافیت مانگتا ہوں۔

[1] اے اللہ! میں تجھ سے عافیت مانگتا ہوں۔ اے اللہ میں تجھ سے دین، دنیا اور آخرت میں عافیت

آئینہ کز زنگ والائش جداست [1] | پرشعاع نور و اسرار خداست
رو تو زنگار از رخ او پاک کن | بعد ازاں آں نور را ادراک کن

اس کے بعد مرشدِ برحق نے فرمایا کہ میرے نزدیک جوڑنا توڑنے پہ مقدم ہے کیونکہ جب تک خدا کی محبت نہیں آتی اس وقت تک دنیا کی محبت دل سے نہیں جاتی۔ بعض عارفوں نے دونوں کو ایک ساتھ فرمایا ہے یعنی جس وقت اللہ تعالیٰ سے اتصال ہوتا ہے اُسی وقت مخلوق سے انفصال ہوتا ہے۔ جب مخلوق سے تعلقات کا انفصال ہوگا تو اسی وقت حق کے ساتھ اِتّصال ہوگا۔

مؤلف کی رُباعی

چوں رشتۂ اخلاص دو عالم شکست [2] | در راہِ محبّتِ الٰہی بنشست
رافتؔ نہ تقدم و تاخر اینجاست | آں دم کہ گسست در ہماں دم پیوست

اِس کے بعد حضور پر نور میں حق تعالیٰ کی طلب میں گم ہونے کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے یہ دوہرہ پڑھا۔

بکٹ کہانی میں کہوں سنو سکھیو تم آئے
پی کو ڈھونڈن میں گئی آئی آپ گنوائے

یعنی اے دوستو! میں عشق کی داستان سُناتا ہوں تم آ کر سُن لو۔ میں اپنے محبوب کی جستجو

---

[1] وہ شیشہ جو زنگ اور آلودگی سے پاک ہے، وہ نورانی شعاعوں اور خدائی بھیدوں سے لبریز ہے۔ تُو جا کر اس کے چہرے کا زنگ دُور کر دے اور اس کے بعد اس نور کا ادراک کرنا۔

[2] جب دونوں جہانوں سے اخلاص کا رشتہ ٹوٹ گیا اس کے بعد محبتِ الٰہی کے راستے میں بیٹھ۔ اے رافتؔ! اس جگہ نہ تقدم ہے اور نہ تاخر۔ جس وقت وہ رشتہ ٹوٹتا ہے تو یہ استوار ہو جاتا ہے۔

میں تگ و دو کر رہا ہے اور مارا مارا پھر رہا تھا۔ اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے میں خود (اس) کی محبت میں گم ہو گیا۔ راقم عفی عنہ (حضرت رؤف احمد رافتؔ رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ خود کو گم کر دینا ہی تو محبوب کو پا لینا ہے۔

رفتم[1] از خویش نگارم آمد
بیخودی طرفہ بکارم آمد!!

خودی کا پردہ معشوق ابدی کے چہرے کا حجاب ہے، جو اس پردے کو پھاڑ دیتا ہے وہ یار کا دیدار کر لیتا ہے۔

نقاب[2] چہرہ ندارد نگار دلکش ما!
تو خود حجاب خودی حافظؔ از میاں برخیز

یہ بھی مرشدِ گرامی قدر نے فرمایا کہ خودی[3] خدا کی دشمن ہے یعنی خودی سے خدا کو عداوت ہے۔ جب تک تو خودی کو جڑ سے نہیں کاٹے گا۔ واصل باللہ نہیں ہو سکتا جب تک تو خودی سے دور نہیں ہو گا اس وقت تک خدا کے وصل سے مسرور نہیں ہو سکتا ہاں ہاں اس راہ میں؛۔

خودی کفر اور بیخودی دین ہے

---

[1] جب میں اپنے آپ سے گزر گیا تو محبوب تشریف لے آیا۔ بیخودی عجیب انداز سے میرے کام آئی۔

[2] ہمارا دلکش محبوب چہرے پر نقاب نہیں رکھتا۔ حافظ! تو خود حجاب ہے، تو درمیان سے اُٹھ جا۔

[3] خودی یہاں انانیت کے معنی ہے جو صوفیہ کے نزدیک نہایت معیوب چیز ہے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے خودی کی اپنے کلام میں بہت تعریف کی ہے لیکن وہ فلسفیانہ اصطلاح ہے اور اس کا معنی جدا ہے۔ دونوں جگہ اگرچہ لفظ ایک ہے لیکن معنی جدا ہیں کیونکہ یہ تصوف کی اصطلاح اور وہ فلسفے کی۔ دونوں میں فرق شبیر اور شبر کا ہے

راقم الحروف کو اس موقع پہ ایک نقل یاد آگئی ہے۔ اُسے ایک نظم کی لڑی میں پرو کر پیش کرتا ہوں۔

نظم

یکے[1] چالاکے بود مردِ خدا ۔۔۔ نہایت بدل طالب کیمیا

بشوقش ہمہ کار بگذاشت او ۔۔۔ خیالش کنقشِ حجر داشت او

دراں عہد یک عارفِ باصفا ۔۔۔ ولی خدا، نائبِ مصطفٰے

شفائے ہمہ رنج ہائے درون ۔۔۔ دوائے ہمہ سوز و درد وجنون

چو کردی نظر جانبِ خاک او ۔۔۔ چو اکسیر خالص شدی پاک او

غرض آں شہِ دیں دراں مصر بود ۔۔۔ بیامد بنزدیکش آں مرد زود

بگفتا کہ من طالبِ سرِّ حق ۔۔۔ بیاموز مارا سبق در سبق

ولے در دلے شوقِ اکسیر بود ۔۔۔ ازاں حضرت او را نہ تاثیر بود

---

۱ ایک مردِ خدا بہت چالاک اور دل سے کیمیا کا طالب تھا۔

اس کے شوق میں اس نے سب کام کاج چھوڑ دیئے۔ اس کا خیال پتھر پر نقش کے مانند ہو گیا۔

اس زمانے میں ایک باصفا عارف تھا، جو خدا کا ولی اور مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا نائب تھا۔

وہ بزرگ تمام اندرونی بیماریوں کا علاج تھا اور ہر جلن درد اور جنون کی دوا تھا۔

جب وہ مٹی پر نظر ڈالتے تو وہ اکسیر کی طرح خالص اور پاک ہو جاتی۔

غرض وہ دینداروں کا بادشاہ جس شہر میں تھا، یہ مرد جلدی سے اس کی خدمت میں جا پہنچا

کہنے لگا کہ میں سرِّ حق کا طالب ہوں۔ آپ مجھے ایک ایک سبق سکھاتے جائیں۔

چونکہ اس شخص کے دل میں کیمیاگری کا شوق تھا۔ لہٰذا بزرگ سے اُسے کوئی فیض حاصل نہ ہوا۔

اگر صاف چوں آئینہ دل شود	پس البتہ تا تیرِ کامل شود
کہ بیند بدل عکسِ روئے نگار	نماند بعکسش بود گہ غبار
ہمہ وقت نزدیکِ آں باصفا	شدی حاضر آں طالبِ کیمیا
یکے روز از آنحضرت آں نیک بُود	بصد از روی و ادب عرض کرد
کہ اے گوہرِ بہر ذاتِ خدا	سوالم شنو بہر ذاتِ خدا
دلِ پُر تمنای من شاد کُن	مرا کیمیا زود ارشاد کُن
بگفت آں ولی خوب نزدم بیا	زمن یاد کن نسخۂ کیمیا
کہ انیست وانیست وانیست ویں	بنا کُن تو ایں نسخۂ ایں چنیں
مگر خطرۂ شکل میموں بدل !	نیاری بداں وقت اے مشتغل
پس آں مرد گفت ای ولی زماں	ز توفیض یاب است جملہ جہاں

ؔ اگر دل آئینے کی طرح (اعراض سے) صاف ہو جائے تو کامل آدمی سے البتہ فیض حاصل ہو جاتا ہے
اس وقت وہ دل میں محبوب کا عکس دیکھنے لگتا ہے۔ اگر غبار ہو تو عکس نظر نہیں آتا۔
وہ طالبِ کیمیا ہر وقت اس بزرگ کی خدمت میں حاضر رہتا۔
ایک روز وہ آدمی بڑی آرزو اور ادب کے ساتھ اس بزرگ کی خدمت میں عرض کرنے لگا۔
کہ اے ذاتِ خدا کے دریا کے گوہر! خدا کے لئے میرا سوال سُنیئے۔
میرے تمناؤں سے بھرے ہوئے دل کو اس طرح شاد فرمائیے کہ مجھے کیمیا گری سکھا دیجئے۔
اس ولی نے فرمایا کہ میرے بالکل نزدیک آیئے اور کیمیا کا نسخہ مجھ سے (سُن کر) یاد کر لیجئے۔
کہ یہ فلاں فلاں چیزیں اس نسخے میں ہیں اور اس طریقے سے یہ نسخہ تیار کر لیجئے۔
لیکن اے مشتغل! (تیار کرتے وقت) دل میں میموں کی شکل کا خیال نہ آئے۔
اس آدمی نے کہا کہ اے ولیٔ زماں! آپ سے تمام دنیا فیض حاصل کر رہی ہے۔

اگر[1] دادن نسخہ منظور بود پس از ذکر میمون ترا شد چہ سود
نہ فہمید آں مرد رازِ نہاں کہ در پردہ گفت آں ولیٔ زماں
اگر دور ایں خطرہ از دل شود بلا شبہ اکسیر حاصل شود
ز میموں مراد ایں خودیٔ تراست اگر ایں رود از دلت کیمیاست
بعد از خودی تا رسی با خدا خدا را ز خود بگذر اے جانِ ما
تو خود گشتہ پردہ رُوئے یار خدا را ببیں و خودی را گذار
بحُسن خود آراستش نظارہ کُن حجابِ خودی را ز خود پارہ کُن
بشو نسخۂ ماسوی اللہ را بجو نکتۂ قلبِ آگاہ را
نظر تا بکے می کُنی سوی خط زخط بگذر د مہم کُن در نقط
کہ شُد از نقطہ بُود خط در عیاں ولے آں نقط را تو کردی نہاں

---

[1] اگر نسخہ مرحمت فرمانا منظور تھا تو میموں کے ذکر سے آنجناب کو کیا فائدہ ہُوا ؛
وہ آدمی پوشیدہ راز کو سمجھ نہ سکا ورنہ اس ولیٔ زماں نے تو در پردہ سب کچھ بتا دیا تھا۔
اگر یہ خطرہ دِل سے دُور ہو جائے تو بلا شُبہ اکسیر حاصل ہو جاتی ہے۔
میمون سے اِس جگہ تیری خودی مراد ہے۔ اگر یہ دُور ہو جائے تو کیمیا تیرے دِل میں ہے۔
خودی سے گزر جا تاکہ خدا تک رسائی ہو جائے، جانِ من! خدا کے لیے تو خود سے گزر جا۔
رُوئے یار کا پردہ تو خُود ہے۔ خودی سے گزر جا اور خود کو دیکھ لے۔
اپنی خودی کے حجاب کو پارہ پارہ کر کے اس کے اپنے سجائے ہوئے حُسن کا نظارہ کر۔
تو ماسوی اللہ کے نسخے کو دھو ڈال اور قلبِ آگاہ کا نکتہ تلاش کر۔
تو کب تک خط کو دیکھتا رہے گا۔ خط سے گزر اور نقطے کو سمجھ۔
کہ نقطوں سے ہی خط عیاں ہُوا ہے لیکن اسی نقطے کو تُو نے چھُپا دیا ہے۔

بس این نکتہ کافیست رافت خموش | مکن ظاہر این رازہا را بپوش[1]

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم بھی مزاح فرمایا کرتے تھے لیکن ایسا مزاح جس میں جھوٹ کا شائبہ بھی نہ ہو چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک بوڑھی عورت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئی کہ یا رسول اللہ! میں نے سُنا ہے کہ بوڑھی عورتیں جنّت میں نہیں جائیں گی۔ یہ درست ہے یا غلط؟ سرورِ کونین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بطورِ مزاح فرمایا کہ جنّت میں جوان عورتیں جائینگی نہ کہ بوڑھی عورتیں۔ وہ بڑھیا غمگین ہو کر اپنے گھر کو لوٹنے لگی تو رحمۃ للعالمین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اُس سن رسیدہ محترمہ سے فرمایا کہ بوڑھی عورتیں کو اللہ تعالیٰ نوجوانی کی خلعت عطا فرما کر جنّت میں داخل کرے گا۔ پس جنّت میں کوئی بوڑھا نہیں ہوگا بلکہ سب جوان ہوں گے ——— مرشدِ گرامی قدر نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اِس سے پہلے میرا مزاج بھی مزاح کی جانب مائل رہتا تھا لیکن ایک روز مجھے الہام ہُوا کہ مزاح نہ کیا کر۔

۸ جمادی الاُولیٰ ۱۲۳۱ھ ——— اتوار

حضورِ فیض گنجور میں حاضر ہُوا۔ مرشدِ برحق نے میر قمرالدین سمرقندی کی جانب مخاطب ہو کر فرمایا کہ آدمی کو چاہیئے کہ وہ اپنا وقت ضائع نہ کرے کیونکہ اِس سے درجات میں نقصان ہوتا ہے ——— اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ پیغمبرِ خدا السیّدنا محمد رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم تہجّد کی تیرہؔ رکعتیں پڑھتے تھے جن میں لمبی قرأت پڑھتے اور قومہ و جلسہ میں کافی دیر ٹھہرتے تھے۔ کبھی آپ نَو اور کبھی پانچ رکعتیں

---

[1] اے رافت! خاموش ہو جا کیونکہ یہی نکتہ کافی ہے۔ اِن رازوں کو ظاہر نہ کر بلکہ چھپا۔

بھی ادا فرماتے، جیسا کہ وقت کے مطابق روایتوں میں اختلاف ہے۔ اور صبح کی نماز پڑھنے کے بعد بیٹھے رہتے یہاں تک کہ سورج مشرق سے طلوع ہو کر کچھ بلند ہو جاتا جتنا کہ مغرب سے پہلے عصر کے وقت ہوتا ہے، اس وقت دن کے تکرانے میں دو رکعت ادا فرماتے اور دو رکعت نماز استخارہ کی پڑھتے اور دعا کرتے کہ اے الٰہی! مجھ سے وہ کام سرزد ہوں جو میرے لئے دین اور دنیا میں بہتری کا باعث ہیں اور ایسے کام مجھ سے صادر نہ ہوں جو میرے لئے دین اور دنیا میں بُرے ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے پھر اسی جگہ بیٹھ کر ذکرِ الٰہی کرتا رہے، یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے۔ پھر دو رکعت نماز پڑھے تو اس کے لئے پورے حج اور مکمل عمرے کا ثواب ہے۔ دعائے استخارہ جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھی، وہ یہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ۔ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ اَوْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِہٖ فَاقْدِرْہُ لِیْ وَیَسِّرْہُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْہِ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ اَوْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِہٖ فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْہُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِہٖ۔ (سلہ)

سلہ اے اللہ! میں تیرے علم سے بھلائی چاہتا ہوں اور تیری قدرت سے طاقت چاہتا ہوں اور تیرے فضل عظیم کا تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ تو قادر ہے اور میں کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ تجھے سارا علم ہے اور میں کچھ بھی نہیں جانتا اور تو چھپی ہوئی باتوں کا خوب جاننے والا ہے۔ اے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے دینی، معاشی، اُخروی لحاظ سے اور انجام کار بہتر ہے تو اُسے میرے لئے مقرر فرما دے اور اسے میرے لئے آسان

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

اِس کے بعد جب سورج مشرق کی جانب اِتنا بلند ہو جائے جتنا مغرب کی جانب سے ظہر کی نماز کے وقت ہوتا ہے تو آپ نمازِ چاشت ادا فرماتے۔ اِس کے بعد زوال کے وقت (بعد زوال) طویل قرأت کے ساتھ نمازِ فی الزوال پڑھتے اور عصر سے پہلے چار رکعت اور مغرب کے بعد چھ رکعت نمازِ اوّابین پڑھتے اور عشاء سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے ـــــــ یہ بھی مرشدِ برحق نے فرمایا کہ زاہدوں کے سرمایہ افتخار شیخ محمد عابد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نمازِ تہجد میں ساٹھ مرتبہ سُورۂ لیٰسین پڑھتے تھے۔ اِس کے بعد مرشدِ گرامی قدر نے فرمایا کہ ہزار مرتبہ درُود شریف پڑھنی چاہیئے اور کلمۂ تمجید (تیسرا کلمہ) و دیگر ادعیائے ماثورہ اور استغفار جس قدر میسّر آئے پڑھنا چاہیئے اور شب و روز کے باقی اوقات میں ذکرِ قلبی، کلمہ طیبہ کا وِرد اور مراقبوں میں مشغول رہنا چاہیئے اور قرآنِ کریم کی ایک منزل بھی پڑھنی چاہیئے۔

۲۸

۹ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۱ھ ــــــ پیر

خدمتِ اقدس میں حاضِر ہُوا۔ مرشدِ برحق نے مولوی شیر محمدؔ صاحب سے پُوچھا کہ تمہارے جذبات کِس لطیفے سے پیدا ہوتے اور کِس مقام سے فیض حاصِل ہوتا ہے۔ مولوی صاحب عرض گزار ہوئے کہ آنجناب کی نگاہِ کرم کے صدقے جذبات ہر لطیفے سے ظاہر ہوتے ہیں اور فیض پہلے لطیفۂ نفس سے آتا ہے اور اِس کے بعد سینے کی جانب متوجہ ہو کر مضمحل و مستہلک بنا دیتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کرے اور مجھے اس میں برکت دے اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے دینی، معاشی، آخری لحاظ سے اور انجام کار بُرا ہے تو اِسے مجھ سے دُور رکھ اور مجھے اِس سے دُور رکھنا اور میرے لئے بھلائی مقرّر فرما، خواہ وہ کہیں ہو پھر مجھے اُس کے ساتھ راضی کر دے۔

اس کے بعد مرشدِ گرامی قدر نے ارشاد فرمایا کہ حضرت محبوبِ سبحانی، مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جب نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے اور راضی و مرضی کا مقام حاصل ہو جاتا ہے تو معاملہ صدر (سینے) کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے اور شرحِ صدر حاصل ہو جاتا ہے اور ایمانیات میں کسی دلیل کی احتیاج باقی نہیں رہتی اور نظر تو بدیہی اور اعتقاد کشفی ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد مرشدِ برحق نے فرمایا کہ سبحان اللہ! حضرات نقشبندیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقۂ عالیہ بھی کیا عجیب ہے کہ بہت آسان اور بہت نفع بخش ہے۔ اس کے بعد حضور فیض گنجور میں حضرات نقشبندیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی نسبت کا ذکر آیا مرشدِ گرامی قدر نے فرمایا کہ حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی[1] قدسنا اللہ تعالیٰ باسرار السامی سے پہلے یہ نسبت احسان تھی اور جب ان کے ساتھ معاملہ وابستہ ہوا تو یہ نسبت حضور و آگاہی کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ ان کے بعد حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جدید طریقہ ظاہر فرمایا، کیونکہ انہوں نے متواتر بارہ روز تک دعا کی کہ اے باری تعالیٰ! مجھے ایسا طریقہ مرحمت فرما جو باعثِ وصل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور ایسا طریقہ مرحمت فرما دیا جو بہت آسان اور منزلِ وصل تک پہنچانے والا ہے۔

مرشدِ برحق نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ایک روز میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ

---

[1] حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے سردار اور طریقت کے مجتہدین سے ہیں۔ آپکے والد شیخ عبد الجلیل رحمۃ اللہ علیہ صاحب کشف و کرامت اور حضرت خضر علیہ السلام سے صحبت رکھتے تھے۔ طریقہ نقشبندیہ کے گیارہ اصولوں میں سے آٹھ اصول آپ ہی کے فرمودہ ہیں، یعنی:- (۱) ہوش در دم (۲) نظر بر قدم (۳) سفر در وطن (۴) خلوت در انجمن (۵) یاد کرد (۶) بازگشت (۷) نگاہ داشت (۸) یاد داشت ——— باقی تین خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودہ ہیں۔ ۱۲ ربیع الاول ۵۷۵ھ کو وفات پائی۔ مزار پر انوار غجدوان میں ہے۔

اللہ تعالیٰ علیہ کے مزارِ پُر انوار پہ حاضر ہُوا اور ان سے توجہ و امداد طلب کی اور عرض کی کہ خدا کے لیے کچھ عطا فرمایئے، خدا کے لئے کچھ مرحمت فرمایئے۔ مَیں نے مشاہدہ قلبی کے ذریعے دیکھا کہ ایک حوض ہے جو لبالب پانی سے بھرا ہُوا ہے اور پانی اس کے کناروں سے باہر نکل رہا ہے اور اس وقت یہ بات اُلقاء ہوئی کہ تیرا سینہ عرفانِ مجددی کے انوار سے اس درجہ بھرا ہُوا ہے کہ دوسرے کسی نور کی گنجائش نہیں رکھتا۔

مرشدِ گرامی قدر نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ایک روز میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہٗ کے روضۂ منورہ پہ حاضر ہُوا اور درخواست پیش کی کہ میری جانب توجہ فرمائی جائیے۔ حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تجھے تمام کمالاتِ احمدی (طریقہ مجددیہ) حاصل ہیں۔ مَیں نے عرض کی کہ اپنی نسبت بھی عطا فرمایئے۔ انہوں نے توجہ فرمائی اور اپنی نسبت سے مالا مال کر دیا۔ جس کے آثار میں اپنے اندر دیکھتا ہوں اور مشاہدہ کرتا ہوں کہ ان کے چہرے کے رنگ اور میری شکل میں جلوہ نما ہُوا اور میرا چہرہ ان کے چہرۂ مُبارک کی شکل میں ہو گیا۔

ع۵ بزرگانِ دین کا طریقہ یہ ہے کہ مزاراتِ اولیاء اللہ پہ حاضری دی جاتی ہے جبکہ وہابیوں کی تینوں جماعتیں (اہلِ حدیث، دیوبندی اور جماعتِ اسلامی) اس کی منکر اور اس سعادت کو منکرات سے شمار کرتی ہے۔ نیز وہابیہ اس نداء استمداد کو کفر و شرک قرار دے کر اس طریقے پر عمل کرنے والوں کو بے دھڑک کافر و مشرک ٹھہراتے اور یوں ساری اُمتِ محمدیہ کو غیر مسلم قرار دے کر اپنی اسلام دشمنی کا ثبوت دیتے اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاتے رہتے ہیں۔ حالانکہ بزرگانِ دین بعد وفات سنتے دیکھتے اور متوسلین کی مدد کرتے ہیں۔ اس ملفوظ کے یہ دونوں واقعات بزرگوں کے افادہ و استفادہ کا بہترین ثبوت ہیں۔ وہابی حضرات کو اہلِ حق کی جماعت اور بزرگوں کے طریقے سے انحراف نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ جو بزرگانِ دین کا طریقہ ہے صراطِ مُستقیم وہی ہے۔

من تو شدم تو من شدی، من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری

۲۹

۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۱ھ ـــــــ منگل

محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق کو اس وقت ضعفِ قلب کے باعث بیٹھنے کی طاقت نہ تھی۔ ایک شخص عرض گزار ہوا کہ حضور! ضعف بہت زیادہ ہے لہٰذا مختلف ادویات کے ذریعے اسے دُور کرنے کی تدابیر کرنی چاہئیں۔ مرشدِ گرامی قدر کے اندر محبت الٰہی کی حرارت نے جوش مارا اور بے اختیار یہ شعر پڑھا۔

ہرچند پیر خستہ دل و ناتواں شدم
ہر گہ کہ یاد رُوی تو کردم جواں شدم [۱]

پس آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور یارانِ اہلِ حلقہ کی جانب متوجہ ہو گئے۔ مرشد گرامی نے یہ بھی فرمایا کہ سیر الی اللہ تعلقات منقطع کرنے کا نام ہے اور خواہشات چھوڑ دینے کا جب تعلقات ختم ہو جائیں اور خواہشات مٹ جائیں تو سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے۔

مرشدِ گرامی قدر نے یہ بھی فرمایا کہ ایک روز حضرت مولانا و مرشدنا و ہادینا یعنی مظہر اسرار رحمٰن، مرزا مظہر جانِ جاناں علیہ رحمۃ الرحمٰن نے ضعف طاری ہو جانے کے باعث توجہ دینا موقوف کر دیا تھا۔ احباب توجہ کی خاطر آتے، غایت کے انتظار میں بیٹھے رہتے۔ پس حضرت مرزا صاحب قبلہ اس وقت یہ شعر پڑھتے۔

خضر از حسد بمیرد چوں بروی یار بافر [۲]
کند آخری نگاہ و رہ پائیدار گیرد

---

[۱] اگرچہ میں خستہ دل بوڑھا اور کمزور ہوں لیکن جب تیرے چہرے کو یاد کرتا ہوں تو جواں ہو جاتا ہوں۔

[۲] خضر حسد سے مریگا، جب شان و شوکت سے یار کے چہرے پر آخری نگاہ ڈال کر پائیدار سفر اختیار کریں گے۔

اور پوری قوت سے اُٹھ بیٹھتے اور احباب کو توجہ دیتے. مرشد برحق نے میسر قمر الدین سمر قندی سے فرمایا کہ آپ متوجہ ہو جائیں کیونکہ میں ہمت (توجہ ڈالنا) کرتا ہوں کہ عالمِ امر کے لطائفِ خمسہ اور لطیفۂ نفس اور تمہارے عناصرِ ثلاثہ ایک ہو جائیں. اس کے بعد مولوی شیر محمد، مولوی محمد عظیم، مقبول النبی کبروی کشمیری اور میاں جان محمد سے فرمایا کہ تم چاروں حضرات متوجہ ہو جاؤ کہ میں تم پہ توجہ ڈالنے لگا ہوں تاکہ تمہارے لطائف خمسہ لطیفہ نفس سے متحد ہو جائیں اور درمیان میں کوئی فاصلہ نہ رہے.

راقم عفی عنہٗ (شیخ رؤف احمد رافت مجددی رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ لطائف کے ایک ہونے کا مطلب مکمل ہونا ہے ہر لطیفے کی سیر کا، یعنی لطیفہ آخر میں دوسرے کے ساتھ متحد ہے یعنی لطیفہ قلبی کی انتہا لطیفہ رُوحی کی ابتدا سے چسپاں ہے اور ان دونوں پہ باقی لطائف کو ترتیب کے لحاظ سے قیاس کرنا چاہیئے. پس ہر سالک جو ایک لطیفہ طے کرتا ہے وہ دوسرے لطیفے میں قدم رکھ دیتا ہے اور اس کی سیر شروع کر دیتا ہے.

مقامات کا سلوک دو قسم پہ ہے. ایک سلوک تو یہ ہے کہ ہر مقام کو پورے طور پر دیکھے یعنی مرشد کی توجہ کے ساتھ ایک مقام کی ابتدائ سے سیر شروع کرے اور آخر تک طے کر جائے اس کے بعد دوسرے لطیفے کی سیر میں مشغول ہو جائے. مقامات کا دوسرا سلوک انعامی ہے اور وہ یہ ہے کہ مرشد جس کے لیئے چاہے کہ جلد اپنے مقصد کو حاصل کرے تو لطیفہ اول کی جانب توجہ کرتا ہے اور ابھی اس کی سیر مکمل نہیں ہوتی کہ دوسرے لطیفے کے انوار اس کے اندر القا کرنے شروع کر دیئے جاتے ہیں اور اسی طرح ابھی دوسرے لطیفے کی سیر مکمل نہیں ہوئی ہوتی کہ تیسرے لطیفے کی جانب توجہ فرماتے ہیں. علیٰ ہٰذا القیاس مرشد اپنی توجہ کے سبب ہر مقام اور ہر جگہ کا فیض، انوار اور کیفیت سالک میں القا فرماتے ہیں. پس وہ سالک ظفرہ کہلاتا ہے کیونکہ ہر مقام کو اجمالی طور پہ دیکھتا ہے. اس کے بعد عنایت خداوندی سے ہر مقام کی تفصیل حاصل ہو جاتی ہے اور مرشد برحق کہ چار ساتھیوں پر لطائف کے ایک

کرنے کی توجہ فرماتے ہیں، تو معلوم ہونا چاہیئے کہ اوّل وہ لطائف کو بطور طفرہ طے کرواتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ہے اور اس کے بعد ہر لطیفے کی مکمل سیر کے لیے توجہ فرماتے ہیں۔

۳۰

۱۱؍جمادی الاولیٰ ۱۲۳۱ھ بدھ

یہ فقیر اپنے قبلہ برنا و پیر کے حضور حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ ایک روز میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) اور حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء) ایک مجلس میں اکٹھے تھے۔ اتفاقاً عبادت پر علم کی فضیلت کا ذکر آگیا۔ شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حدیث شریف میں عبادت پر علم کی فضیلت آئی ہے اور اس سے مراد علم مسائل (علم فقہ) ہے۔ میں نے کہا کہ اس علم سے مراد علم باللہ ہے۔ علم باللہ کے ۲ دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ ذاتِ خدا میں مستغرق ہو جائے اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ واقعات کو اس حکیم مطلق کی قضا یا اس قادرِ برحق کا فعل جانے۔

۱؎ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا تاریخی نام غلام حلیم ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) کے فرزند ارجمند، اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی، تیرہویں صدی کے مجدد اور یگانۂ روزگار تھے۔ ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ظاہری اور باطنی علوم کی تحصیل اپنے والدِ محترم سے کی۔ اپنے والدِ ماجد کی وفات کے بعد سترہ سال کی عمر میں مسندِ درس و ارشاد کو زینت بخشی۔ علم و عرفان کے اس بحرِ ذخار کی وسعتوں کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے ان کا علمی پایہ تصانیف سے ظاہر و باہر ہے۔ ۷؍شوال ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء کو انتقال فرمایا۔

۲؎ شاہ رفیع الدین دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ہیں۔ ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء میں پیدا ہوئے۔ یہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے چار سال چھوٹے اور شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے چار سال بڑے تھے۔ تمام علوم کی تحصیل اپنے والدِ ماجد سے کی۔ آپ کے علم و فضل کا دور دور تک شہرہ تھا۔ تدریسِ علوم میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ کئی کتابیں اور قرآن کریم کا لفظی ترجمہ ان کی یادگار ہیں۔ ترجمے میں وہابیہ نے تحریف کر رکھی ہے۔ ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء میں ان کا وصال ہوا۔

اس کے بعد آپ کے حضور میں حضرت مجدد الفِ ثانی قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہ السامی کی اولاد کے فضائل کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ حضرت محبوبِ سبحانی، مجدد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ میری نسبت تمام اولاد میں جاری و ساری ہے اور قیامت تک رہے گی لیکن بعض کی زندگی میں ظاہر ہو جاتی ہے اور بعض کی وفات کے وقت جلوہ گر ہوتی ہے اور اس نسبتِ شریفہ سے محروم کوئی نہیں رہے گا۔

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ میری دلی خواہش ہے کہ حضرت مرشدنا و قبلنا مولانا مظہر رحمان، حضرت جانِ جاناں قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہ الاقدس کی خانقاہ کو وسیع کیا جائے۔ اس کے بعد فرمایا کہ:-

من اہل و عیال ندارم کہ برائے آں میخواہم
مگر خواہشِ من محض للہ است کہ
مردمان برائے طلبِ حق جلّ و علا از
اوطانِ خود می آیند و جائے استقامت
نمی یابند۔ برائے اینہا وسعت
مکان می خواہم۔ (ص ۲۶)

میں اہل و عیال نہیں رکھتا کہ ان کی وجہ (خانقاہ
کی وسعت) چاہتا ہوں بلکہ میری یہ خواہش محض
کے لئے ہے کیونکہ کتنے ہی آدمی حق جلّ و علا کی طلب
میں اپنے دیس کو چھوڑ کر یہاں آتے ہیں لیکن یہاں
رہنے کے لئے (خاطر خواہ) جگہ نہیں پاتے ہیں ان کی
تنگی کے پیشِ نظر مکان کی وسعت چاہتا ہوں۔

اس کے بعد مرشدِ گرامی قدر نے یہ ارشاد فرمایا کہ:-

بعد از من دریں مکان میاں ابوسعید
نشینند و بحلقہ و مراقبہ و بدرس
حدیث و تفسیر مشغول شوند۔ پس
ازاں فرمودند کہ خداوندا بعد از من
چہ طور شود بطورِ من مانند یا بنہج
دیگر۔ بعد ازاں فرمودند کہ بعضے

میرے بعد اس مکان (خانقاہ) میں میاں
ابوسعید بیٹھیں گے اور حلقہ، مراقبہ اور حدیث و
تفسیر کے درس میں مشغول ہوں گے۔

اس کے بعد فرمایا کہ بارِ الٰہا! میرے بعد
کیا طریقہ ہوگا؟ میرے ہی مطابق یا کسی
دوسرے طریقے پر؟ بعدہٗ فرمایا کہ بعض

کساں میگویند کہ ایں قدر عنایت بر
حال ایشاں چراست. نمی فہمند کہ
میاں ابوسعید پانصد کس مریدان خود
را ترک کردہ نزد من آمدہ اند وقبل
از ایں خرقۂ خلافت از مشائخ دیگر
یافتہ بودند۔ پس در حینِ حیات
مرشد خود خلافت و اجازت را
گذاشتہ حلقۂ بیعتِ من بگردنِ
اخلاص خود انداختند واز پیری
بجانب مریدی شتافتند پس چگونہ
موردِ عنایت و مصدرِ ہمت
نباشد۔ (ص ۴۶-۴۷)

کہتے ہیں کہ ان کے حال پہ اس قدر عنایت
کیوں ہے۔ وہ (معترض حضرات) نہیں سمجھتے
کہ میاں ابوسعید اپنے پانچ سو مریدوں کو چھوڑ
کر میرے نزدیک آگئے ہیں (یعنی میرے ہاتھ پہ
بیعت ہو گئے) اور اس سے پہلے دیگر مشائخ
سے خرقۂ خلافت حاصل کر چکے ہیں پس زندگی
میں جو مرشد اپنی اجازت وخلافت کو نظر
انداز کر کے میرے حلقۂ بیعت میں اخلاص کے
ساتھ برضا و رغبت آیا اور پیری سے مریدی
کی جانب تیزی سے قدم بڑھایا ہو، بھلا وہ
کیوں عنایت کا مستحق اور توجہ کا مرکز و مصدر
نہ ہوگا۔

اُسی روز خاندانِ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگوں رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ذکر آیا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ نقشبندیہ سلسلے کے سات بزرگ ہیں جن کا ختم مشہور ہے۔ وہ یہ[عہ] ہیں:-

(۱) خواجہ عبدالخالق غجدوانی۔ (۲) خواجہ عارف ریوگری۔
(۳) خواجہ محمود انجیر فغنوی۔ (۴) خواجہ علی رامیتنی۔
(۵) خواجہ بابا سماسی۔ (۶) خواجہ امیر کلال۔
(۷) خواجہ بہاء الدین نقشبند قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہم۔

عہ (۱) خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات قبل ازیں حاشیے میں بیان کئے جا چکے ہیں۔

(۲) خواجہ عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہ خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۷۵ھ) کے خلیفہ تھے۔ ریوگر مضافات

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۳۱

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ ——— جمعرات

یہ بندہ بارگاہ عالی میں حاضر ہوا۔ میر قمرالدین سمرقندی مدظلہٗ العالی نے بارگاہ عالی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۲) بخارا میں سے ایک گاؤں کا نام ہے۔ حضرات القدس میں ہے کہ آپ نے ۶۱۶ھ میں وفات پائی۔

(۳) خواجہ محمود انجیر فغنوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت بخارا کے نزدیک انجیر فغنہ نامی گاؤں میں ہوئی۔ آپ خواجہ عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ و جانشین تھے۔ ۱۷ ربیع الاول ۷۱۵ھ کو وفات پائی۔

(۴) خواجہ علی رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ کا لقب حضرت عزیزاں ہے۔ آپ کی پیدائش بخارا کے نزدیک رامیتن نامی قصبہ میں ہوئی۔ ۲۸ ذی قعدہ ۷۱۵ھ کو وفات پائی۔ مزار پُرانوار خوارزم میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

(۵) خواجہ محمد بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ رامیتن کے نزدیک سماس نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ خواجہ علی رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ و جانشین ہوئے۔ ۱۰ جمادی الاخریٰ ۷۵۵ھ کو وفات پائی۔ مزار مبارک سماس میں ہے۔

(۶) خواجہ شمس الدین امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ صحیح النسب سید اور سماس کے نزدیک موضع سوخار میں رہتے تھے۔ آپکا پیشہ کوزہ گری تھا جس کو فارسی میں کلال کہتے ہیں۔ ایام جوانی میں آپ کو پہلوانی کا شوق بہت تھا۔ خواجہ محمد بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جوہر قابل کو دیکھ کر مرتبۂ کمال کو پہنچا دیا تھا۔ ۸ جمادی الاولیٰ ۷۷۲ھ کو وفات ہوئی۔ مزار مبارک سوخار میں ہے (۷) خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت بخارا کے نزدیک قصر عارفاں میں ہوئی۔ آپ کی بشارت پیدائش سے پہلے حضرت محمد بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ نے دی تھی اور اپنے خلیفہ سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی روحانی تربیت پورے طور پر کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ دیگر کتنے ہی بزرگوں سے اکتساب فیض کیا اور اویسیت کے طریقے پر بھی مختلف بزرگوں سے بہت کچھ حاصل کرکے کمال کے انتہائی درجے کو پہنچے اور صاحب سلسلہ عالیہ نقشبندیہ قرار پائے۔ گروہ اولیاء اللہ میں آپ کی شان بہت بلند ہے۔ آپ نے ۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ کو بروز دوشنبہ مبارک وفات پائی۔ مزار پُرانوار قصر عارفاں میں ہے۔

میں عرض کی کہ حضرت[1] امام حسن اور حضرت[2] امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب سے ہیں یا زمرۂ تابعین سے۔ اس پہ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ ان کا شمار نوعمر اصحاب میں ہے اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ حدیث روایت کی ہے :۔

دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُکَ — اُس چیز کو چھوڑ دے جو تجھے شک میں ڈالے۔

نیز وہ دعائے قنوت جو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب میں پڑھی جاتی ہے۔ اُس کی بھی سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے انہوں نے روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَ عَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَ تَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَ بَارِکْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ	اے اللہ! مجھے ہدایت دے اُن لوگوں میں جن کو تُو نے ہدایت دی اور عافیت دے ان لوگوں میں جن کو تو نے عافیت دی اور دوست رکھ

[1] سبطِ رسول، حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی ولادت باسعادت ۳ھ / ۶۲۴ء میں ہوئی۔ آپ کا نام خود سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے رکھا تھا۔ آپ سر سے ناف تک اپنے ناناجان کے مشابہ تھے۔ فضل و کمال کے پیکر اور جوانانِ جنّت کے سردار ہیں۔ جو خوبیاں ہونی لازم ہیں آپ اُن سب سے مزیّن تھے۔ کسی کی کیا مجال کہ آپ کے اوصاف بیان کر سکے جو رحمتِ دو عالم کی نگاہوں کا پروردہ، علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا لختِ جگر اور خاتونِ جنّت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نورِ نظر ہو۔ اس کے مقام کا اندازہ کرنا ہر کسی کا کام نہیں۔ آپ نے ۵ ربیع الاوّل ۵۰ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۶۷۰ء کو وفات پائی۔

[2] سبطِ رسول، شاہِ گلگوں قبا، حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی ولادت باسعادت ۴ھ / ۶۲۵ء میں ہوئی۔ نام ناناجان نے رکھا۔ ناف سے پیروں تک فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مشابہ تھے۔ تمام کمالات میں امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مشابہ تھے۔ میدانِ کربلا کے اندر ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ / ۶۸۰ء کو یزیدی لشکر نے آپ کو شہید کر دیا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ بھی جوانانِ جنّت کے سردار ہیں اور راکبِ دوشِ پیمبر۔

وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ فَاِنَّکَ تَقْضِیْ	اُن لوگوں میں جن کو تو نے دوست رکھا
وَ لَا یُقْضٰی عَلَیْکَ وَ اِنَّہٗ	اور مجھے برکت دے اُس چیز میں جو تو نے
لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَ لَا	عطا فرمائی اور مجھے اس چیز کے شر سے بچا.
یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ تَبَارَکْتَ	جس کا تو نے فیصلہ فرمایا. بیشک فیصلہ تو کرتا
رَبَّنَا وَ تَعَالَیْتَ اَسْتَغْفِرُکَ	ہے تیرا فیصلہ نہیں کیا جاتا اور جسے تو دوست
وَ اَتُوْبُ اِلَیْکَ .	رکھے وہ ذلیل نہیں ہوتا اور جسے تو دشمن
	رکھے وہ عزت نہیں پاتا. اے ہمارے رب
	تو برکت والا اور بلند ہے. میں تجھ سے گناہوں
(الحدیث)	کی معافی چاہتا اور تیری جانب رجوع کرتا ہوں

مذکورہ دونوں حدیثوں کی روایت حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آئی ہے
اس کے بعد مرشدِ برحق نے فرمایا کہ حضرت فاطمۃ الزہرہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث کی کم
روایتیں آئی ہیں. اس کا سبب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وہ چھ مہینے
سے زیادہ زندہ نہیں رہی تھیں اور کاشفِ اسرارِ تحقیق، حضرت ابوبکر صدیق[2] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

---

[1] اسم گرامی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا، زہرہ اور بتول لقب اور خاتونِ جنت منصب ہے. آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے چھوٹی بیٹی اور جگر گوشہ تھیں. فضل و کمال، علم و عرفان اور عزت و حرمت کی منہ بولتی تصویر تھیں. علی المرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کا نکاح ہوا. امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی والدہ محترمہ تھیں. ۱۱ھ میں وصال فرمایا.

[2] حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم گرامی عبداللہ اور لقب صدیق و عتیق تھا. آپ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ کے تقریباً دو سال بعد پیدا ہوئے. مردوں میں سب سے پہلے آپ ایمان لائے اور رفاقت کا حق ادا کیا. یارِ غار ہی کیا اب بھی پہلو میں آرام فرما ہیں. خلیفۂ اوّل مقرر ہوئے اور ۲۲ جمادی الاٰخریٰ ۱۳ھ میں وصال فرمایا.

بھی حدیث کی روایات اسی لئے کم ہیں کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد وہ سوا دو سال سے زیادہ رونقِ افزائے دہر نہیں رہے تھے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو کثرت کے ساتھ احادیث مروی ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے عمرِ دراز پائی تھی۔ ایک روز سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا کہ اپنی چادر پھیلاؤ۔ انہوں نے چادر پھیلا دی۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تین مرتبہ دونوں ہاتھوں سے نور بھر کر اس میں ڈالا اور فرمایا کہ اسے اپنے سینے سے مل لو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم کی تعمیل کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی قوتِ حافظہ عطا فرمائی کہ کوئی چیز بھولتی ہی نہ تھی۔ چنانچہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے سات ہزار پانچ سو احادیث روایت کی ہیں۔

پس عرض کی گئی کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ توجہ اور ہمت ڈالنا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی مروی ہے۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ اس حدیث سے القا کا ثبوت ملتا ہے کہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے میں حافظہ القا فرمایا لیکن اس ہمائے اوجِ رسالت اور عنقائے قافِ قربت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہمت ڈالنے کا ثبوت دوسری حدیث سے ظاہر و باہر ہے۔ جو یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں خطرۂ جہالت آیا۔ سیدالمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بطریقِ ہمت اپنا دستِ مبارک اُن کے سینے پہ مارا۔ تو فوراً ان کے دل سے وہ خطرہ دور ہو گیا اور ان کے سینۂ بے کینہ کی لوح سے وہ نقشِ باطل محو ہو گیا اور پکار اُٹھے۔ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلَی اللّٰہِ فَرْقًا (گویا میں اللہ کی طرف واضح طور پہ دیکھ رہا ہوں)

سیدِ اولادِ آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے دیگر اصحاب کے خطراتِ ماسویٰ دفع کرنے کی خاطر اپنا وہ دستِ مبارک جو رشکِ یدِ بیضائے موسیٰ علیہ السلام تھا۔ اُن کے سینے سے ناف تک پھیرا اور ہمت کا اثر یہاں تک ظاہر فرمایا کہ ساری زندگی ان کے سینۂ بے کینہ میں کوئی

خطرہ نہ آیا۔

حضورِ فیض گنجور میں شیخ طاہر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۰ء) کا ذکر آیا جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء سے تھے۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ شیخ طاہر رحمۃ اللہ علیہ شانِ عظیم اور رتبۂ فخیم رکھتے ہیں۔ اکثر اوقات انہیں الہام ہوتا کہ اے طاہر! کہہ دے کہ میرا قدم اولیاء اللہ کی گردن پر ہے۔

اس کے بعد مرشدِ گرامی قدر نے فرمایا کہ ایک روز حضرت مجدد الفِ ثانی قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہ السامی حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ازراہِ مکاشفہ آپ پر شیخ طاہر کے احوال ظاہر ہوئے فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس حلقہ کے حاضرین میں سے کسی ایک کی گردن میں طوقِ ضلالت ڈالا جائے گا اور وہ راہِ ہدایت وصراطِ ارشاد سے برگشتہ ہو کر خود کو کفر کے بیابان میں پھینک دے گا۔ عیاذاً باللہ سبحانہ، من ذالک ـــــ اور میں نے اس کی پیشانی پر لفظ "ہوا لکافر" لکھا ہوا دیکھا ہے۔ پس وہ یارانِ حلقہ جنہوں نے گوشِ اخلاص میں حلقۂ بندگی ڈالا ہوا تھا اور وہ مرید جنہوں نے ارادت مندی کے میدان میں تابعداری کے گھوڑے دوڑا رکھے تھے، وہ اس سرکش مرید کے انجام سے ڈرے اور ایمان ضائع ہونے کی سخت وعید سے کانپ اُٹھے۔

آخر کار عرض گزار ہوئے کہ ہم میں سے ہر ایک اس بات کو سن کر سخت خوف زدہ ہے اور اس رنج والم سے غمناک ہے۔ ہر ایک چشم براہ ہے کہ نگاہِ عنایت فرماتے ہوئے اس ناامیدی کے بھنور سے ساحلِ امن وامان پر لگایا جائے۔ ہم میں سے جس کا انجام بُرا ہے اور دریائے بلا کی گہرائی میں پڑا ہوا ہے۔ اور جو آدمی ہم میں سے ناسزا کردار کے باعث مصیبت کی گہرائی میں غوطہ زن ہے۔ ارشاد فرمائیں کہ وہ بدبخت کون ہے اور اس کا نام کیا ہے؟ جب اس کا انجام بتایا ہے تو نام بھی بتا دیجیے۔

پس واقفِ اسرارِ رحمانی، حضرت مجدد الفِ ثانی قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہ السامی نے فرمایا کہ وہ

شخص شیخ طاہر لاہوری ہے۔ احباب حیران ہوئے کہ ایسا شخص جو طہارت کا پوست نہیں بلکہ مغز ہے وہ گمراہی کے راستے پر گامزن ہوگا اور اجالے کو چھوڑ کر اندھیرے میں چلا جائے گا۔

چند روز کے بعد دیکھا گیا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے فرمانے کے موجب واقع ہوگیا یعنی شیخ طاھر اسلام کی طہارت کو کفر کی خباثت سے تبدیل کر کے مرتد ہوگیا اور اپنی گردن میں زنار پہن لیا ——— چونکہ شیخ طاہر لاہوری اس وقت حضرتین (خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم) کے اُستاد تھے۔ صاحبزادوں نے عرض کی حضور! توجہ فرمایئے کہ شیخ طاہر لاہوری دوبارہ مشرف بہ اسلام ہوجائیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوجہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ ان کے متعلق لوحِ محفوظ پر بھی ہُوا رکافر لکھا ہُوا[1] ہے۔ اس کے بعد حضرت نے جناب الٰہی میں بڑی عاجزی کے ساتھ عرض کی کہ یا الٰہی حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے فرمایا ہے کہ قضائے مبرم پر میرے سوا کسی کی دسترس نہیں ہے۔ نیز فرمایا ہے کہ اَلرَّجُلُ مَنْ یُّنَازِعُ الْقَدْرَ لَا مَنْ یُّوَافِقُہٗ (جب تُو نے اپنے دوستوں میں سے ایک کو اس بزرگی سے مشرف فرمایا ہے تو میں بھی

[1] اس واقعہ کو قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۲۵ھ ر ۱۸۱۰ء) نے آیۂ کریمہ یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ ....کی تفسیر میں بھی مفصل بیان کیا ہے جس کے آخری حصے کو ہم اپنے لفظوں میں پیش کرتے ہیں:

"مجدد صاحب نے فرمایا کہ مَیں نے لوحِ محفوظ میں دیکھا تو اس میں یہ (شقاوت) قضائے مبرم تھی جس کا بدلنا ممکن نہیں، جب معزز صاحبزادوں نے دعا کی پرزور التجا کی تو مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے سید محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کا یہ ارشادِ گرامی یاد آیا کہ میری دعا سے قضائے مبرم بھی بدل جاتی ہے، اس کے پیش نظر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض گزار ہُوا کہ اے اللہ! میں تیری ذات سے پُرامید ہوں اور تیرا فضل کسی ایک پر محدود نہیں ہے میں تیرے فضلِ عمیم کا سوال کرتا ہوں کہ مُلّا طاہر کی پیشانی سے شقاوت کا لفظ مٹانے کے بارے میں میری دُعا کو قبول فرما پس شقی کا لفظ مٹ گیا اور اُسکی جگہ سعید لکھا گیا اور یہ اللہ تعالیٰ کیلئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے (تفسیر مظہری جلد پنجم صفحہ ۲۰)۔

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

امیدوار ہوں کہ میرے واسطہ سے اس مصیبت کو دور فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور شیخ طاہر کو نہ صرف دوبارہ اسلام کا شرف بخشا بلکہ ولایت خاصہ سے مشرف فرما دیا اور اپنا خاص امتیازی قرب مرحمت فرما دیا۔

اس کے بعد مرشد برحق نے فرمایا کہ تقدیر کی تین قسمیں ہیں :- ایک تقدیر معلق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دعا یا دوا کے ساتھ معلق رکھا ہوا ہے۔ دوسری تقدیر مبرم ہے کہ وہ کسی بات پر موقوف نہیں ہے جس طرح لکھا ہوا ہے اسی طرح واقع ہو گا۔ تیسری قسم وہ ہے جو علم الٰہی جل شانہ، میں ہے لیکن لوح محفوظ میں اس کا معلق یا مبرم ہونا نہیں لکھا اس میں اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کو عرض کرنا روا ہے اور قول اَلرَّجُلُ مَنْ یُّنَازِعُ الْقَدَرَ لَا مَنْ یُّوَافِقُہٗ (جو شخص تقدیر کے بارے میں جھگڑتے ہیں وہ اُس کے مانند نہیں جو موافقت کرتا ہے) اسی تیسری تقدیر کے بارے میں ہے۔

مرشد گرامی قدر نے یہ بھی فرمایا کہ ایک روز میں حضرت پیر و مرشد رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ منورہ میں بیٹھا تھا کہ سلسلہ عالیہ چشتیہ کی نسبت کی جانب متوجہ ہوا۔ دیکھا کہ جناب حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہ السامی تشریف لے آئے اور فرمایا کہ اے صاحب! جو نسبت حضرت خواجہ باقی باللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے پہنچی ہے اس کی جانب متوجہ ہونا چاہیئے اور اسی کے ساتھ مشغولیت رکھنی چاہیئے۔

مُرشد برحق نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت قبلہ مرزا صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں کہ حضرت غوث اعظم[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے چار حضرات سے بیعت کی تھی جن میں سے

---

[1] حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس جگہ بار بار غوث الاعظم کا لفظ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے استعمال کیا ہے اس کتاب میں اور بھی کتنے ہی مقامات پر یہ لفظ ان کی شان میں استعمال کیا گیا ہے اور دیگر بزرگان دین نے اپنی تصانیف عالیہ میں ایسا ہی لکھا ہے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مجھے تین بزرگوں کا علم ہے۔ ایک ان کے والد ماجد حضرت شیخ ابوصالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ دوسرے شیخ ابوسعید مخزومی قدس سرہٗ ہیں۔ ——— تیسرے حضرت حماد دباس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کُپّہ ساز تھے اور ان کی کرامتوں میں سے ایک کرامت یہ بھی ہے کہ ان کے کپوں پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی۔

ایک روز کوئی آدمی حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوا اور تجارت کے لئے سفر کرنے کی اُن سے اجازت مانگی۔ انہوں نے فرمایا کہ تجھے یہ ارادہ ترک کر دینا چاہیئے کیونکہ اس سفر میں تیرا جانی و مالی نقصان نظر آتا ہے۔ اس کے بعد وہ شخص حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور آپ سے سفر کی اجازت مانگی۔ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت مرحمت فرما دی۔ چنانچہ وہ آدمی سفرِ تجارت پر روانہ ہو گیا۔ جب اس سفر سے واپس لوٹ رہا تھا تو راستے میں اس نے خواب دیکھا کہ

کہ ڈاکوؤں نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے اور تمام مال و اجناس اور نقدی وغیرہ چھین لی ہے اور اسے بھی تلواروں اور تیروں کے زخموں سے مجروح کر دیا ہے جب وہ خواب سے بیدار ہوا اور جان و مال کو اس نے سلامت پایا تو منزلوں پر منزلیں طے کرتا ہوا بخیر و عافیت اپنے گھر واپس لوٹ آیا۔ اس کے بعد وہ آدمی حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا (اور ان کی خدمت میں سارا ماجرا عرض کیا) تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قضا کو دُعا سے رد کر دیا تھا اور جو واقعہ بیداری کی حالت میں واقع ہونا تھا اسے خواب کی حالت میں تبدیل کر دیا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لیکن وہابی حضرات ایسا کرنے کو شرک قرار دیتے ہیں اور ان کا ایک سرغنہ تو تقریری اور تحریری طور پر یہی کہتا ہے کہ غوثِ اعظم تو صرف اللہ جل شانہٗ ہے اور لفظ غوثِ اعظم لکھ کر جل جلالہٗ لکھنے کا التزام کرتا ہے بزرگوں کے متفقہ نظریات و معمولات کو شرک قرار دینا بہت بڑی جسارت اور روحِ اسلام سے ناآشنا ہونے کی دلیل ہے

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک روز حضرت حمّاد رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پُرانوار پہ بیٹھے تھے کہ اچانک ان کے چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہوگیا اور انہوں نے دُعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر بارگاہِ خداوندی میں تضرّع و زاری کے ساتھ مانگنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کا چہرۂ مبارک اپنی اصلی حالت پہ آگیا اور آپ نے حضرت حمّاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رُوح پُر فتوح پہ فاتحہ پڑھی۔

ایک شخص نے اس واقعے کے انکشاف کی درخواست کی۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک روز حضرت حمّاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سخت سردی کے دنوں میں مجھے ایک پانی سے بھرے ہوئے حوض میں دھکیل دیا تھا۔ ٹھنڈے پانی کے باعث میرا جسم بہت ٹھنڈا ہوگیا تھا۔ میرے ہاتھ میں ایک کتاب تھی جو اوپر ہاتھ اٹھا کر میں نے بھیگنے سے بچالی تھی جب میں پانی سے باہر نکلا تو حضرت حمّاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہاری تمکنت دیکھنا چاہتا تھا اور اسی امتحان کی وجہ سے تمہیں پانی میں دھکیلا تھا ــــــ آج حضرت حمّاد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس ہاتھ سے میں نے تمہیں پانی میں دھکیلا تھا وہ خشک ہوگیا ہے۔ تم دُعا کرو کہ میرا ہاتھ درست ہو جائے۔ میں نے ان کے حق میں دُعا کی اور پانچ سو اولیاء اللہ نے بھی دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔ الحمدللہ کہ دعا کو شرفِ قبولیت حاصل ہوا اور ان کا ہاتھ درست ہوگیا ہے۔

لہ اللہ اللہ، اولیاء اللہ کی نگاہوں کا یہ عالم ہے کہ مزار پہ بیٹھ کر صاحب مزار کی حالت دیکھ لیتے ہیں گفتگو کر لیتے ہیں۔ ان سے بھی مدد مانگتے ہیں اور ضرورت پڑے تو حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح اُن کی مشکل کُشائی بھی کر دیتے ہیں۔ اولیاء اللہ کی روحانیت کا انکار کرنیوالے چشم بصیرت سے محروم اور اس کوچے سے نابلد ہیں۔ نیز تصرّف و استمداد وغیرہ کا انکار بھی وہ اسی محرومی کے باعث کرتے ہیں، کیونکہ:

آنکھ والا ترے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا نظر آئے، کیا دیکھے

اِس حیرت انگیز واقعہ کو سُن کر کتنے ہی لوگوں نے اس کی صحت کا انکار کر کے زبان طعن دراز کرنا شروع کر دیا اور کہنے لگے کہ یہ تو اپنے تصرفات کو اپنے پیر کے حق میں بھی جاری کرتا ہے۔ جب حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اس اِنکار پر مطلع ہوئے تو فرمایا کہ حضرت حمّاد دباس رحمۃ اللہ علیہ چالیس روز کے اندر خود اس واقعے کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیں گے اچانک حضرت حمّاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک خلیفہ دُور دراز کا سفر کر کے آیا اور فرمایا کہ میرے پیر و مُرشد نے فرمایا ہے کہ جو کچھ عبد القادر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہہ رہے ہیں وہ درست ہے۔

اِس کے بعد مرشدِ برحق نے دوستوں کی جانب توجہ فرمائی اور حلقہ و مراقبہ میں مشغول ہو گئے اِسی حلقہ میں آپ نے برخوردار میاں احمد سعید طال عمرہٗ کی جانب نظر فیض اثر فرمائی اور اخوان صاحب سے فرمایا کہ انہیں فوق (بلندی) کی جانب توجہ زیادہ کرنی چاہیئے۔ اخوان صاحب نے عرض کیا کہ حضور توجہ فرمائیں تاکہ ان کے لطائفِ خمسہ باہم متحد ہو جائیں۔ مرشدِ گرامی قدر نے فرمایا کہ یہ تو ایک ہو جاتے ہیں لیکن صرف ایسا ہونے سے کوئی آدمی مجدّدی نہیں ہو جاتا کیونکہ مجدّدی تو اس وقت ہوتا ہے جبکہ اس نسبت کے کمالات پیدا کرے۔

۳۲

۱۳ر جمادی الاُولیٰ ۱۲۳۱ھ ——— جمعۃ المُبارک

بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ جذبہ اسم ذات سے پیدا ہوتا ہے اور راہِ سلوک کا کشف نفی و اثبات یعنی اسمِ مُبارک اللہ اللہ مذکورہ طریقے پر دل سے کہنا جذبہ کا ممد و معاون ہوتا ہے اور کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ راہِ سلوک کا کھولنے والا ہے۔

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت مجدّد الفِ ثانی قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہٖ السّامی سے پہلے وقوفِ قلبی اور خطرات کی نگہداشت تھی اور اسمِ ذات کا طریقہ موجودہ نہج پر نہ تھا چنانچہ میرے پیر و مرشد رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اسمِ ذات کی تلقین نہیں فرمائی تھی بلکہ وقوف

قلبی اور نگہداشت پہ اکتفا فرمائی تھی۔ لیکن چونکہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکتوبات شریفہ میں اسم ذات کی تلقین واضح طور پہ فرمائی گئی ہے تو میرا معمول بھی یہی ہو گیا ہے اور یہ سالک کے لئے مفید ہے نیز اس میں جذبے کا حصول زیادہ ہے۔

مرشدِ گرامی قدر نے یہ بھی فرمایا کہ بچوں کو ابتدا میں حروف مفردات سے پڑھانا شروع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ الف زبر آ ، الف زیر اِ ، الف پیش اُ ——— اِس کا مطلب یہ ہے کہ بالا اِس طرح ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کے حضور زیر یعنی پست ہو جائے۔ اِس کا حاصل یہ ہے کہ اپنی انانیت چھوڑ کر بالا ہو جا کیونکہ خدا کے حضور انانیت نہیں چلتی جب تک اپنے آپ کو فنا نہیں کرے گا۔ اس وقت تک بارگاہِ قدس میں باریابی نہیں ہوگی۔ جب تک ہستی باقی ہے تو اسے نیستی سمجھنا چاہیئے اور جب نیستی حاصل ہو جائے تو وہ عین ہستی ہے۔

۳۳

۱۴ / جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ ——— ہفتہ

یہ غلام اپنے قبلۂ انام کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ ایک بزرگ کو حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز کے لئے بیدار کیا۔ اس بزرگ نے فرمایا کہ آپ کو میری نماز سے کیا سروکار ہے؟ حضرت خضر نے فرمایا کہ آپ اُٹھ کر میرے لئے دُعا فرمائیں۔ اس بزرگ نے فرمایا کہ آپ میرے حق میں دُعا کریں۔ پھر میں دُعا کرونگا۔ حضرت خضر نے کہا کہ آپ ہی دُعا فرمائیں۔ اُس بزرگ نے دُعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس میں آپ کا نصیبہ (حصّہ) زیادہ فرمائے۔

عہ
یہاں ہونا نہ ہونا ہے نہ ہونا عین ہونا ہے
جسے ہونا ہو کچھ، خاکِ درِ جاناں ہو جائے (بیدم)

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ اولیاء اللہ کا کمال حضور و آگاہی اور بے خطرگی ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ آخر کار انتظار ہے اور انجام کار انتظار، جیسا کہ حضرت مجدد الفِ ثانی قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہٗ السّامی نے فرمایا ہے کہ انتظار بھی نہ رہے کمال تو یہ ہے، جیسا کہ علم حضوری کے وقت انتظار بھی فنا ہو جاتا ہے اور کمال قرب میں انتظار نہیں رہتا۔ مثلاً" ایک آدمی اپنے ہاتھ کو پیٹھ کے پیچھے سے اپنے چہرے کے سامنے لائے تو اس میں انتظار ہے اور جب آنکھ کی پُتلی پر رکھ لیتا ہے تو انتظار اور مشاہدہ نہیں رہتا۔

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ ہر شخص کو اپنے نفس کا بخوبی علم ہوتا ہے لیکن اپنے علم کا علم نہیں ہوتا اور یہ بھی فرمایا کہ حضرت شیخ آدم بنوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے پیر و مرشد حضرت مجدد الفِ ثانی قدسنا اللہ تعالیٰ لبسرہٗ السّامی کے احوال میں لکھا ہے کہ اکابرانِ طریقت کی توجہ سے سالک کے دل میں توجہ پیدا ہو جاتی ہے لیکن میرے پیر و مرشد کی توجہ سے دل میں توجہ کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ غور تو فرمائیے اِن دونوں میں کتنا فرق ہے۔

اسی سلسلے میں یہ بھی مرشدِ برحق نے فرمایا کہ حدیث شریف ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی پیدائش سے پہلے سفید بادلوں کے پردے میں تھا۔ تو (معرفتِ الٰہی کی) دولتِ عظمیٰ اور موہبتِ کبریٰ حصولِ کمالات کے ساتھ میسر آ جاتی ہے۔

۳۴

۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۲۳۱ھ ——— اتوار

حضور فیض گنجور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ آیہ کریمہ:۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (جس نے رسُول کی اطاعت کی بیشک اُس نے اللہ کی اطاعت کی پارہ) اِس سے طریقت کے بعض اکابر نے، جو توحیدِ وجودی کے قائل ہیں۔ اپنے لئے یہ سند پکڑ لی ہے۔ یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو خدا تعالیٰ کی ذات کا عین سمجھ کر وحدت وجود کے قائل ہیں لیکن ہمارے نزدیک اِس

آیۂ کریمہ سے یہ مشرب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو بھی (احکامِ خداوندی کے سلسلے میں) ارشاد فرمایا۔ خواہ وہ اوامر ہوں یا نواہی، سب خداوندِ قدوس کی طرف سے نازل ہوئے۔ پس رسُول کی اطاعت کرنا عین خدا کی اطاعت ہے (کیونکہ احکام سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے آئے ہیں اور اُن کی اشاعت زبانِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہوئی ہے)

لیکن جو احکام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خاطر نازل فرمائے گئے۔ اُن کی دو قسمیں ہیں۔ بعض احکام وحیِ جلی کے ذریعے نازل فرمائے گئے اور وہ قرآن کریم کی آیاتِ مبارکہ ہیں اور بعض احکام وحیِ خفی کے ذریعے قلبِ مصطفےٰ پہ نازل فرمائے گئے جبکہ اُن کو حدیثِ قدسی کہتے ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو کچھ بھی (متعلقہ دین) ارشاد فرمایا وہ حق سُبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمایا ہوا ہوتا ہے

اِس مقام پہ آپ نے یہ واقعہ بھی بیان فرمایا کہ ایک روز حضرت سلطان ابُوسعید ابُوالخیر قدس سرہٗ کی مجلس میں اہلِ شہر کا مجمع لگا ہوا تھا۔ اس مجمع میں اولادِ رسُول سے ایک سید صاحب تشریف فرما تھے۔ اسی اثنا میں ایک مغلوب الحال مجذوب آ گئے۔ حضرت شیخ نے اُس مجذوب کو سید صاحب پر مقدم رکھا۔ سید صاحب کو اُن کی یہ حرکت ناپسند ہوئی حضرت شیخ نے اُن سید صاحب کی جانب مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ کی تعظیم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے باعث ہے اور اس مجذوب کی تعظیم اللہ تعالیٰ کے سبب ہے (چونکہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے ذاتِ باری تعالیٰ مقدم ہے) لہٰذا بایں وجہ مجذوب کو آپ سے مقدم رکھا ہے ——— مُرشدِ برحق (حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے تو یہ توجیہ پسند نہیں کیونکہ اس مجذوب نے جتنا بھی کمال حاصل کیا آخر وہ سب کچھ حبیبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا صدقہ ہے اور بغیر توسّطِ سرورِ کون مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے کسی شخص کے لئے ذاتِ باری تعالیٰ تک پہنچنے کی کوئی راہ

نہیں ہے۔

؎ محال ست سعدی کہ راہِ صفا
توان رفت جُز در پئے مُصطفٰےؐ

اسی موقع پر آپ نے فرمایا کہ میرے پیرو مرشد، حضرت مجدد الفِ ثانی رضی اللہ تعالٰی عنہ، فرماتے ہیں کہ بحالتِ نماز بوقتِ قیام نگاہ کو سجدے کی جگہ رکھنا عمل مسنون ہے اور یہ عمل اُن چند تعیّنات سے زیادہ مفید ہے جو سنّت کے موافق نہیں ہوتے اور یہ بھی فرمایا کہ تمام خواجگان کا طریقہ اگرچہ اِتباع سنّت ہے لیکن حضرت شاہ نقشبند رضی اللہ تعالٰی عنہ، سے اِس عمل کی پوری پابندی واقع ہوئی ہے اور حضرت مجدد الفِ ثانی رضی اللہ تعالٰی عنہ اسی اتباعِ سنّت کے طریقے کو شائع و رائج فرمایا تھا۔

۳۵

۱۶، جمادی الاُولیٰ سنہ ۱۲۳۱ھ ——— پیر

احقر حضورِ فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے ارشاد فرمایا کہ قدیم بزرگوں کے نزدیک فنا سے مراد بے شعوری ہے اور فنا الفنا سے مراد یہ ہے کہ بے شعوری کا بھی شعور نہ رہے۔ یعنی جب دل میں ماسوی اللہ کا عدم شعور ہوگا تو فنا حاصل ہو گئی اور جب بے شعوری کا بھی شعور نہ رہے تو یہی فنا الفنا ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بھی یہی فرمایا ہے اور سالک کو طریقے کی اجازت دینے کا یہی مقام مقرر فرمایا ہے۔ اس کے بعد شیرینی منگائی گئی اور مولوی شیر محمد صاحب کو طریقے کی اجازت مرحمت فرما کر خرقہ و کلاہ مُبارک پہنائی گئی۔

و فاتحہ بارواحِ بزرگانِ طریقۂ علیہ	اور اس سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگوں
نقشبندیہ خواندہ استمداد از پیرانِ	کی ارواح مقدسہ کے لئے فاتحہ پڑھکر
خواستند و بسیار دعا در حق ایشاں	

خواستند و بسیار دعا در حق ایشاں نمودند۔ (ص ۵۴)	اپنے پیروں سے استمداد کی (مدد مانگی) اور اِن کے حق میں خوب دُعا کی۔

اسی اثنا میں مرشدِ برحق نے فرمایا کہ سلسلہ عالیہ مجددیہ میں اجازت دینے کا ادنیٰ محل تصفیۂ قلب کے بعد ہے یعنی جب دل میں حضور و آگاہی اور بے خطرگی پیدا ہو گئی تو سالک تلقین طریقہ کی اجازت کے قابل ہو گیا۔ اس کے بعد لطیفۂ نفس کے تزکیہ کے بعد درمیانے درجے (محل اوسط) میں اجازت ہے۔ چنانچہ میں اکثر سالکوں کو تزکیۂ نفس کے بعد طریقے کی اجازت دے دیتا ہوں۔ اس کے بعد جب سالک کمالات کی نسبت پیدا کر لیتا ہے تو خلافت کے قابل ہو جاتا ہے۔

پس اجازت کا پہلا محل قلب ہے اور دوسرا نفس اور تیسرا نسبت کے کمالات کا حصول۔ بعض اوقات کامل مرشد اُن سالکوں کو بھی طریقے کی اجازت مرحمت فرما دیتے ہیں جو درجۂ کمال کو نہ پہنچے ہوں۔ چنانچہ خواجۂ خواجگان خواجہ بہاءالدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا نے حضرت مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو طریقے کی اجازت عطا فرما دی تھی اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ایسے اعمال ہیں جو اللہ والوں میں ہمیشہ رائج رہے ہیں۔ جو اولیاء اللہ کو اپنے بزرگ اور ولیٔ نعمت مانتے ہیں وہ ان سے مانگتے رہے ہیں اور ہمیشہ مانگتے رہیں گے لیکن جن لوگوں کی اولیاء اللہ سے بنتی ہی نہیں ہے وہ مانگیں بھی تو کس منہ سے مانگیں اور کفر و شرک ٹھہراتے ہوئے اگر بادلِ ناخواستہ مانگ بھی بیٹھیں تو اپنے مخالفین کو دیتا کون ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مقبول بندوں کے طریقے پر ہی ثابت قدم رکھے اور ان کے ساتھ ہی ہمارا حشر و نشر فرمائے، آمین۔

؎۲ خواجہ محمد یعقوب چرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا شمار حضرت خواجہ بہاءالدین نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اصحاب میں ہے لیکن آپ کی تکمیل چونکہ خواجہ علاؤالدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذریعے ہوئی اس لئے ان کے ہی خلفاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ پیدائش غزنی کے نزدیک موضع چرخ میں ہوئی۔ ظاہری و باطنی کمالات سے مرتفع ہو کر جلوہ گر ہوئے۔ ۵ صفر المظفر ۸۵۱ھ میں وفات پائی۔

حکم دیا تھا کہ جو کچھ مجھ سے پایا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دے۔ پس حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد ان کا کام حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے انتہا کو پہنچا تھا ——— مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ آج کسی نے پردۂ غیب سے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنّا کی نیاز جلد از جلد دلائی چاہیئے پس شیرینی منگا کر نیاز[2] دلائی گئی۔

۳۶

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۱ھ منگل

یہ غلام قبلۂ خاص و عام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق قلبی و روحی فداہ نے فرمایا کہ حضرتِ غوث الاعظم، محبوب سبحانی، شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی نوعمر تھے کہ اس زمانے میں بغداد کے اندر ایک عارفِ کامل اور غوثِ وقت رہتے تھے جو کسی لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہو جاتے اور کبھی نظر آتے۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی زیارت کے لئے رضائے الٰہی کی خاطر نکل کھڑے ہوئے۔ اثنائے راہ میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ آپ نے فرمایا کہ فلاں بزرگ کی زیارت کے لئے۔ اس نے کہا کہ میں بھی اس بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں تاکہ اس کے کمال کا امتحان لوں۔ ایک شخص ابن سقہ بھی راستے میں ملا اور کہنے لگا کہ میں بھی تم دونوں

---

[1] خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش رمضان المبارک ۸۰۶ھ میں ہوئی۔ ظاہری و باطنی علوم میں خوب کمال حاصل کیا لیکن ظاہری پہ باطنی اور قابل پہ حال نے غلبہ پا لیا۔ کسب فیض میں سعی بلیغ فرمائی اور کمال کے اس درجے تک رسائی ہوئی کہ خلاصۂ روزگار اور مرجع خاص و عام ہو گئے۔ ۲۹ ربیع الاول ۸۹۵ھ میں وفات پائی۔

[2] اپنے بزرگوں کی بارگاہ میں نذر نیاز پیش کرنا اور فاتحہ خوانی کرنا بزرگوں کا ہمیشہ معمول رہا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

کے ساتھ اس بزرگ کے پاس چلتا ہوں اور ایسا مسئلہ پُوچھونگا کہ اُن سے جواب بن نہیں پڑیگا۔

جب حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اُن دونوں کے ساتھ اس بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس مردِ حق آگاہ نے فرمایا کہ یہ دونوں شخص جنہیں آپ میرے پاس امتحان کے لئے لائے ہیں تو تمہارا مسئلہ یہ ہے اور اس کا جواب یہ ہے۔ دونوں میں سے ہر ایک کا سوال بھی خود بتا دیا اور جواب بھی۔ اس کے بعد ایک آدمی سے فرمایا کہ تو دنیا کی محبت میں غرق ہو کر رہ جائے گا۔ پس یہی کچھ ہوا اور دوسرے سے فرمایا کہ تیرا ایمان سلب کر لیا گیا ہے اتفاقاً اس شخص نے ایک مالدار نصرانی کی لڑکی سے عقد کر کے نصاریٰ کا مذہب اختیار کر لیا۔ بوقتِ نزع اس سے پوچھا گیا کہ تُو عالمِ دین اور حافظِ کلام الٰہی تھا۔ کیا تجھے اس میں سے کچھ یاد ہے؟ کہنے لگا سب کچھ میرے دل سے نکل چکا ہے، ہاں ایک آیت یاد رہ گئی، جو یہ ہے رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ (بڑی تمنا کریں گے اُس روز کافر، کاش! ہم مسلمان ہوتے) اس کے بعد اُس بزرگ نے حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے فرمایا کہ تم رضائے الٰہی کے لیے یہاں آئے ہو، تمہارا مرتبہ بہت بلند ہوگا اور میں دیکھتا ہوں کہ تم منبر پہ بیٹھ کر یہ کہو گے۔ قَدَمِیْ عَلٰی رَقَبَةِ کُلِّ اَوْلِیَآءِ اللّٰہِ، (میرا قدم سب اولیاء اللہ کی گردن پر ہے) اور مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت حمّاد دباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۳ء) بلکہ اُن کا پورا خاندان بھی فاتحہ خوانی کا قائل تھا اور یہ ان حضرات کا معمول تھا جیسا کہ ان کی تصانیف عالیہ سے صاف ظاہر ہے بلکہ خود بانیٔ وہابیت یعنی مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی (المقتول ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) اس بھی اس کے عامل اور مبلّغ تھے جیسا کہ انہوں نے صراطِ مستقیم کتاب میں کئی مقامات پر اس کا تصریحاً ذکر کیا ہے۔ فاتحہ خوانی کے منکروں کو کم از کم اِن حضرات کا خیال تو رکھنا چاہیئے کہ وہ فاتحہ کے باعث اہلسنّت کو بدعتی بتا کر کہیں اپنے امام یعنی مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی پر بھی بدعتی کا لیبل تو نہیں لگا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سارے مدعیانِ اسلام کو سچی ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین۔

سلہ قربان جائیں اللہ والوں کے علوم و معارف پر، جو نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی سچی غلامی کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ)

غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہی خوشخبری سُنائی تھی ۔

مرشدِ برحق نے فرمایا کہ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی شیر خوار تھے کہ رمضان المبارک کے روزے رکھا کرتے تھے۔ اسی کے بعد دو آدمی آپ کی خدمت میں بیعت ہونے کی غرض سے حاضر ہوئے۔ مرشدِ گرامی قدر نے ایک کو سلسلہ عالیہ قادریہ اور دوسرے کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت کر لیا اور فرمایا کہ میرے اکثر آباؤ اجداد سلسلہ قادریہ سے منسلک تھے۔ میں نے بھی اپنے پیرو مرشد رحمۃ اللہ علیہ سے اسی سلسلے میں بیعت کی تھی لیکن سلوک کی منازل سلسلہ نقشبندیہ کے مطابق طے کی ہیں اور جو شخص کہ طریقۂ عالیہ مجددیہ میں بیعت کرتا ہے خواہ وہ کسی سلسلے سے منسلک ہو یعنی قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ اور سہروردیہ سے، لیکن ذکر و مراقبات اُسے طریقہ نقشبندیہ کے مطابق تلقین فرماتے کیونکہ اکابر کا عمل طریقہ نقشبندیہ پہ ہے ۔

مرشدِ گرامی قدر نے فرمایا کہ طریقہ مجددیہ میں اسرارِ الٰہی کی چار نہریں جاری ہیں۔ اُن میں سے دو نہریں نقشبندیہ میں۔ ایک قادری، نصف چشتی اور نصف سہروردی ——— آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند، حضرت غوث الاعظم محی الدین جیلانی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں سے ہر ایک بزرگ اسرارِ الٰہی کا مصدر اور انوارِ لامتناہی کا مظہر ہے۔ ایک کو دوسرے پہ فضیلت نہیں دینی چاہیئے اور ایک کے کمال کو دوسرے کے کمال سے زیادہ جاننا زیب نہیں دیتا کیونکہ ان بزرگوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) صدقے دلوں کے راز بھی جانتے ہیں۔ اس بزرگ نے تینوں حضرات کی آمد کا مقصد اور تینوں کا انجام بتا دیا اور جو کچھ بتایا اُسی کے مطابق وقوع پذیر ہُوا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بزرگوں کی سچی عقیدت نصیب فرمائے اور ان لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے جو اولیاء اللہ تو کجا خود سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ایسے عوام سے بے خبر بتاتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت بخشے، آمین ۔

کی مثال آئینہ کی مانند ہے جو مختلف رنگوں کے ہوں۔ مثلاً چار آئینے ہوں جن میں ایک سُرخ دُوسرا سبز، تیسرا زرد اور چوتھا سفید۔ ہر ایک میں سُورج کا عکس اپنی تجلّی دکھا رہا ہو اور ایک ہی سُورج کی چمک اُن میں جلوہ گر ہو۔ پس آفتاب کے عکس میں سارے برابر ہیں۔ فرق ہے تو رنگوں میں ہے لیکن آفتاب سے فیض لینے میں ہر ایک دوسرے کے برابر ہے۔

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ جملہ انسانوں کی چار قسمیں ہیں :۔

(۱) وہ نامرد جو دنیا کے طالب ہیں۔

(۲) وہ مرد جو دنیا اور آخرت کے طالب ہیں۔

(۳) وہ مرد جو آخرت اور دیدارِ الٰہی کے طالب ہیں۔

(۴) وہ جوانمرد جو صرف دیدارِ الٰہی کے طالب ہیں۔

یہ حضرات دُنیا و آخرت سے کوئی سروکار نہیں رکھتے چنانچہ ایک بزرگ نے فرمایا ہے :۔

ما در دو جہاں غیر خدا کار نداریم | ما یار بجز حضرت جبّار نداریم
مستانۂ خدائیم سر و پائے برہنہ | حاجت بکسی جُبّہ و دستار نداریم [1]

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ ایک روز مَیں نے مشاہدے کے دوران دیکھا کہ خواجہ بہاء الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مکان میں تشریف فرما ہیں۔ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مکان کے راستے میں تشریف رکھتے ہیں۔ مَیں چاہتا تھا کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔ جب حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تو ادب کے باعث ان کے حضور کھڑا ہو گیا اور (انہیں چھوڑ کر) حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچنا مناسب خیال نہ کیا۔ جب حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] حق کے سوا کسی سے سروکار نہیں ہے | اور اس کے سوا اپنا کوئی یار نہیں ہے
مَیں اس کی محبت میں اگرچہ ہوں برہنہ | مطلوب مجھے جُبّہ و دستار نہیں ہے

نے مجھے دیکھا تو بہت شفقت فرمائی اور فرمایا کہ کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ تم حضرت خواجہ کی خدمت میں چلے جاؤ۔ مَیں خوش ہؤا اور حضرت خواجہ نقشبند کی خدمت میں حاضر ہوگیا مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ اِس طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں محرومی نہیں ہے اور جو ازلی بدبخت ہو اِس طریقے میں داخل نہیں ہو سکتا اور جو اِس طریقے میں داخل ہوگیا وہ محروم نہیں لَوٹے گا۔

۳۷

۱۸ ؍ جمادی الاُولیٰ ۱۲۳۱ھ ——— بُدھ

فدوی خدمتِ عالی میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ پہلا دائرہ جو سالک، پر کھُلتا ہے وہ دائرہ امکان ہے اور اِس میں مراقبۂ احدیت کیا کرتے ہیں ——— دُوسرا دائرہ ولایتِ قلبی کا ہے کہ جسے ولایتِ صُغریٰ کہتے ہیں اور اِس کے دَوران مراقبۂ معیت کرتے ہیں ——— تیسرا دائرہ ولایتِ کُبریٰ کا ہے، جو تین دائروں اور ایک قوس پر مشتمل ہے ولایتِ کبریٰ کے اِس پہلے دائرے میں مراقبۂ اقربیت کرتے ہیں۔ یہ مقام فیضانِ نفس کا مورد ہے اور عالمِ امر کے لطائف اِس کے شریک ہوتے ہیں۔ باقی اڑھائی دائروں میں مراقبۂ محبت کرتے ہیں کہ موردِ فیض اِس جگہ فقط لطیفۂ نفس ہے۔

مرشدِ برحق نے فرمایا کہ اِس عالم میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ معیت، علماء کے نزدیک علمی ہے اور صوفیہ کے نزدیک معیت ذاتی ہے۔ اِس سلسلے میں آپ نے آسمان کی طرف اٹھنے والے گرد باد (بگولے) کی مثال بیان فرمائی کہ وہ خاک ہے کہ بلندی پر ہوا کے ذریعے قائم ہے۔ اِس خاک کے ہر ذرّے کی ہوا کے ساتھ معیت ذاتی ہے، ورنہ مٹی تو بیکار محض ہے اور ہوا کے بغیر اِس کا اوپر اٹھنا غیر ممکن ہے۔ پس ہوا ہے لیکن نظر نہیں آتی اور خاک کچھ بھی نہیں ہے لیکن نظر آتی ہے (غور تو فرمائیے) یہاں فاعل ہوا ہے لیکن نظر نہیں آتی اور نظر میں مٹی ہی نظر آتی ہے لیکن حقیقت میں وہ بے حس و حرکت اور ناچیز ہے۔

اسی طرح رُوح کا معاملہ ہے کہ جسم کو قائم رکھتی ہے اور اس کا ہونا ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس کا وجود ہی نہیں ہے جبکہ جسم جو کچھ بھی نہیں ہے وہ نظر آتا ہے اور جسم کا ہر عضو رُوح کی حرکت ہی سے متحرک ہے، ورنہ جسم تو بیکار محض ہے اور رُوح کی جسم کے ہر حصّے سے معیّت ثابت ہے۔ اسی طرح اللہ جل شانہ، واجب الوجود کی ذات کا معاملہ ہے کہ وہ تمام ممکنات کا قائم رکھنے والا ہے۔ اس واجب تعالیٰ کی تحریک کے بغیر ناممکن ہے کہ ممکنات کا کوئی ذرّہ حرکت کر سکے چونکہ سارے عالم کا قائم رکھنے والا اللہ تعالیٰ ہے، پس اُس کے ساتھ معیّت ذاتی ثابت ہوگئی اور اللہ جل مجدہٗ ہی تمام امور کے حقائق کو بخوبی جاننے والا ہے۔

۳۸

۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۱ھ ـــــ جمعرات

یہ فقیر اُس محفل فیض اکبر میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ ایک شخص پیر ہونے کے قابل اور مسند ارشاد پہ بیٹھنے کے لائق اس وقت ہوتا ہے کہ ضروری مسائل کا علم رکھتا ہو اور صوفیہ کے مقامات عشرہ کا علم اُسے حاصل ہو، جو توکّل، قناعت، زُہد اور صبر وغیرہ ہیں اور دنیا دار لوگوں کی صحبت سے اجتناب کو ضروری قرار دے اور مشائخ کرام کی صحبت کا فیض یافتہ ہو اور صاحب کشف ہو یا ماسوی اللہ کے خطرے سے پاک ہونے کا ادراک رکھتا ہو۔ اس کا ظاہر شریعت مطہرہ سے آراستہ اور باطن طریقت سے پیراستہ ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں اپنا کیا حال ظاہر کروں جو عرفی کے اس مقولہ کے مطابق ہے[1]۔

بزمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا برآمد	کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی
بطوافِ کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند	کہ برونِ در چہ کردی کہ درونِ خانہ آئی

[1] جب مَیں نے زمین پر سجدہ کیا تو زمین سے یہ ندا آئی کہ تو نے ریاکاری کے سجدے سے مجھے خراب کیا ہے۔ جب میں کعبہ کا طواف کرنے گیا تو مجھے حرم کی راہ نہ دکھائی گئی کہ گھر سے باہر تو کیا کرتا رہا ہے۔ اب گھر میں آکر کیا کرے گا۔

۳۹

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۱ھ ——— جمعتہ المبارک

فقیر خدمتِ والا میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ کشف میں خطا و صواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے جبکہ وجدان خطا کا متحمل نہیں ہے مثلاً ایک شخص نے دُور سے چار پایہ کی صورت دیکھی اور سمجھا کہ یہ شیر ہے حالانکہ حقیقت میں وہ شیر نہیں تھا بلکہ کوئی دوسرا چارپایہ ہے یا پانی دیکھا اور وہ شراب تھی۔ پس اہلِ کشف کی مثال یہ ہے۔ جبکہ وجدان ہوا کے مانند ہے جو نظر نہیں آتی لیکن اس کا گرم یا ٹھنڈا ہونا محسوس کیا جاتا ہے اور اس ادراک میں خطا (غلطی) کا احتمال نہیں ہوتا۔

اس کے بعد مرشدِ گرامی قدر نے ارشاد فرمایا کہ مجھے صحیح وجدانی ادراک مرحمت فرمایا گیا ہے جس سے دُور اور نزدیک، آگے اور پیچھے، زندوں اور مُردوں کے انوار اور نسبتوں کا ادراک حاصل ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس بندۂ ناچیز کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے خواجہ عبید اللہ احرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1] وغیرہ نقشبندی بزرگوں کے رسائل و رشحات وغیرہ پڑھے ہیں؟ بندہ خاموش رہا۔ فرمایا کہ اس سلسلے کے تمام بزرگوں نے اپنی تصانیفِ عالیہ میں طالبین کو حضور و جمعیت کی ترغیب فرمائی ہے اور گرمی یا ذوق و شوق کا چنداں اعتبار نہیں کیا ہے۔

۴۰

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۱ھ ——— ہفتہ

بندہ حضورِ فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ میرے برادرِ محترم بصد ادب مرشدِ برحق کی خدمت میں عرض گزار ہوئے کہ میں نے خواب دیکھا کہ حضورِ والا اس عاجز سے پوچھتے ہیں کہ جب تو

---

[1] حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ ۸۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ خواجہ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت و خلافت پائی مشائخ نقشبندیہ میں آپ سرمایۂ روزگار اور فیضِ باطنی کے بحرِ رواں تھے۔ ۲۹ ربیع الاول ۸۹۵ھ کو وصال ہوا۔

قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا ہے تو دیواریں تیرے قدموں پہ گرتی ہیں یا نہیں؟ میں نے خواب کی حالت میں ہی جواب دیا کہ قرآنِ کریم پڑھتے وقت فیوض و برکات کا نزول تو ہوتا ہے لیکن دیواریں گرنے کا معاملہ نہیں ہوتا۔ نیز دیواریں گرنے کی بات پہلے اکابر سے بھی مروی نہیں ہے۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ آیۂ کریمہ:۔ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا سے بھی یہی معنی سمجھ میں آتا ہے۔

مرشدِ گرامی قدر نے اس واقعۂ خواب کی تعبیر یوں ارشاد فرمائی کہ دیوار سے مراد سالک کی اپنی ہستی ہے۔ پس چاہیئے کہ تلاوت کرتے وقت قاری اپنی ہستی اور انانیت سے خالی ہو جائے اور بشریت و انانیت کی دیوار کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر پھینک دے اور مذکورہ آیۂ کریمہ کے معنی کی یوں تاویل کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قربِ آخرت میں اُن لوگوں کو مرحمت فرمایا جاتا ہے جنہوں نے بشریت کے تکبّر اور انانیت کے علو کا اپنے وجود کی زمین میں ارادہ نہیں کیا ہوتا اور فساد، بُری عادتیں اور کمینہ اخلاق کو اختیار نہیں کیا ہوتا۔

مرشدِ برحق نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ صوفیائے خانقاہ کے حالات معلوم کرنے چاہئیں کہ ان میں سے ہر شخص کہاں تک وقوفِ قلبی کرتا ہے اور معانی پر نظر رکھتے ہوئے زبان سے کس قدر کلمہ طیبہ کا وِرد کرتا ہے اور اسمِ ذات کی قلبی و زبانی لحاظ سے کس حد تک ہمیشگی رکھتا ہے اور درود و استغفار اور تلاوتِ کلام اللہ کا کہاں تک وِرد رکھتا ہے اور اس کے روز و شب کو کس طرح گزارتا ہے اور اپنے اوقات کی تقسیمِ کار کس طرح کی ہوئی ہے۔ پس جو اس کام میں مصروف اور اذکار میں مالوف نظر آئے اُسے خانقاہ میں رہنے دیں ورنہ باہر نکال دیا جائے کہ وہ فقیروں کی صحبت کے قابل اور اولیاء اللہ کی ہمت کے لائق نہیں ہے۔

رأفتا ہر کس[1] کہ در لیل و نہار	نیست در ذکرِ خدا مصروف کار

---

[1] اے رافت! جو شخص شب و روز ذکرِ خدا میں مصروف نہیں ہے۔

مجلسِ او ظلمتِ دِل آمدہ !!!	صحبتِ اُو سمِ قاتل آمدہ !
ہر کہ غافل یکدم از یادِ خداست	ساعتی با اُو نشستن ناروا ست

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت فانی فی اللہ، خواجہ باقی باللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے لیئے عنایت نامہ تحریر فرمایا جس میں یہ بھی تھا کہ ہمارے یہاں کے یارانِ طریقت ایک مقام پہ جاکر ٹھہر گئے ہیں اور آگے عُروج واقع نہیں ہوتا۔ حضرت مجددِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں جو نیاز نامہ لکھا اس میں تحریر فرمایا۔

"اُن سے فرمایئے کہ اشتغال و مراقبات، تسبیح و تہلیل اور تلاوت و نوافل کی کثرت کریں تاکہ عروج واقع ہو جائے۔"

کثرتِ اشتغال چابی دِل کی ہے!
بس یہ سیڑھی آخری منزل کی ہے

۴۱

۲۲ جمادی الاُولیٰ ۱۲۳۱ھ ——— اتوار

یہ غلام اپنے برادرِ محترم کے ساتھ اپنے قبلۂ انام سے رخصت لے کر حضرت خواجہ محمد زبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ، کی زیارت کے لیئے چلا گیا۔ اِس لیئے اپنے ہادی خواص و عوام کے کلام فیض نظام سے اس روز مستفیض نہ ہو سکے۔ مولانا شاہ محمد عظیم سلمہ اللہ تعالیٰ کی زبانی سُنا کہ مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی ہماری صحبت میں آیا۔ مَیں نے اس پر توجہ ڈالی لیکن کوئی اثر اس کے ادراک میں نہ آیا۔ دوسرے روز بھی توجہ ڈالی لیکن اس روز بھی اُس نے کوئی اثر محسوس نہ کیا۔ جب تیسرے روز میں نے اس پر توجہ ڈالی تو ذکرِ قلبی نے اس کے اندر غلبہ کیا (یعنی قلب جاری ہو گیا) اس نے اپنے دِل پہ ہاتھ رکھ کر ایک آہ کھینچی اور کہنے لگا کہ میرا دِل تو اللہ اللہ کہتا ہے اور جوشِ اشتیاق میں اپنے دِل کو ہاتھ سے پکڑ کر بوسہ دیا اور بانغ باغ ہو گیا۔ اس کے بعد مرشدِ برحق نے یہ شعر پڑھا۔

ازاں تیغی کہ آبش شست جرم کشتگانش را
ربودم دل نشین زخمے کہ می بوسم دہانش را

۴۲

۲۳ر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۱ھ ——— پیر

جب میں اپنے برادرِ محترم کے ہمراہ تخت شریف کی زیارت سے واپس لوٹا اور حضور فیض گنجور میں حاضر ہوا تو مرشدِ برحق نے دریافت فرمایا کہ تخت شریف میں مراقبہ کیا تھا۔ عرض کی کہ ہم تخت شریف میں ہمہ تن گوش ہو کر حاضر خدمت رہے تھے اور بے انتہا برکات و انوار کا مشاہدہ کیا تھا۔ مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ اس جگہ کے فیوض و برکات بیان سے باہر ہیں حضرت قبلۂ عالم، قطبِ ارشاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عہد کرامت عہد میں ان کا اسمِ گرامی عبدالملک تھا۔ جس کا منصب یہ ہے اس کا نام یہی ہوتا ہے۔

اس کے بعد مرشدِ گرامی قدر نے ارشاد فرمایا کہ اس فقیر کے بدن میں جب تک چلنے کی طاقت اور جسم میں توانائی رہی تو خواجہ محمد زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے عرس کی محفل میں پیدل سفر کر کے حاضر ہوتا تھا۔ ایک روز جب میں عرس شریف میں حاضر تھا تو حضرت قبلۂ عالم (خواجہ محمد زبیر) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ عبادت کی کثرت کرو کیونکہ یہ راہ عبادت ہے اور اس سے تصرف و اختیار کے دروازے کھلتے ہیں۔

اس کے بعد آپ کے حضور حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی قدسنا اللہ تعالیٰ باسرار السامی کے مکتوبات شریف کا درس شروع ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ معارف (جو مجدد اعظم نے بیان فرمائے) بہت بلند ہیں جو عارفوں کے فہم اور عقلمندوں کی عقل و خرد سے بھی ورا الورا ہیں۔

ؔ۱ وہ تلوار کہ جس کی ادب نے قتل ہونے والوں کے جرم کو دھو ڈالا۔ مجھے بھی اس کا دلنشیں زخم پہنچا ہے (اس لئے) اس کے منہ کو بوسہ دیتا ہوں۔

ان مکتوبات قدسی آیات کے سمجھنے میں ہمارا حال ایسا ہے جیسے کوئی ایران کا باشندہ جو محض جاہل اَن پڑھ ہو اور وہ وضو کر کے قبلہ رُو ہو کر، قرآن کریم کھول کر بیٹھ جائے اور اس کی ایک ایک سطر پہ انگلی پھیرتا جائے اور کہتا جائے کہ یا الٰہی ! تو نے سچ فرمایا ہے تو نے سچ فرمایا ہے۔ تو نے موتی بکھیرے ہیں۔ تو نے موتی بکھیرے ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ مکتوبات شریف میں عدم ہونے، انانیت کی فنا، اپنی ذات اور اپنی صفات کی حقیقت کو دیکھنا اور اپنے آپ کو عدم محض پانے کا بیان فرمایا گیا ہے۔

مرشدِ برحق نے حاویٔ فروع و اُصول، واقفِ معقول و منقول جناب مولوی شیر محمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ سے دریافت فرمایا کہ تمہیں یہ حال حاصل ہے ؟ عرض گزار ہوئے کہ گاہے گاہے حضور کی عنایت کے صدقے یہ حالت ہوتی ہے کہ اپنی تمام صفات کو مسلوب (ختم) پاتا ہوں بلکہ اپنے وجود کو بھی معدوم محض دیکھتا ہوں۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ جب عنایتِ الٰہی سے یہ حالت دائمی ہو جاتی ہے تو سمجھیے کہ فنائے نفس حاصل ہو گئی۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حضرت مجدد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن معارف کا اظہار فرمایا ہے ان کا امتِ محمدیہ میں سے کسی ایک نے بھی اظہار نہیں فرمایا۔ یہ بھی فرمایا کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اَنَا الحق کہنا آسان ہے لیکن انانیت سے دُور ہونا مشکل ہے۔[1]

اَنَا الحق گفتن آسان ایدل ست ایں
اَنَا را دُور کردن مشکل ست ایں

یہ بھی فرمایا کہ حضرت فخر الواصلین خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری قدس سرہ سات روز کے بعد کھانا کھایا کرتے تھے (یا یہ وجہ ہفتے بعد ہی) وضو و استنجا فرمایا کرتے تھے پورا ہفتہ انہیں وضو کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی اور قبرستان میں رہائش رکھتے تھے جب ملک

---

[1] اے دل ! انا الحق کہنا تو آسان ہے لیکن اَنَا کو دُور کرنا مُشکل ہے۔

ہندوستان میں رونق افروز ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں حد سے زیادہ قبولیت حاصل ہوئی اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہندوستان کے بادشاہ سے وہ اپنی املاک کے لئے زمین مانگنے آئے تھے، یہ بات سراسر خلافِ عقل معلوم ہوتی ہے کیونکہ (بعید ہے کہ) ایسا تارکِ دنیا دولت مندوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرے۔ بھلا وہ اراضی کے قبضے سے کس طرح راضی ہوسکتا ہے۔

ہر کہ زمینِ خودی قطع کند بہر دوست[1]
اُو چہ کند مُلک را، ملکِ خدا ملکِ اوست

گیرم کہ سَریرت از بلور و ابریشم ست[2] | سنگے داند ہر آنکہ اُو را چشم ست
ایں مسندِ قاقم و سمور و سنجاب[3] | در دیدۂ بوریہ نشینان پشم ست

یہ بھی فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ وہ معین الدین نامی شخص اور تھا جو سلطانِ ہند کی خدمت میں زمین حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوا تھا ——— آپ نے یہ بھی فرمایا کہ عارفِ کامل حضرت شیخ آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ جس شخص کا ہاتھ پکڑتے اور مصافحۂ بیعت کرتے تو اس وقت اسے فنائے قلبی کے مقام پر پہنچا دیتے تھے۔ ایک روز ان کی خدمت میں ایک فاسق آدمی آیا اور کہنے لگا کہ مجھے بیعت فرمالیجیے۔ انہوں نے فرمایا کہ پہلے تم اپنا ظاہر تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شریعتِ مطہرہ سے آراستہ کرو اور اس کے بعد ہماری خدمت میں حاضر ہونا۔ وہ بددل ہو کر لوٹ گیا۔ حضرت شیخ کو الہام ہُوا کہ بیتم نے کیا کیا کہ ہمارے طالب کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ لوٹایا اور

---

[1] جس نے دوست کی خاطر اپنا ملک قطع کر دیا ہو وہ ملک لیکر کیا کرے گا جبکہ خدا کا ملک اُس کا ملک ہے۔

[2] میں نے فرض کیا کہ تیرا تخت بلور اور ریشم کا ہے۔ صاحبِ نظر اسے پتھر گردانتا ہے۔

[3] یہ قاقم، سمور اور سنجاب کی مسند بوریہ نشینوں کی نظر میں بے وقعت ہے۔

اسے تلقین نہ فرمائی۔ انہوں نے ایک آدمی سے فرمایا کہ جلد از جلد اُس شخص کو ہمارے پاس لاؤ۔ وہ آدمی جلدی سے اس کے پاس گیا اور کہا کہ آپ کو حضرت شیخ طلب فرماتے ہیں۔ اُس شخص نے واپس لوٹنے سے انکار کر دیا۔ پس آپ نے دوسرے آدمی کو بھیجا لیکن وہ نہ لوٹا۔ آخر کار حضرت شیخ نے ایک آدمی سے فرمایا کہ اس کے کان میں مبارک لفظ اللہ کہہ دینا۔ وہ اُس طالب کے نزدیک پہنچا اور کہنے لگا کہ ذرا ٹھہریے۔ میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ وہ قدرے ٹھہر گیا۔ جانے والے نے طالب کے کان میں کہا کہ حضرت شیخ آدم نے تجھ سے مبارک لفظ اللہ فرمایا ہے۔ اس اسم شریف کے سنتے ہی اس کے حجاب پھٹ گئے اور اُسے نقشبندی ولایت حاصل ہو گئی۔

مرشد برحق نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت شیخ آدم بنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جس کو مرید کرتے تو بیعت کرتے ہی اُسی ساعت میں فنائے قلبی تک پہنچا دیتے تھے۔

۴۳

۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۱ھ ــــــ منگل

یہ غلام اُس قبلۂ خواص و عوام کے حضور فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ اُس وقت حضرت امام ربانی، محبوب سبحانی، واقفِ اسرارِ مقطعاتِ قرآنی، کاشفِ رموزِ متشابہاتِ فرقانی، مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکتوبات شریف کا درس ہو رہا تھا۔ ان میں آپ نے لکھا تھا کہ ایک شخص نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال کیا کہ مرشدِ کامل کسی سالک کو ایک ولایت سے دوسری ولایت میں پہنچا سکتا ہے یا نہیں اور ولایت کے جس مقام پر وہ ہے اس سے ترقی بخش سکتا ہے یا نہیں؟ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے اس کے جواب میں لکھا تھا کہ ایک ولایت سے دوسری میں جانا میرے علم کے مطابق ممکن الوقوع نہیں ہے مگر مرشد کی توجہات سے اس ولایت میں ترقی ہو سکتی ہے۔

مرشد برحق نے فرمایا کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے یہ مکتوب شریف اپنے ابتدائی احوال میں لکھا تھا کیونکہ اس کے بعد دوسرے مکتوبِ گرامی میں آپ نے تحریر فرمایا ہے

کہ شیخ کامل ایک ولایت سے دوسری ولایت میں پہنچا دیتا ہے جیسا کہ خود حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے فرزندِ اکبر یعنی مظہرِ تصدیق، مورد تحقیق کاشف اسرار دقائق، واقفِ اسرار حقائق، وارث الانبیاء والمرسلین، سید الاصفیا والصدیقین، عالم و عامل، فارق الحق والباطل، مفخر الخلائق شیخ محمد صادق رحمۃ اللہ الخالق کی جانب توجہ اور ہمت فرمائی تو ولایتِ موسوی سے ولایتِ محمدی علی صاحبہا الصلوات والتحیات میں پہنچا دیا تھا۔

مرشدِ گرامی قدر نے یہ بھی فرمایا کہ میرے دادا یعنی قطب الاقطاب، غوث الشیخ والشاب عارف آگاہ، مجاہد فی سبیل اللہ، سیاحِ بحار لاہوت، طیّار جوّ لاہوت، قطب رحی الوجود، سالک صراط المقصود، مرکزِ دائرہ خلت و قیومیت، مورد فیض محبت و محبوبیت، العابد الزاہد شیخ محمد عابد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وارضاہ عنا نے جناب قیوم زماں، محبوبِ رحمٰن، شمس فلکِ ولایت، نجم سماء ہدایت، غواص لجۂ ہویت، سیّار معارج الوہیت، عنقار قافِ قربت، طاؤس ریاضِ محبت، مظہر برکات یزداں حضرت مولانا و قبلتنا و ہادینا مرزا جانِ جاناں علیہ الرضوان کو توجہ فرما کر ولایتِ موسوی سے ولایتِ محمدی علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام میں پہنچا دیا اور حضرت پیرومرشد نے یہ بھی مشاہدہ فرمایا کہ ہم جناب سید البشر علیہ الصلوٰۃ اللہ الملک الاکبر کے حضور بیٹھے تھے۔ اس کے بعد دیکھا کہ جس جگہ میں ہوں وہاں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف فرما ہیں اور جہاں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں وہاں میں بھی ہوں۔ اس کے بعد دیکھا کہ دونوں جگہ وہ بدر الدجیٰ علیہ صلوات اللہ الملک الاعلیٰ جلوہ افروز ہیں۔ میں کسی جگہ نہیں۔ اس کے بعد مشاہدہ کیا کہ دونوں جگہ یہ میں ہوں۔

۴۴

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۱ھ ــــــ بدھ

یہ گنہگار محفل فیض بار میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ جو طالب شیخ کی خدمت میں

حاضر ہونا چاہے اُسے چاہیئے کہ پہلے استخارہ کرے اور پھر اسے طریقے میں داخل کرے۔
گذارش کی گئی کہ ہر شیخ کے لیے کیا استخارہ کرنے کی حاجت ہے یا نہیں؟ مرشد برحق نے
ارشاد فرمایا کہ جو بزرگ ولایت کبریٰ کے مقام پر فائز ہو۔ اس کے خصائل رذیلہ حسنات میں
تبدیل ہو چکے ہوں۔ انانیت کی فنا حاصل کر چکا ہو اور شرح صدر حقیقی اسلام کو پہنچ چکا ہو،
اس کے لئے استخارہ کی حاجت نہیں ہے۔ اس وقت اس کا ہر کام رضائے مولیٰ کے تحت
ہوتا ہے کیونکہ وہ خود کو معدوم محض کر کے نیست ہو چکا ہے۔

۴۵

۲۶ر جمادی الاولیٰ ۱۲۳۱ھ ـــــــ جمعرات

غلام قبلۂ انام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ایک شخص بیعت ہونے کی خاطر حاضر خدمت ہوا
قبلۂ درویشاں حضرت مرشد برحق قلبی وروحی فداہ نے اس سے پوچھا کہ کونسے طریقے میں
بیعت ہونے کا ارادہ رکھتے ہو؟ وہ عرض گذار ہوا کہ حضور! طریقہ عالیہ قادریہ کا حلقۂ بندگی اخلاص
کی گردن میں ڈال کر بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ مرشد گرامی قدر نے شیرینی منگائی اور اس پر
سیدالاولین والآخرین علیہ افضل الصلوٰۃ المصلین کی روح پرفتوح کی فاتحہ اور حضرت غوث اعظم
سید محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح طیبہ اور ان کے پیران طریقت جو سرورِ
کون ومکان علیہ صلوٰۃ اللہ الملک الاکبر تک ہوئے ان کی ارواح مقدسہ پر نام بنام اور
اس طریقے کے جملہ متوسلین جو حضرت مولانا وقبلتنا وہادینا، مظہر رحمٰن، حضرت مرزا جان
جاناں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر پڑھی اور اس کے بعد اس شخص کے دونوں ہاتھ اپنے دونوں
ہاتھوں میں مصافحہ کی طرح پکڑ لیئے اور تین بار اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ
اِلَیْہِ، دو بار کلمہ طیبہ اور ایک بار کلمہ شہادت پڑھایا۔ اس کے بعد پیران طریقۂ قادریہ کے
توسل سے اس کے دینی و دنیاوی کاموں کی کشائش کے لیے بارگاہ خداوندی میں دست
دعا دراز کیے اور یاران غائب وحاضر اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کی۔

اس کے بعد ذکرِ قلبی، نگہداشتِ خاطر، وقوفِ قلبی اور مراقبۂ احدیت کی تلقین فرمائی کہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کا معمول ہے اور مرشدِ برحق کا یہی معمول ہے کہ طالب جس طریقے میں بیعت ہونا چاہے اسی میں کر لیتے ہیں لیکن اذکار و مراقبات اُسے طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے مطابق تلقین فرمائے جاتے ہیں اور طریقہ عالیہ مجددیہ کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ اس میں ہر طریقے کے اندر بیعت کر سکتے ہیں لیکن سلوک کی منازل طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے مطابق طے کروائی جائیں گی۔

اس کے بعد مرشدِ برحق نے ایک دوسرے شخص کو نقشبندی طریقے کے اندر بیعت فرمایا اور حسب سابق شیرینی پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگوں کی ارواح کو ثواب پیش کرنے کی غرض سے فاتحہ پڑھی اور صرف تین مرتبہ اَللّٰھُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ وَرَحْمَتُكَ اَرْجٰی عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِیْ۔ پڑھ کر دعا کی کہ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا۔ اور یہ بھی دعا کی کہ یا الٰہی! حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت شریفہ سے اس شخص کو وافر حصہ مرحمت فرما۔ اس شخص نے اسی وقت اس نسبت شریفہ کا پورا پورا اثر اپنے اندر محسوس کیا اور بہت سے فیوض و برکات محسوس کیے۔ کیوں نہ ہو:

ع نگاہِ پاکبازاں کیمیا ہست

۴۶

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۱ھ — جمعۃ المبارک

یہ فدوی حضورِ پُر نور میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق ایک شخص کو نماز کی ادائیگی کے بارے میں نصیحت فرما رہے تھے کہ نماز خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھنی چاہیئے اور قومہ و جلسہ اطمینان کے ساتھ ادا کیے جائیں جو امام اعظم ابو حنیفہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں

---

[1] آپ کا اسمِ گرامی نعمان بن ثابت اور کنیت ابو حنیفہ ہے۔ آپ امتِ محمدیہ کے سراج ہیں صحابۂ کرام کے بعد ساری امت میں اتنے فضائل و کمالات کی جامع دوسری ہستی نظر نہیں آتی۔ علومِ دینیہ میں آپ کے فکر کی پرواز اتنی بلند ہے کہ نظر کی کوتاہی کے باعث کتنے ہی لوگ آپ کے خصائص کا انکار ہی کر بیٹھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

واجب ہیں اور بعض دوسرے مذاہب میں فرض۔

مرشدِ گرامی قدر نے یہ بھی فرمایا کہ صحابۂ کرام میں سے کوئی مسجد میں قومہ و جلسہ کی طمانیت کے بغیر نماز ادا کر رہے تھے۔ جب وہ فارغ ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کہا تو سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کے سلام کا جواب دے کر فرمایا کہ پہلے نماز پڑھو اس کے بعد میرے پاس آنا۔ وہ صاحب گئے اور پہلی طرح نماز پڑھ کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے۔ فخرِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والتحیات نے فرمایا کہ پھر نماز پڑھو کیونکہ گویا تم نے نماز پڑھی ہی نہیں ہے۔ انہوں نے تیسری بار بھی اسی طرح نماز پڑھی تو آپ نے فرمایا۔ صَلِّ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ (نماز پڑھو کہ تم نے نماز ہی نہیں پڑھی ہے)۔ پس وہ بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ! جیسی نماز مجھے یاد ہے وہ تو میں نے پڑھ لی۔ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں نماز میں اطمینان کے ساتھ قومہ و جلسہ ادا کرنے کی تلقین فرمائی۔

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ کسی شخص کو ایک نماز پڑھنے پر دس نمازوں کا ثواب ملتا ہے کسی کو نو نمازوں کا، کسی کو آٹھ کا اور اسی طرح کسی کو صرف ایک نماز کا ثواب ملتا ہے جبکہ کسی کو مطلقاً ثواب نہیں ملتا۔ پس معلوم ہوا کہ جو سنن و آداب کی رعایت کرتا اور خشوع و خضوع کے ساتھ اطمینان سے نماز ادا کرتا ہے وہ زیادہ ثواب حاصل کرتا ہے اور جو ان امور کو کم خیال کرتا ہے وہ ثواب بھی کم پاتا ہے اور اس سلسلے میں بعض عارفوں کا یہ حال ہوتا ہے۔

؎ چوں کہ با تکبیر ہا مقرون شدند[۱]
ہمچو بسمل از جہاں بیروں شدند

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ آپ آئمۂ مجتہدین کے رئیس اور کشورِ فقاہت کے فرمانروا ہیں۔ امتِ مرحومہ کا بیشتر حصہ آپکی تقلید و غلامی کے شرف سے مشرف ہے۔ ۸۰ھ رضی اللہ عنہ ۶۹۹ء میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ / ۷۶۷ء میں وفات پائی۔

[۱] جب وہ تکبیروں کے نزدیک ہوتے ہیں تو بسمل کی طرح دنیا سے باہر ہو جاتے ہیں۔

مرشدِ برحق نے زبانِ گوہرفشاں سے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ایک روز اچانک میرے مشامِ جان تک ایسی خوشبو پہنچی کہ مَیں مست اور بے ہوش ہو گیا اور سارا مکان معطر ہو گیا جب اس ہوش رُبا اور فرحت افزا حالت سے باہر آ کر میں نے اُوپر کی جانب دیکھا تو مشاہدہ کیا کہ میرے اوپر ایک منور و مطہر و معطر رُوح جلوہ نما ہے اور اس کے انوار آفتاب کی کرنوں کے مانند گرد و پیش کو منور کیے ہوئے ہیں. وہ جلوۂ بالا زیبا فیوض و برکات کے زیورسے جگمگا رہا تھا. مَیں حیران ہوا کہ یہ کیا ہے اور متعجب ہُوا کہ یہ کون ہے. اس بھید سے آگاہ نہ فرمایا اور نام و نشان سے مطلع نہ کیا. اس کے بعد دل میں خیال گزرا کہ اس قدر جمال شاید جناب سیدالبشر علیہ صلوٰۃ اللہ الملک الاکبر کی رُوح پُرفتوح کے ظہور کا ہو یا یہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رُوح پاک ہو۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ مرشدِ برحق کی یہ خصوصیت ہے کہ اکثر اوقات سارا دولت خانہ معطر ہو جاتا ہے اور اہلِ مجلس بھی اس خوشبو کو سونگھتے تھے جو عطر خس کے مانند ہوتی ہے اس روز خانقاہ عرش اشتباہ میں بعض لوگوں کے درمیان ایک جھگڑا ہو گیا تھا مرشدِ برحق نے فرمایا کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رُوحِ پاک تشریف فرما ہوئی اور ارشاد فرمایا ہے کہ جو خانقاہ میں جھگڑا کرے اُسے باہر نکال دیا جائے ۔

۴۷

۲۸ جمادی الاُولیٰ ۱۲۳۱ھ ـــــــ ہفتہ

یہ غلام قبلہ انام کے حضور حاضر ہُوا. اس وقت مکتوبات قدسی آیات (مکتوبات امام ربانی) کا درس ہو رہا تھا. مرشدِ برحق کا ہمیشہ سے یہ معمول رہا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام فیض نظام عصر کے بعد پڑھا جاتا ہے. حضرت پیر و مرشد متوجہ ہو کر مراقبہ کی حالت میں بیٹھتے اور مکتوبات شریفہ سماعت فرماتے ہیں. آپ نے زبانِ گوہرفشاں سے ارشاد فرمایا کہ ان مکتوبات قدسی آیات سے مَیں نے اس طرح فیض حاصل کیا ہے جس طرح مرید

اپنے پیروں سے فیض حاصل کرتے ہیں ۔

انہوں نے یہ فرمایا کہ سبحان اللہ! اللہ جلّ جلالہٗ کی تنزیہ و تقدیس کو جس طرح آپ (حضرت مجدد الف ثانی) نے بیان کیا، وہ انسانی طاقت سے باہر ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ سراسر الہام ربانی ہے۔ جب اس قبلۂ انام کا مقدّس کلام فیض نظام اس قدر بادیٔ خواص و عوام ہے تو متکلم کو اسی پہ قیاس کر لینا چاہیئے اور اُن کی توصیف و شکر گزاری میں مشغول رہنا چاہیئے۔

من چہ گویم وصف آں عالی جناب
نیست پیغمبر ولے دارد کتاب

اس کے بعد مرشدِ برحق توجہ فرمانے کی غرض سے طریقت سے استفادہ کرنے والے حلقہ کی جانب متوجہ ہوئے جو ارادت کی گردن میں اخلاص کا حلقہ ڈالے ہوئے تھے (یعنی مخلص مرید)۔ جب آپ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو عقیدت رکھنے والوں اور خالص و مخلص حضرات کا بیشمار مجمع نظر آیا۔ جس میں سمرقند، بخارا، غزنی، تاشقند، حصار، قندھار، کابل، پشاور، ملتان، کشمیر، لاہور، سرہند، امروہہ، سنبھل، بریلی، رامپور، لکھنؤ، جائس، بہرائچ، گورکھپور، عظیم آباد، ڈھاکہ، بنگالہ، حیدر آباد، اور پونہ وغیرہ کے اشخاص طلب حق میں اپنے اوطان کو چھوڑ کر آئے ہوئے تھے۔

مرشدِ برحق پہ اُن دنوں بہت ضعف طاری تھا۔ اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کی باری مقرر ہونی چاہیئے۔ تیس آدمیوں کو صبح کے حلقہ میں مخصوص کر لیں اور تیس اشخاص کو حلقۂ عصر کے لئے اور باقی حضرات کو دوسرے روز اسی طرح تیس تیس کی جماعت بنا لیں کہ توجہ حاصل کریں اور جب سب کو توجہ پہنچ جائے تو اس کے بعد پہلے تیس حضرات دوبارہ آئیں اور توجہ کا فیض حاصل کریں ۔

مرشدِ گرامی قدر نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور خواجہ

محمد سعید و خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما اور حضرت پیر و مرشد مرزا مظہر جانِ جاناں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا یہی معمول تھا کہ لوگوں کی باری مقرر تھی۔ ——— یہ بھی فرمایا کہ ایک روز مجھے الہام ہوا تھا کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے خلفاء دکن کی جانب بھیجے تھے تم اپنے خلفاء کو کابل، بخارا اور قندھار کی طرف بھیجو۔

۴۸

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۱ھ ——— اتوار

بندہ حضورِ والا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مولوی شیر محمد صاحب سے ارشاد فرمایا کہ تمہیں عروج سے نزول زیادہ واقع ہوتا ہے۔ پس چاہیئے کہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ پڑھا کرو اور سو مرتبہ پڑھنے کے بعد کلمہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کہا کرو۔ اس سے عروج زیادہ ہوگا۔ ——— یہ بھی فرمایا کہ جس سالک کو عروج زیادہ ہو تو اُسے چاہیئے کہ تہلیل لسانی کے اندر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے ساتھ ہر بار مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کو ملا کر پڑھے کہ نزول زیادہ ہو جائے اور جس کو نزول و عروج مساوی ہوں تو کلمہ طیبہ کے وِرد میں دس مرتبہ پڑھنے کے بعد یا پندرہ بار پڑھنے کے بعد کلمہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ پڑھے۔ اس طرح پڑھنے سے حصولِ عروج و نزول کے بارے میں بہت مفید ہے۔

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ ایک روز میں اپنے غریب خانہ میں بیٹھا ہوا تھا اور حضرت پیر و مرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفائے اعظم سے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور حضرت محمد احسان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما اس مجلس میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک شخص آیا اور رونے لگا کہ معاشی اخراجات کے لئے حضرت مولوی ثناء اللہ سنبھلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سب کے لئے یومیہ ایک سو روپیہ مقرر کیا ہے۔ جو حضرات مجلس میں تشریف فرما تھے۔ کہنے لگے کہ ایسی تمام رقم (خانقاہوں کے لیئے) حرام کے قریب ہے۔ کہ اس طرح روپوں پر تصرف کرنے سے باطن میں ظلمت پیدا ہوگی۔ حضرت محمد احسان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ گویا ہوئے کہ حضرت امامِ ربانی۔

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا میزابِ فیض جب اپنی جولانی پہ آتا ہے تو ظلمت کے پہاڑوں کو بھی خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتا ہے۔ یہ کہنا تھا کہ ایک آہ کھینچی اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

۴۹

سلخ (۳۰) جمادی الاولیٰ ۱۲۳۱ھ ——— پیر

بندہ محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ ہمارے حضرت پیر و مرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفاء سے ایک میاں محمد صاحب ہیں۔ ایک روز انہیں قبض واقع ہوا۔ حضرت پیر و مرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے توجہ فرمائی لیکن قبض رفع نہ ہوا۔ اس کے بعد خواجۂ خواجگان، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی روح مبارک ظاہر ہوئی اور فرمایا کہ اے پسر! یہ نسبت کونسی کم ہے اگر ترقی نہ بھی واقع ہو تو یہ نسبت بھی بہت ہے۔ اسی کی حفاظت کرنی چاہیئے۔

ایک روز میاں محمد صاحب اتفاقاً حضرت قبلہ پیر و مرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے منکرین کی مجلس میں جا بیٹھے۔ وہاں حضرت پیر و مرشد علیہ الرحمۃ کا ذکر اہانت کے طور پر کیا گیا تو میاں صاحب موصوف نے ان کی مخالفت کی اور اہلِ مجلس سے خفا ہو کر چلے آئے جب حضرت قبلہ مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ بہت خوش ہوئے۔ توجہ فرمائی تو فوراً اُن کا وہ قبض دُور ہو کر عروج واقع ہو گیا ——— مرشد برحق نے فرمایا کہ خدمت کی بدولت جو ترقی ہوتی ہے ریاضت کے سبب اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہوتا۔ خدمت ایسی چیز ہے کہ سالہا سال میں ہونے والا کام اس کے ذریعے آنکھ جھپکنے میں ہو جاتا ہے۔ خدمت سالک کو جذباتِ الٰہیہ تک پہنچاتی ہے۔

———

۵۰

غرہ (پہلی) جمادی الآخرہ ۱۲۳۱ھ ——— منگل

بندہ خدمتِ عالی میں حاضر ہوا۔ بھوک کا ذکر ہوا جو عاشقوں کی خوراک ہے۔

مرشدِ برحق نے حدیث شریف پڑھی کہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی شکم سیر ہو کر کھانا تناول نہیں فرمایا تھا اور اسی طرح صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فاقہ کشی کیا کرتے تھے۔ اولیائے متقدمین نے بھی سخت ریاضتیں کیں اور شدید مجاہدے کیے، یہاں تک کہ درخت کے پتے اور گھاس کی جڑیں اُن کی خوراک ہوتی۔ پھٹے پرانے کپڑے جو راستوں میں پڑے ہوتے انہیں پاک کر کے اپنا لباس بنا لیتے تھے بعض پندرہ روز کے بعد کھاتے اور بعض ایک ایک ماہ تک کچھ تناول نہ فرماتے۔ کسی نے ساٹھ سال تک زمین سے کمر نہ لگائی اور کوئی چالیس سال تک نہ سوئے۔

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے طریقہ میں میانہ روی کو اختیار فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نصف خوراک سے کم نہیں کھانا چاہیے تاکہ عبادت کی طاقت جاتی نہ رہے ——— حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ دُودھ۔ گھی اور سالن وغیرہ جو چیزیں روٹی کے ساتھ کھائی جاتی ہیں انہیں بھی نصف خوراک میں شمار کرنا چاہیے۔

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ اپنے حال کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حالت پر قیاس نہیں کرنا چاہیے کیونکہ رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں تمہارے جیسا آدمی نہیں ہوں بلکہ میں تو اپنے پروردگار کے حضور کھاتا پیتا ہوں۔

۵۱

۲ر جمادی الآخرہ ۱۲۳۱ھ ——— بدھ

غلام مخلص فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کو چاہیے وہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے سچے وعدوں پر نظر رکھتے ہوئے اسباب ظنیہ و وہمیہ کی طرف

نہ دیکھے اور یہ یقین رکھے کہ جس کو اس نے پیدا کیا ہے اُسے روزی بھی وہی پہنچانے
کیونکہ رازق وہی ہے۔

ع رزق را روزی رساں پر میدہد

مرشدِ گرامی قدر نے فرمایا کہ اس خانقاہ کی تعمیر سے پہلے صوفیوں کے رہنے کی جگہ کی تنگی کے مدِ نظر یہ آرزو تھی کہ قریب جو مکان ہے اور اس کا مالک بیچنا چاہتا ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ اس مکان کو آپ خرید لیں۔ حالانکہ اُن دنوں میرے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔ کارسازِ حقیقی جلّت عظمتہٗ سے اس آرزو کے پورا ہونے کی دُعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے دُعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور غیب سے وہ مدد فرمائی کہ اس مکان کو خرید کر اپنے قبضے میں لیا بلکہ چند اور مکانات مبلغ سات آٹھ ہزار روپے میں خرید کر خانقاہ میں شامل کر دیئے اور غیب الغیب سے آج تک تمام اخراجات پورے ہو رہے ہیں۔ کام چل رہا ہے اور ضروریات بوجہ احسن پوری ہو رہی ہیں۔

۵۲

۳ر جمادی الآخرہ ۱۳۳۱ھ ـــــــ جمعرات

بندہ حضورِ فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے زبان گوہر فشاں سے ارشاد فرمایا کہ اس خانقاہ میں رہنے والے صوفیہ کے حالات معلوم کرنے چاہیں کہ نمازِ تہجد پڑھتے ہیں اور اس پر مداومت کرتے ہیں یا نہیں جو اس کی مداومت نہیں کرتا (یعنی ہمیشہ تہجد نہیں پڑھتا) اسے خوب سمجھایا جائے اور خود اندر تشریف لا کر سوتوں کو جگاتے اور جو بیداری کی حالت میں ہوتے انہیں ادھر متوجہ فرماتے۔ کیونکہ فرمایا ہے،

شعر
یک چشم زدن غافل ازاں ماہ نباشی
شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

پس از سی سال این معنی محقق شد بخاقانی
کہ یک دم با خدا بُودن بہ از مُلک سلیمانی[1]

۵۳

۴ جمادی الآخرہ ۱۲۳۱ھ —— جمعۃ المبارک

فقیر اپنے فیض مآب حضرت پیر دستگیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نمازِ عصر کے لئے مسجد میں تشریف فرما تھے۔ نماز کے بعد مُلا گل محمد غزنوی نے کسی شخص کی بات کی۔ آپ نے سخت ڈانٹ ڈپٹ کی اور فرمایا کہ بارگاہِ ربّ العزت میں حاضر ہو کر بے ادب نہیں ہونا چاہیئے اور خدا کے سوا دوسرے کی جانب توجہ نہیں کرنی چاہیئے۔ دنیاوی بادشاہوں کے کیسے آداب ملحوظ رکھے جاتے ہیں تو حقیقی بادشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر تو بہت زیادہ عاجزی پیش کرنی چاہیئے اور آدمی خود کو عدم محض شمار کرے اور اپنی ہستی کو مٹا کر دریار پہ آنا چاہیئے۔

مرشدِ گرامی قدر نے یہ بھی فرمایا کہ صوفی کے لئے لازم ہے کہ نماز میں اس بات کو ملحوظ رکھے کہ قیام میں کیا کیفیت حاصل ہوئی، رکوع میں کونسے انوار طاری ہوئے، سجدے میں کیا اسرار کھلے۔ قعدہ میں کیا فیض وارد ہوا اور نماز کے بعد غور کرے کہ نماز ادا کرنے سے کونسے برکات حاصل ہوئے ہیں۔

اس کے بعد مکتوبات قدسی آیات کا درس شروع ہوا۔ مرشدِ برحق نے مشکل مقامات کے بڑے اسرار اور گہری باتیں بیان فرمائیں —— اسی اثنا میں میر قمرالدین سمرقندی عرض گزار ہوئے کہ آیا صورتِ حال یہی ہے کہ فنا کے لئے عود ہے لیکن عدم کے لئے عود نہیں ہے۔ مرشدِ گرامی قدر نے فرمایا کہ وجودِ عدم کے لئے عُود ہے لیکن وجودِ فنا کے

---

[1] تیس سال کے بعد خاقانی پر یہ معنی ظاہر ہوئے ہیں کہ ایک لمحہ با خدا رہنا مُلک سلیمانی سے بہتر ہے

لئے عود نہیں ہے۔ عدم کا مرتبہ پہلے ہے اور فنا کا آخری۔ آخر کار جب اعدام متواتر آتے ہیں تو فنائے فنا حاصل ہو جاتی ہے اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

وصلِ[1] اعدام گر توانی کرد
کارِ مرداں مرد دانی کرد

اس کے بعد مولوی شیر محمد صاحب عرض گزار ہوئے کہ مجھ پہ عدم کی حالت وارد ہوتی ہے اور ایک پہر تک رہتی ہے اور کبھی کم و بیش بھی اور ذکر کرنے سے وہ حالت دور ہو جاتی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت ذکر نہ کیا کرو بلکہ اس نسبت کی حفاظت کرنی چاہیئے تاکہ یہ حالت بار بار ظاہر ہوتی رہے اور ہاتھ سے چلی نہ جائے۔ اس کے بعد مرشدِ برحق نے زبان گوہر فشاں سے یہ مصرعہ پڑھا :-

ع بر[2] نمی خیزد بتعظیم قیامت گردِ ما

اس کے بعد ایک آدمی شفائے مریض کے لئے پانی پر دم کروانے حاضر ہوا۔ آپ نے اپنا پس خوردہ پانی اُس کے آبخورے میں ڈال دیا اور یہ حکایت بیان فرمائی کہ دارا شکوہ نے ایک بزرگ کی خدمت میں شفائے مریض کی غرض سے پانی بھیجا کہ اس میں سے کچھ نوش فرما کر باقی عنایت فرما دیں - کیونکہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ مسلمان کے جھوٹے میں شفا ہے۔ انہوں نے تھوڑا سا پانی نوش جان کیا اور باقی واپس لوٹا دیا اور ہیبتِ الٰہی سے انہیں اسہال (دست) شروع ہو گئے کہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ میرا ایمان کامل ہے یا نہیں اگر اس بیمار کو شفا ہو گئی تو یہ میرے ایمان کی دلیل ہے ورنہ ہم پہ اور ہماری غفلت پر افسوس۔ مرشد برحق نے یہ بھی فرمایا کہ میں ہر روز یہ دعا پڑھتا ہوں اور ہر ایک کو یہ دعا پڑھنی

---

[1] اگر تو اعدام کو جوڑ سکتا ہے تو مردوں کا کام بلکہ جوانمردی کی۔

[2] ہمارے گرد تعظیم کی وجہ سے قیامت برپا نہیں ہوتی۔

چاہیے :- اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَعَافِنِيْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاشْفِنِيْ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ـــــــ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ کلام سے متکلم کی نسبت ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ قبل ازیں مولوی بشارت اللہ صاحب کا خط آیا تھا اور اس میں انہوں نے اپنے باطنی احوال اوّل سے آخر تک تحریر کیے تھے اور میاں احمد یار صاحب، جو صحیح ادراک رکھتے ہیں، وہ اس وقت موجود تھے جب مَیں نے وہ خط پڑھا تو تحریر کردہ تمام مقامات کی نسبت ظاہر ہوئی، چنانچہ میاں احمد یار صاحب نے بھی معلوم کیا۔ (یا انہیں بھی معلوم ہو گیا) اس کے بعد مرشدِ گرامی قدر نے فرمایا۔

میاں ابوسعید صاحب ہم در احوالِ باطن خود رسالہ تحریر نمودہ اند من آزا من اَوَّلِہٖ اِلٰی اٰخِرِہٖ دیدہ ام مطابق مکتوبات شریف حضرت امام ربّانی ست ۔ (ص ۷۰)	میاں ابوسعید صاحب نے بھی اپنے باطنی احوال میں ایک رسالہ تحریر کیا ہے میں نے اسے اوّل سے آخر تک دیکھا ہے اور وہ حضرت امام ربّانی مجدّدِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکتوبات شریف کے مطابق ہیں ۔

اس کے بعد مرشدِ گرامی قدر نے ارشاد فرمایا کہ میں نے مولانا خالد رومی سے بھی کہا ہے کہ وہ اپنے باطنی احوال تحریر کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ بھی لکھ کر بھیجیں گے ۔ اور

---

[1] اے اللہ! مجھے بخش دے۔ مجھ پہ رحم فرما اور دنیا و آخرت میں مجھے عافیت دے اور مجھے ایسی شفائے عاجلہ عطا فرما جو کوئی روگ باقی نہ رہنے دے اور تو سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔ ہم میں نہ طاقت ہے نہ قوت مگر ساتھ اللہ کے جو بہت بلند اور عظمت والا ہے ۔

مولانا خالد افضل خلفاء حضرت ایشان هستند که در بغداد شریف بهدایت طالبان و رہنمائی سالکان مصروف اند، مرجع عالم اند. عرضی ایشان بجناب حضرت ایشان آمده بود متضمن این احوال بود که صدکس عالم متبحر صاحب تصانیف از یاران این فقیر قابل اجازت گردیده اند و پانصد کس از اکابر علماء داخل طریق شده اند و تعداد عوام و خواص مردمان که بیعت نموده اند چه بیان آید۔

(صنٰ)

مولانا خالد جناب مرشد برحق کے افضل خلفاء سے ہیں جو بغداد شریف کے اندر طالبین کی ہدایت اور سالکین کی رہنمائی میں مصروف ہیں۔ وہ مرجع عام ہیں۔ ان کا خط حضرت پیر و مرشد کی خدمت میں آیا تھا جس میں یہ حالات لکھے تھے کہ اس فقیر کے احباب سے سَو متبحر عالم، صاحب تصانیف، اجازت کے قابل ہو گئے ہیں اور (اس وقت کے) پانچ سو بڑے بڑے علماء اس طریقہ (عالیہ نقشبندیہ) میں داخل ہو چکے ہیں (ان کے علاوہ) جتنے عوام و خواص نے بیعت کر لی ہے اُن کا تو ذکر ہی کیا۔

۵۴

۵ جمادی الآخرہ ۱۲۳۱ھ — ہفتہ

حضورِ پُرنور میں حاضر ہوا۔ حسب ارشاد حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکتوبات قدسی آیات سے چند سطریں آپ کے رُو برُو پڑھیں۔ مرشد برحق نے ارشاد فرمایا کہ اس کلام فیض نظام کے معنی پوری توجہ اور غور و فکر سے سمجھنے چاہئیں کیونکہ فیوض و برکات ضرور حاصل ہوتے ہیں۔

یہ بھی فرمایا کہ لطیفۂ قلب کی سیر میں پہلے تلوینات آتی ہیں جو قبض و بسط، فرح و سرور اور ذوق و شوق کی قسم سے ہیں (ان کا ظہور اس وقت تک رہتا ہے) جب تک

قلب بدلنے سے باز رہے اور فنا و بقا حاصل رہے تو تلونیات سے نکل کر تمکین کے ساتھ پیوست ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد لطیفۂ نفس کی سیر میں بھی تلونیات آتی ہیں اور مختلف قسم کے احوال سامنے آتے ہیں۔ جب اس بوقلمونی سے باز رہ کر فنا و بقا تک پہنچے تو تلوین بھی تمکین میں داخل ہو جاتی ہے اور اس کے بعد لطیفۂ قالب پر احوال و اسرار آتے ہیں اور تلونیات پیدا ہوتی ہیں لیکن عالم امر کے لطائف کو تلوین سے رہائی اور تمکین تک رسائی نہیں ہے اور اگر ایسا ہے تو بیعت کے ذریعے ہے براہ راست نہیں۔

۵۵

۶ جمادی الآخرہ ۱۲۳۱ھ ——— اتوار

غلام بحضور فیض گنجور حاضر ہوا۔ ایک آدمی مکہ معظمہ سے مرشدِ برحق کی شہرت سن کر آیا ہوا تھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ آپ کیا سن کر آئے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں بیت اللہ شریف میں تھا اور ایک قافلہ بغداد شریف سے وہاں آیا ہوا تھا۔ قافلہ والوں نے حرم شریف میں ذکر کیا کہ بغداد شریف میں ایک متبحر عالم، مولانا خالد رومی ہیں۔ انہوں نے ہندوستان جا کر حضرت قیوم زماں، غوثِ جہاں، کاشف اسرار خفی و جلی مولانا غلام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طریقہ نقشبندیہ حاصل کیا اور ان سے خرقۂ خلافت پہنا ہے۔ ملک روم میں وہ شہرہ آفاق ہیں۔ روم کے علماء و اکابر ان کے ہاتھ پر بیعت ہو چکے ہیں۔ اس بات کے سننے سے آپ کی زیارت کا شوق دل میں کروٹیں لینے لگا اور آخر کار عنایت خداوندی سے اس آستاں فیض نشاں تک پہنچ گیا ہوں۔

۵۶

۷ جمادی الآخرہ ۱۲۳۱ھ ——— پیر

محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ نقشبندی نسبت کا مطلب ہمیشہ حضور و آگاہی اور دل سے خطرات کا گم ہونا ہے۔ اس شرف والے طریقے کے اکابر

نے بھی مقرر فرمایا ہے لیکن میرے نزدیک خطرات کے ختم ہونے کی جگہ خطرات کا کم ہونا ہے

——— مرشدِ برحق قلبی و روحی فداہ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت غوث صمدانی۔ قطبِ ربانی جناب سید محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانی الحسنی والحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا نے فرمایا ہے کہ فنا کی چار قسمیں ہیں۔ چنانچہ فنائے قلبی کے تحت قبل ازیں اُن کا بیان مذکور ہو چکا کہ اس سے ماسوٰی کو بھول جانا حاصل ہوتا ہے۔

۵۷

۸ رجمادی الاٰخرہ ۱۲۳۱ھ ——— منگل

یہ جان نثار فدوی اس محبوبِ پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے زبان گوہر فشاں سے ارشاد فرمایا کہ اکابرینِ طریقت و عارفینِ حقیقت کی تمام تصانیف توحید وجودی، ذوق و شوق اور مقاماتِ عشرہ کے بیان سے بھری پڑی ہیں جو توبہ، انابت، صبر، قناعت، زہد، توکل، رضا اور تسلیم وغیرہ سے عبارت ہے۔

لیکن مقاماتیکہ حضرت مجدد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرمودہ اند ہیچکس از عارفان ایں معارف را در سلکِ تحریر نہ کردہ۔ در زمین و آسمان کتابے در عرفانِ یزداں مثل مکتوباتِ قدسی آیات حضرتِ مجدد نیست۔ (ص۱۵۱)	لیکن وہ مقامات جو حضرت مجدد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمائے ہیں اہلِ معرفت سے کسی نے اِن معارف کو اس طرح تحریر کی لڑی میں نہیں پرویا۔ آسمان و زمین کے درمیان عرفانِ الٰہی پر کوئی کتاب حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات قدسی آیات جیسی نہیں ہے

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ سالک کو لطیفۂ قلب و نفس کی سیر میں ذکرِ خفی، نفی و اثبات اور تہلیل لسانی ترقی بخشتی ہے اور عناصر ثلاثہ کی سیر میں بھی قرأت کے ساتھ نوافل کا کثرت سے پڑھنا اور کمالاتِ ثلاثہ میں تلاوتِ کلامِ الٰہی اور حقائقِ سبعہ میں درود شریف کا پڑھنا ترقی کا موجب ہوتا ہے۔ اس کے بعد آپ کے حضور ریاضت و عبادت کا ذکر آیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا

کہ بعض اولیاء اللہ کو بارگاہِ خداوندی سے کمال زہد و ریاضت اور ترک و تجرید میں پختگی حاصل ہوتی ہے اور زیادہ تر حضرات کو کثرتِ عبادت کے سبب اللہ جلّ شانہٗ کا قرب میسّر آتا ہے لیکن اہلِ عبادت کا مقام صاحبانِ توکل و زہد و ریاضت سے عالی ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ جس کا یقین زیادہ ہو اس کا مقام بلند ہوتا ہے۔

مرشدِ برحق نے فرمایا کہ حضرت **شاہ گلشن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ** صاحبِ کشف و کرامات و زہد و ریاضات تھے۔ عمرِ عزیز کے تیس سال گودڑی میں گزارے تھے۔ تین روز کے بعد تھوڑا بہت کھاتے تھے۔ اُن کی خوراک خربوزہ اور تربوز وغیرہ کے چھلکے ہوتے یعنی جو چیز بھی اس موسم میں ہوتی اور جنہیں (چھلکوں کو) لوگ کوچہ و بازار میں پھینک دیا کرتے ہیں۔ یہ اٹھا کر پاک کرتے اور کھا لیتے اور جامع مسجد (دہلی) میں اقامت رکھتے تھے۔ جب پیاس زیادہ تنگ کرتی تو دو تین چلو پانی حوض سے پی لیتے اور وہ بہت ممکین تھا۔

ایک روز کوئی فاحشہ عورت حسنِ کمال سے آراستہ اور جمال سے پیراستہ تھی۔ اپنے مکان کی کھڑکی سے جھانک رہی تھی۔ یارانِ طریقت جو مجلس میں موجود تھے، عرض گزار ہوئے کہ اس عورت پر توجہ فرمائیے کہ راہِ ہدایت پہ آجائے۔ انہوں نے بات ٹال دی۔ جب احباب نے زیادہ اصرار کیا تو انہوں نے توجہ فرمائی اور اللہ جلّ شانہٗ کے حکم سے دو تین گھنٹے کے بعد وہ عورت سابقہ لباس بدل کر، سر کے بال فقیرانہ بنا کر اور گودڑی پہن کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئی اور سابقہ گناہوں سے توبہ کر کے بیعت ہو گئی اور اخلاص کے کان میں بندگی کا حلقہ ڈال لیا (یعنی آپ کے پیروکاروں میں شامل ہو گئی)۔

اسی زمانہ میں حضرت قیومِ زماں، قبلۂ عالم خواجہ محمد زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ مسند ارشاد و سادۂ ہدایت کو اُن کے وجودِ مسعود سے زینت مل رہی تھی۔ آپ صاحبِ عبادت کثیرہ تھے۔ نمازِ مغرب کے بعد صلوٰۃ اوابین پڑھتے اور اس کے اندر قرآنِ کریم کے دس پاروں کی قراءت کرتے۔ اس کے بعد لوگوں کا حلقہ قائم کر کے توجہ فرماتے۔ آدھی رات کے

وقت چند ساعت استراحت فرماتے اور تہجد کے لیئے اُٹھ کھڑے ہوتے۔ نمازِ تہجد میں چالیس یا ساٹھ بار سورۂ یٰسٓ پڑھتے۔ اس کے بعد چاشت تک (نماز فجر کے علاوہ) مراقبے میں وقت بسر کرتے۔ اس کے بعد لوگوں کا حلقہ کرتے۔ سارا دن توجہ ڈالتے اور مخلوقِ خدا کو ہدایت کرنے میں گزار دیتے۔ اس کے بعد تھوڑی دیر قیلولہ فرماتے اور پھر نماز فی الزوال کے لیئے اُٹھ کھڑے ہوتے اور اسے لمبی قرأت کے ساتھ چار گھڑی میں ادا فرماتے۔ اس کے بعد ختم خواجگان پڑھ کر نمازِ ظہر ادا کرتے۔ اس کے بعد قرآن کریم کی تلاوت کر کے کھانا تناول فرماتے کیونکہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کھانے کا وقت یہی تھا۔ نمازِ عصر کے بعد مشکوٰۃ شریف یا مکتوباتِ امام ربانی سے درس ہوتا اور جب دولت خانہ سے مسجد میں تشریف لاتے تو امراء اپنے دوشالے اور رومال آستانے سے مسجد تک بچھا کر فرش بنا دیتے تاکہ قدم مبارک زمین پر نہ پڑیں اور اگر کسی مریض کی عیادت کرنے یا کسی کی دعوت قبول فرما کر سواری پہ جاتے تو ان کی سواری بادشاہوں کی طرح جلوہ گر ہوتی۔

ایک روز یہ (خواجہ محمد زبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سوار ہو کر جامع مسجد (دہلی) کے قریب سے گزر رہے تھے۔ اور حضرت شاہ گلشن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دیکھا کہ ایک شخص پالکی میں سوار ہے اور کتنی ہی پالکیاں اس کی رکاب میں ہیں۔ ایک پورا مجمع غلامانہ انداز میں اس کی پالکی کے آگے پیچھے ہے اور اس پالکی پہ انوار اس طرح محیط ہیں کہ گویا پالکی سے آسمان تک نور کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ حضرت شاہ گلشن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی پرانی گدڑی سر سے اتار پھینکی اور یاروں سے کہنے لگے کہ اسے جلا دو۔ لوگ عرض گزار ہوئے کہ اس حکم کا سبب کیا ہے۔ فرمایا یہ جو سوار جا رہا ہے اس کی سواری (شانِ امارت جو بظاہر محسوس ہوتی تھی) میں اتنا نور ہے کہ میں نے اپنی گودڑی میں اس کا معمولی حصہ بھی مشاہدہ نہیں کیا، حالانکہ تیئس سال اس گودڑی کے ساتھ ریاضت میں بسر کیئے ہیں۔ ایک شخص عرض گزار ہوا کہ یہ حضرت محمد زبیر ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ الحمدللہ، یہ تو میرے پیر زادے ہیں میری آبرو رہ گئی اور اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ وہ

حضرت قبلۂ عالم کی خدمت میں استفادہ کی غرض سے جائیں اور جہاں وہ تشریف رکھیں وہاں کسی کو مرید کرنا میرے لیے جائز نہیں ہے۔

اسی دوران میں آپ نے اولیائے متقدمین کی ریاضتوں اور مجاہدوں کا ذکر فرمایا اور بڑے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ ہمارے ہاتھ تو کچھ بھی نہیں آیا۔ اس کے بعد مقامِ شکر میں آ کر فرمایا کہ خدا کے فضل سے اگر کوئی شخص یہاں آئے اور ہمارے فرمودات کے مطابق کام کرے اس پر کتنی ہی چیزیں وارد ہوں گی اور یہ شعر پڑھا۔

شعر عاشق[1] کجا کہ یار بجانش نظر نکرد
اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

۵۸

۹ رجمادی الاخرہ ۱۲۳۱ھ ——— بدھ

حضورِ والا میں حاضر ہوا۔ طالبین میں خطرات اور وسوسوں کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ دل میں جو خطرے اور وسوسے آتے ہیں اُن کی چار قسمیں ہیں:۔

(۱) شیطانی (۲) مَلَکی

(۳) نفسانی (۴) حقّانی

وہ وسوسے اور خطرے جو شیطانی ہوتے ہیں۔ بائیں جانب سے آتے ہیں اور مَلَکی دائیں جانب سے۔ نفسانی اوپر سے کیونکہ دماغ اوپر ہے اور حقّانی فوق الفوق سے دل پر نزول کرتے ہیں۔

یہ بھی فرمایا کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا (خطرات کے بارے میں) ارشادِ گرامی ہے کہ ذَالِکَ مِنْ کَمَالِ الْاِیْمَانِ۔ یعنی ان خطرات کا آنا کمالِ ایمان کا

---

[1] عاشق کہاں ہے کہ یار نے اسکی جان پر نظر نہ کی ہو۔ اے خواجہ! درد ہی نہیں ہے ورنہ طبیب تو ہے۔

تقاضا ہے کیونکہ جس جگہ کوئی چیز ہوتی ہے اسی جگہ چور کے آنے کا خطرہ ہوتا ہے ـــــ
مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ اس مبارک طریقے میں خدا کے فضل سے اور پیرانِ کبار کی
توجہات سے طالبین کے دل سے خطرات کم ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد گم ہو جاتے
ہیں اور دل کے اندر نہیں جانے پاتے بلکہ مکھی کی طرح جیسے وہ شیشے پر بیٹھ تو جاتی ہے
لیکن اندر نہیں جا سکتی یا جیسے سطح دریا پر خس و خاشاک ہوتے ہیں لیکن پانی کے اندر نہیں
جاتے، اسی طرح دل کے باہر تو خطرات آتے رہتے ہیں لیکن دل میں داخل نہیں ہو سکتے
اس کے بعد وہاں سے ہٹ کر لطیفۂ نفس میں آجاتے ہیں اور تزکیۂ نفس کے بعد قوتِ متخیلہ
میں ظہور کرتے ہیں اور جب یہاں سے بھی چلے جاتے ہیں تو کسی جگہ اور کسی وقت نہیں
آتے۔ اس مقام پر پہنچنے والے کو فرض کیجئے کہ ہزار سالہ عمر بھی مل جائے تب بھی غیر کا
خیال دل میں نہیں آئے گا۔

۵۹

۱۰ر جمادی الآخرہ ۱۲۳۱ھ ـــــ جمعرات

غلام محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ جس کا یقین زیادہ ہے
اس کا مقامِ قرب اتنا ہی اعلیٰ ہے۔ جاننا چاہیئے کہ یقین کے تین مقام ہیں:۔

۱۔ اوّل علم الیقین۔

۲۔ دوم عین الیقین

۳۔ سوم حق الیقین

ان کی تفصیل کتابوں میں لکھی ہوئی ہے یہاں تحریر کرنے کی حاجت نہیں ـــــ مرشدِ
گرامی قدر نے یہ بھی فرمایا:۔

ایک روز میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی	روضۂ[1] مزارِ پُر انوار خواجہ قطب الدین

[1] انصاف پسند حضرات کو اس عبارت کا بغور مطالعہ کرنا چاہیئے کہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

بختیار کاکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رفتہ بودم باللہ العلی العظیم خواجہ را دیدم کہ از مزار خود بیروں آمدہ استقبال من نمودند و بسیار نوازشہا فرمودند۔ (ص۷۴)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پرانوار پہ حاضر ہوا۔ خدائے بزرگ و برتر کی قسم میں نے حضرت خواجہ کو دیکھا کہ اپنے مزار سے باہر آئے ہیں اور میرا استقبال کیا اور خوب نوازشیں فرمائیں۔

۶۰

۱۱ر جمادی الآخرہ ۱۲۳۱ھ جمعۃ المبارک

حضور عالی میں حاضر ہوا۔ اس وقت بزرگوں کے وفات پانے کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ میرے والدِ ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سلسلہ عالیہ قادریہ سے منسلک تھے۔ جب ان کے وصال کا وقت قریب آیا تو فرمانے لگے کہ حضرت غوث الاعظم، محبوبِ سبحانی، سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما ہیں۔ بلکہ اپنے دستِ مبارک سے اشارہ کرکے فرمایا کہ حضرت غوث الاعظم یہ کھڑے ہیں اور جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ اللہ تعالیٰ اُن کی قبر کو منوّر فرمائے اور اُن کی خواب گاہ کو ٹھنڈی رکھے اور آپ نے اُن کی بہت سی کرامتیں اور خوارق بیان فرمائے۔

۶۱

۱۲ر جمادی الآخرہ ۱۲۳۱ھ —— ہفتہ

حضور فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ مولوی بشارت اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) قسم کے ساتھ موکد کرکے کیا فرما رہے ہیں۔ کیا اولیاء اللہ کو ماننے والوں کے لیے (۱) مزاراتِ اولیاء کی حاضری (۲) حیات انبیاء و اولیاء (۳) سماعِ موتیٰ (۴) تصرفِ اولیاء (۵) استمداد از مقربین بارگاہِ الٰہیہ —— یہ مسائل اختلافی ہیں؟ ان مسائل میں اختلاف وہی کرتے ہیں جن میں نہ کوئی ولی ہوا اور نہ قیامت تک ہوسکتا ہے، لہٰذا وہ اِن امور پر یقین کریں تو کیا دیکھ کر؟ اسی لیے منکر ہو بیٹھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت بخشے۔ آمین۔

صاحب کا خط آیا تھا۔ میں نے انہیں جواب میں تحریر کیا ہے کہ گزشتہ پر ندامت کا اظہار اور استغفار کریں اور آئندہ (نامناسب باتوں سے) اجتناب کو لازم سمجھیں اور ہمیشہ یادِ الٰہی میں مشغول رہیں۔ اسی اثنا میں ایک شخص نے گزارش پیش کی کہ حضورِ والا مجھے کوئی چیز تعلیم فرمائیں آپ نے آیۂ کریمہ قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ (کہہ اللہ، پھر باقی سب کو چھوڑ دے) اور اس کی تفسیر اسی انداز پر رقم فرمائی کہ تمام جزئی و کلی امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیے اور اپنی جانب سے تدبیر اور معاش کی فکر نہیں کرنی چاہیے اور ماسوی اللہ سے تعلقات کو چھوڑ دینا چاہیے اور اپنے تمام کام باری تعالیٰ کے سپرد کر دیئے جائیں۔

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

۶۲

۱۳ جمادی الاخرہ ۱۲۳۱ھ ـــــــ اتوار

حضور فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ متقدمین صوفیہ نے فرمایا ہے کہ راہِ الٰہی ۲ دو قدم ہے۔ ایک قدم اپنی ہستی سے باہر نکلنے کے لئے رکھنا ہے اور دوسرا قدم واصل باللہ ہونے کے لئے ـــــــ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ جس راستے کو ہم طے کر رہے ہیں وہ صرف سات قدم ہے۔ ۲ دو قدموں کا تعلق عالمِ خلق سے ہے اور پانچ کا عالمِ امر سے۔ سب سے پہلے سالک جب عالمِ امر میں قدم رکھتا ہے تو تجلی افعالی دکھائی دیتی ہے جس سے مراد فنائے قلبی ہے۔ دوسری تجلی صفاتِ ثبوتیہ کی ہے جو فنائے روحی سے عبارت ہے۔ تیسرا قدم شیونات ذاتیہ الٰہیہ ہے جو فنائے سری کا نام ہے۔ چوتھا قدم صفاتِ سلبیہ الٰہیہ میں ہے جو فنائے خفی ہے۔ پانچواں قدم شانِ جامع الٰہی کے اندر ہے جو فنائے اخفیٰ سے عبارت ہے اور وہ دونوں قدم جو عالمِ خلق سے تعلق رکھتے ہیں، اُن میں سے پہلا قدم لطیفۂ نفس کی فنا ہے اور دوسرا لطیفۂ قالب کی فنا۔

مرشد گرامی قدر نے فرمایا کہ جب تک یہ ساتوں لطائف طے ہوتے ہیں اس وقت تک طریقۂ عالیہ مجددیہ کے سلوک کا نصف راستہ طے ہو جاتا ہے اور جو نصف باقی رہ گیا، یہ مرتبہ کے لحاظ سے بہت وسیع اور نہایت عالی ہے اور یہ کمالات ثلاثہ و حقائق سبعہ سے عبارت ہے کہ جن کی تفصیل حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکتوبات قدسی آیات میں مدلل و مفصل مذکور ہے۔

۶۳

۱۴ / جمادی الآخرہ ۱۲۳۱ھ ـــــــ پیر

بندہ محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق اس وقت قرآن کریم کا درس دے رہے تھے اور حقائق کے چمکدار موتی تحقیق و تدقیق کی لڑی میں پرو رہے تھے۔ ایک شخص عرض گزار ہوا کہ آپ اس وقت علم میں حضرت مولوی عبدالعزیز صاحب سے بڑھ کر ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

توبہ۔ ایشاں بحرِ علم و دریائے بیانند از گل گلدستہ مہیا می سازند و من از گل غنچہ میکنم۔ (صفحہ ۷۶)	توبہ۔ وہ علم کے سمندر اور بیان کے دریا ہیں۔ پھول سے گلدستہ تیار کرتے ہیں اور میں پھول کو غنچہ بناتا ہوں۔

۶۴

۱۵ / جمادی الآخرہ ۱۲۳۱ھ ـــــــ منگل

یہ غلام اس قبلۂ انام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے ارشاد فرمایا کہ ایک روز حضرت شاہ گلشن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک آدمی دروازے سے اندر داخل ہوا۔ آپ اس کی تعظیم کے لیے سرو قد کھڑے ہو گئے۔ لوگ حیران رہ گئے اس کے بعد آپ نے اس ذمی آدمی سے پوچھا کہ تیرے اندر سے مجھے اپنے مرشد کی بو آتی ہے۔ وہ شخص عرض گذار ہوا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے ماسوائے ان کی ایک کتاب

کے کتاب کھول کر دیکھا گیا تو اس میں چند سطریں مظہرِ اسرار سرمد حضرت شیخ عبدالاحد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دستِ خاص کی تحریر فرمودہ موجود تھیں

مرشد برحق نے یہ بھی فرمایا کہ ایک روز مولوی رفیع الدین صاحب مدظلہم اللہ تعالیٰ ایک کتاب پڑھ رہے تھے اور میں بھی اس مجلس میں حاضر تھا۔ ایک بڑے انوار و برکات کا نزول ہونے لگا۔ میں نے کہا کہ ان دو سطروں کے پڑھنے سے بہت فیوض وارد ہوا ہے مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ دونوں سطریں حضرت عبدالاحد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دستِ مبارک کی لکھی ہوئی ہیں۔

مرشد برحق نے فرمایا کہ دوسرے روز بھی اسی طرح کا واقعہ ہوا تو میں نے کہا کہ آج دوسری طرح کا فیض آیا ہے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ سطریں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی لکھی ہوئی ہیں ــــــــ راقم الحروف کہتا ہے کہ اولیاء اللہ باغِ وحدت کے پھول ہیں۔ ہر ایک پھول کو علیحدہ بُو اور جُدا رنگ عطا فرمایا گیا ہے۔ جس کسی کو قوتِ شامہ (سونگھنے کی طاقت) مرحمت فرمائی گئی ہے، وہ ان کے رنگ و بُو کی تمیز کر لیتا ہے اور یہ تمام رنگ اسی بیرنگ کا ظہور ہے کہ ہر پھول کے اندر نرالے رنگ میں جلوہ گر گردیدہ ہے۔ عاشقِ شیدا جس رنگ کو بھی دیکھتا ہے تو اُس کے اندر بیرنگ کے رنگ کو پہچانتا اور ہر وہ خوشبو جسے سونگھتا ہے اس کے اندر محبوبِ حقیقی کی بُو تلاش کرتا ہے اور ناچار بلبلِ شیدا کی طرح بے قراری کا جام پی کر چلانے کی کوشش کرتا ہے۔

لہ آپ خازن الرحمۃ خواجہ محمد سعید بن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے فرزند ہیں۔ شاہ گل کے لقب سے مشہور تھے۔ بچپن سے ہی صاحبِ استعداد اور خاندانی کمالات کے حامل تھے۔ پیدائش غالباً ۱۰۴۷ھ میں ہوئی۔ اپنے والدِ محترم اور چچا، حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے فیوض و کمالات حاصل کیے اور خلافت حاصل کی۔ ۲۷ ذوالحجہ ۱۱۲۶ھ بروز جمعۃ المبارک وصال فرمایا۔

۶۵

۱۶ جمادی الآخرہ ۱۲۲۱ھ ـــــ بدھ

بندہ حضور سراسر نور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت غزنی اور بخارا کے کچھ حضرات بھی حضور پُر نور میں حاضر تھے۔ واپسی کی اجازت مانگتے تھے۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ تم میں سے ایک صاحب کچھ عرصہ کے لئے یہاں ٹھہر جائیں تاکہ وہ پوری طرح باطنی نسبت حاصل کر کے اپنے وطن کو جائیں۔ شیخ گل محمد غزنوی بھی اس مجلس میں حاضر تھے۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ گل محمد کو دیکھئے کہ یہ پیر بخارا ہو گئے ہیں جب یہ یہاں آئے تھے تو قرآن ناظرہ بھی نہیں پڑھا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور پیرانِ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی نظر عنایت سے تھوڑی سی مدت میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ علم فقہ بھی حاصل کیا اور پوری قوت سے نسبت باطن پیدا کر کے مجھ سے خرقہ خلافت حاصل کر لیا ہے اور بخارا شریف میں مسند ارشاد پہ فائز ہو کر لوگوں کی رشد و ہدایت کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے یہ شعر پڑھا۔

بنشیں بگدایان درِ دوست کہ ہر کس
بنشست بایں طائفہ شاہی شد و برخاست[1]

۶۶

۱۷ ارجمادی الآخرہ ۱۲۳۱ھ ـــــ جمعرات

محفل فیض منزل میں حاضر ہوا مرشد برحق نے فرمایا کہ جب نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے اور بری عادتیں نیکیوں میں بدل جاتی ہیں تو اس وقت کیفیت یہ ہوتی ہے۔

شاہی شدہ بر تخت صدر می نشیند

اور یہ حالت ولایت کبریٰ کا دائرہ طے کرنے کے بعد میسر آتی ہے جو تین دائروں اور ایک

---

[1] دردوست کے گداگروں کے پاس بیٹھو۔ جو اس گروہ کے پاس بیٹھتا ہے، وہ بادشاہ بن کر اٹھتا ہے۔

توسس پہ مشتمل ہے اور اس وقت شرح صدر حاصل ہوجاتا ہے اور نظری اشیاء بدیہی ہو جاتی ہیں اور استدلال کشفی ہو جاتا ہے جو فنائے نفس سے عبارت ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس فنا کا کمال کافی مدت کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سالک جب چالیس سال تک خلوت اختیار کرے اور ہر روز چالیس ہزار بار اسمِ ذات و نفی و اثبات کی مداومت کرے تب فنا کے اس کمال تک پہنچتا ہے ــــــ مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ مرزا مظہر جانِ جاناں رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نے تنبیہ رہان پیران باز نامہ رست کی یعنی چار سال حضرت مظہر انوارِ سبحانی، سید نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں رہ کر توجہ حاصل کی اور ان کے انتقال فرمانے کے بعد چھ سال تک ان کے مزارِ پُر انوار پہ حاضر رہا۔ اس کے بعد عارف باللہ، حضرت حافظ سعد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں گیا اور بارہ سال اس مرشدِ باکمال کی خدمت میں گزارے۔ ان کے وصال کے بعد منخر زاہد، حضرت شیخ محمد عابد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آیا اور دس سال تک ان کی توجہ سے مستفیض ہوتا رہا۔ ان کی وفات کو تیس سال گزر چکے ہیں کہ اسی وقت سے اذکار و حلقہ و مراقبہ کے اشتغال میں مشغول ہوں اور لوگوں کو بیعت و ہدایت کرتا رہتا ہوں۔ پس اب جبکہ ساٹھ سال اس راستے کو طے کرتے ہوئے گزار چکا ہوں تب جا کر فنائے قلبی تمام و کمال میسر آئی ہے اور تعلق علمی جیسا کہ چاہیئے دل میں نہیں رہا ہے۔ میں اپنے آپ کو مُردہ دیکھتا ہوں نیز ہستی کا نام اور خودی کا نشان نہیں پاتا لوگ میرے نزدیک آکر سلام و کلام کرتے اور پیغام پہنچاتے ہیں لیکن میں یہی سمجھتا ہوں کہ میں مُردہ ہوں اور یہ میری قبر پہ آکر سلام و کلام کرتے اور پیغام پہنچاتے ہیں جب دوسری بار کہتے ہیں تو میں غور سے دیکھتا ہوں اور کہتا ہوں کہ شاید میں زندہ ہوں۔

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ جناب قیومِ زماں، خلیفۂ رحمٰن، قطبِ شام و روم، حضرت خواجہ محمد معصوم عروۃ الوثقیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے ہیں لیکن حقیقت میں اِلَّا اللّٰہُ کی جگہ اِلَّا اَنَا کہہ رہے ہوتے ہیں کیونکہ جب تک فنائے نفس حاصل نہ ہو جو انانیت کے ختم ہونے کا نام ہے۔ اس وقت تک اِلَّا اللّٰہُ سے اِلَّا اَنَا ہی سمجھا جائے گا۔

حضرت عُروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک روز میں نے بارگاہ خداوندی میں بڑی گریہ وزاری کی تاکہ انانیت کی فنا حاصل ہو جائے تو میں نے مشاہدہ کیا کہ بہت سارے زنار میری گردن سے اُتر کر ٹوٹ رہے ہیں۔ اس کے بعد میں اپنے والد و مرشد حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ سارا ماجرا عرض کیا۔ حضرت والدِ ماجد نے فرمایا کہ فنائے کامل ابھی حاصل نہیں ہوگی۔ کافی عرصے کے بعد طوافِ بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی اور اس جگہ اللہ جلّ شانہ کے فضل و کرم سے یہ دولتِ عظمیٰ اور بخشش کبریٰ حاصل ہوگئی والحمد للہ والمنۃ کہ اس سعادت کے حاصل ہونے سے جو کلمہ طیبہ میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنَا میں گرفتار تھا، اُس سے باہر نکل کر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں مشغول ہوگیا ہوں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

اس کے بعد مرشدِ برحق نے فرمایا کہ بُرے اخلاق اور صفاتِ بشریت کو بدلنے اور انانیت کو دُور کرنے کی خاطر کلمہ طیبہ کی تکرار اور ذکر کی کثرت چاہیئے۔ جب اللہ جلّ شانہ کے انوار غالب آئے تو سالک کو اخلاق و اوصاف میں شکستگی حاصل ہوگی۔ آیہ کریمہ: اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً[۱]۔ بھی اس معنی کی جانب اشارہ کرتی ہے۔

---

[۱] بیشک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں، اُسے تباہ کر دیتے ہیں اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کرتے ہیں۔ (سورۃ النمل، آیت ۳۴)

۶۷

۱۸ / جمادی الاخرہ ۱۳۹۱ھ جمعۃ المبارک

حضورِ والا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ایک عزیز سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آیۂ کریمہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ[1] ذکر قلبی کے دوام کی جانب اشارہ کرتی ہے اور آیۂ کریمہ[2] فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِكُمْ سے بھی یہی ذکر قلبی مفہوم ہوتا ہے یعنی ذکر قلبی ہمیشہ کرنا چاہیئے اور ہمیشہ ذکر رسانی کرنا مشکل ہے

اسی اثنا میں اخوان صاحب عرض گزار ہوئے کہ اگر کوئی بزرگ اپنی زندگی میں کسی کو خلیفہ مقرر نہ فرمائے اور اس کی وفات کے بعد مشائخ وقت کسی شخص کو اس کا جانشین مقرر کر دیں اور اُسے خرقہ و کلاہ پہنا دیں، تو اس شخص میں برکت و نسبت پیدا ہو جائے گی؟ مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ ہاں، ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ایک حکایت بیان فرمائی کہ کسی بزرگ کا انتقال ہو گیا اور انہوں نے کسی کو اپنا خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا۔ اُن کے وصال کے بعد لوگ جمع ہوئے اور ایک شخص کو اس بزرگ کا جُبّہ پہنایا اور دستارِ مُبارک سر پر رکھ دی۔ فوراً اُس شخص کی حالت اس بزرگ جیسی ہو گئی اور ترک و تجرید کے اُسی مرتبہ تک وہ بھی جا پہنچا۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک بزرگ نے بوقتِ وصال یہ وصیت فرمائی کہ میرے انتقال کے بعد جب چہلم کے روز بہت سے لوگوں کا مجمع ہوگا تو اُس وقت غیب سے ایک پرندہ اُڑتا ہوا آئے گا اور جس کے سر پر وہ پرندہ بیٹھ جائے وہی میرا خلیفہ ہے۔ حاضرین اس بات کو سُن کر حیران ہوئے۔ فضلِ الٰہی سے جب اس بزرگ کا انتقال ہو گیا تو چہلم کے روز واقعہ پیش آیا کہ ایک پرندہ فضائے آسمانی سے اُڑتا ہوا لوگوں کے مجمع میں آیا اور

---

[1] وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے (سورۃ النور، آیت ۳۷)

[2] اللہ کی یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے۔ (سورۃ النساء، آیت ۱۰۳)

ایک بازاری آدمی کے سر پہ آ بیٹھا حالانکہ وہ شخص طریقہ کی اجازت کے لائق اور خلافت کے قابل نہیں تھا۔ لیکن اس بزرگ کے فرمان کے مطابق لوگوں نے اس سے کہا کہ خرقہ خلافت کی تمہارے لئے وصیت فرمائی گئی ہے۔ اس شخص نے جواب دیا کہ میں تو بازاری آدمی ہوں اس کام کا اہل نہیں ہوں۔ آخرکار صاحب کمال لوگوں کے کہنے پہ وہ بات کو سمجھ گیا اور کہنے لگا کہ میں بازار میں جا کر اپنے لین دین صاف کر کے ابھی واپس آتا ہوں۔ پس وہ شخص بازار گیا اور اپنے تمام معاملے طے کر کے واپس لوٹا اس بزرگ کا خرقہ و دستار زیب تن کر لیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت اُسے باطنی نسبت سے سرفراز فرما دیا۔

مرشد برحق نے یہ بھی فرمایا کہ شاہ عبدالرحمٰن قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بزرگ آدمی تھے اور زرک و تجرید میں راسخ قدم تھے۔ اکثر اوقات بیل پہ سواری کیا کرتے تھے۔ چار ردیاں اور پنیر کا ٹکڑا سر پہ باندھ لیتے۔ چوپاؤں کی کھال کا لباس پہنتے تھے۔ ان سے کتنی ہی کرامات کا صدور ہوا۔ اُن کے بعد اُن کا فرزند جانشین ہوا۔ لوگوں کا رجوع ان کی جانب ہو گیا۔ اُن کے مریدوں میں سے شاہ حسین نامی ایک شخص اپنے پیرزادے کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جب بہت مجمع تھا اور عرض گزار ہوا کہ اگر حضرت پیر و مرشد کا کھال والا لباس مجھے مرحمت فرما دیں تو میں اُمیدوار ہوں اور کئی بار یہ مطالبہ دُہرایا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تو دیوانہ ہے جو جھلنگا مانگتا ہے۔ آخر وہ اسے دے دیا گیا۔ شاہ حسین نے اس جھلنگے کو خلعت فاخرہ سے بہتر شمار کرتے ہوئے زیب تن کر لیا۔ اُسی وقت تمام لوگوں کی توجہ اس کی جانب ہو گئی اور اپنے پیر و مرشد کا قائم مقام ہو گیا —— اس کے بعد آپ کے حضور محبوب کبریا سرور سردوسرا۔ احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات انمہا ومن التسلیمات اکملہا کے حلیہ مبارک کا ذکر آیا۔ مرشد برحق نے یہ شعر پڑھا۔

تصور نیکہ تو ئی کمتر آفرید خدا
تراکشیدہ و دست از قلم کشید خدا

لے آپ کی صورت کا اللہ تعالیٰ نے دوسرا پیدا نہیں فرمایا۔ آپ کی صورت کشی کر کے خدا نے اپنا قلم روک لیا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ دوسرا شعر بھی یاد آیا ہے لیکن تقاضائے ادب اس کے پڑھنے سے مانع ہے۔ بعض اہل مجلس کے کہنے پر آپ نے وہ شعر پڑھا، جو یہ ہے:۔

تو باآں جمال وخوبی چوں بطور جلوہ آئی[1]
اَرِنی بگوید آنکس کہ بگفت لَن تَرانی

۶۸

۱۹؍ جمادی الآخرہ سنہ ۱۲۳۱ھ ———— ہفتہ

مَیں خدمت عالی میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت مجدّد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام پر بعض عزیزوں کے شبہات کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ فضیلت پناہ مولوی سیّد محی الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو پیر و مرشد مرزا جانِ جاناں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص اصحاب و احباب سے تھے۔ آپ مولوی فخر الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ مولوی صاحب مرحوم نے فرمایا کہ حضرت مجدّد الفِ ثانی قدس سرّہٗ نے اپنے قلمی مکتوبات میں اعتراضات کے جو جواب دیئے ہیں وہ کسی سے بن نہیں پڑیگا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:۔ مَیں جانتا ہوں کہ مولوی غلام محی الدین کون شخص تھے۔ وہ ایک جنیدی بزرگ تھے ان کا صبر، توکل، قناعت اور ریاضت سب کچھ جنیدیوں کے مانند تھا۔ گویا کہ وہ سیّد الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ کے ایک فرد تھے۔ لوگ کہا کرتے تھے کہ حضرت مرزا صاحب قبلہ کبھی ان کے سامنے نہیں آتے۔ مرزا صاحب فرماتے کہ لوگ عقل نہیں رکھتے، پیرزادگی سے کیا ہوتا ہے۔ وہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ ان کے استاد مولوی باب اللہ صاحب مرحوم نے جب بغداد شریف حاضر ہونے کا ارادہ کیا تو حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے خواب میں فرمایا کہ تمہارے پاس

---

[1] آپ جب اس جمال وخوبی سے جلوہ افروز ہوئے تو جس نے لَن تَرانی کہا تھا وہ اَرِنی کہتا ہے۔

میرا فرزند ارجمند غلام محی الدین موجود ہے لہٰذا تمہیں میرے پاس آنے کی حاجت نہیں ہے۔

۶۹

۲۰ جمادی الاُخریٰ ۱۲۳۱ھ ——— اتوار

یہ غلام اس حضورِ پُر نور قبلہ انام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے آداب فدویانہ پر نگاہِ خسروانہ اور اس عاصی پُر معاصی پر اظہار لطف و کرم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دو روز سے اس شخص کے لطیفۂ نفس پر توجہ ڈال رہا ہوں۔ لطیفۂ مذکور کے انوار اس کی پیشانی میں دُور سے بھی دیکھے جا سکتے تھے ——— اس کے بعد مرشد برحق نے فرمایا کہ سبحان اللہ! حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عجیب نظر کرم ہے کہ جس مقام میں توجہ ڈالتا ہوں اسی وقت اس مقام کے انوار سالک پر وارد ہو جاتے ہیں۔ یہ سب پیرانِ عظام کی نظرِ عنایت ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

۷۰

۲۱ جمادی الاُخریٰ ۱۲۳۱ھ ——— پیر

فدوی محفل فیض منزل میں حاضر ہو کر حضور والا کے دیدار فیض آثار سے شرف سے مستفیض ہوا۔ مرشد برحق نے اس شکستہ و دلِ خستہ کی جانب خطاب مستطاب فرمایا کہ نسبتِ عالیہ میں کمال درجہ بیرنگی ظاہر ہوتی ہے اور ذوق و شوق کے سارے متاملے ولایتِ قلبی سے وابستہ ——— مرشد گرامی قدر نے یہ بھی فرمایا کہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں ذکر شرط ہے اور خطرات کی نگہداشت، وقوفِ قلبی، بازگشت نظر اور مرشد کی توجہ اس راہ کے اعظم ارکان سے ہیں۔ اس کے بعد آپ کے حضور ذکر آیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تمام علوم بسم اللہ کی با میں مندرج ہیں بلکہ باد کے نقطے میں موجود ہیں۔ اس کے بعد آپ نے یہ رباعی پڑھی :-

دِل[1] گفت مرا علمِ لدنّی ہوس ست | تعلیم کُن گرنہ ا دسترس ست
گفتم کہ الف، گفت دِگر، گفتم ہیچ! | درخانہ اگر کس ست یک حرف بس ست

راقم الحروف عفی عنہٗ کہتا ہے کہ تمام علوم کا ایک نقطے میں جمع ہونا ظاہری طور پہ اس معنی میں بھی ہوسکتا ہے کہ ہر خط جو کھینچا جائے اس کا مبدا و مصدر نقطہ ہوتا ہے۔ بلکہ مُبدار کیا، اُسی نقطے کو جب کھینچا جاتا ہے تو وہ خط کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پس علمِ خدا سے عبارت ہے اور وہ نقطے میں موجود ہے ــــــــ اس کے بعد آپ کے حضور مجاہدے، ریاضت اور ترک و تجرید کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ ہم سے تو کوئی بھی کام نہ ہو سکا۔ دن بھر باتیں بناتے ہیں اور رات بھر خراٹے لیتے ہیں۔ حالانکہ اس راہ (تصوّف) میں شب بیداری کرنا۔ گفتار سے باز رہنا، کم کھانا۔ لوگوں سے علیحدگی اختیار کرنا ضروری ہے تاکہ معرفت کا دروازہ کھولا جا سکے۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

جاں[2] بدہ و جاں بدہ و جاں بدہ
فائدہ در گفتنِ بسیار چیست

۷۱

۲۱ جمادی الآخرہ ۱۲۳۱ھ ــــــــ منگل

خدمتِ عالی میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت مجدد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے مکتوبات قدسی آیات کا درس ہو رہا تھا۔ لکھا تھا کہ مراقبۂ احدیّت کی ابتدا میں اسم مبارک اللہ کا ذکر کرتے

---

[1] دِل نے کہا کہ مجھے علم لدنی کی ہوس ہے۔ اگر تیری وہاں تک رسائی ہے تو مجھے سکھا۔ مَیں نے کہا الف، اس نے پُوچھا۔ دوسری چیز۔ مَیں نے کہا کچھ بھی نہیں۔ اگر خانہ (دماغ) میں کچھ (عقل) ہے تو یہ ایک حرف کافی ہے۔

[2] جان قربان کر، جان قربان کر، جان قربان کر۔ زیادہ قیل و قال میں فائدہ کیا ہے۔

ہیں جو ا۔

جامع جمیع صفاتِ کمال و منزّہ از نقصان و زوال ست (صہ ۲)	جو تمام صفاتِ کمالیہ (کمال والی) کا جامع اور نقصان و زوال سے پاک ہے۔

اور صفات کا لحاظ رکھے بغیر (اسم ذات کا ذکر کرے) یعنی اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر و علیم و قدیر ہے۔ پس مولوی شاہ محمد عظیم صاحب نے عرض کیا کہ سمع و بصر و علم و قدرت کا لحاظ نہ رکھنے کی وجہ کیا ہے۔ اس پر مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ اس مراقبہ میں ذات کو ملحوظ رکھا جاتا ہے جو تمام صفات کی جامع ہے اور صفات میں سے کسی صفت کا لحاظ نہیں رکھا جاتا کیونکہ ذات تو مقصود بالذات ہے اور صفات کی طرف توجہ کرنا، جو مقصود بالعرض ہیں، مقصود حقیقی سے مطلوب بالعرض کی جانب مائل ہونا ہے۔

۴۲

۲۳ جمادی الآخرہ سنہ ۱۲۳۱ھ ——— بدھ

محفل فیضِ منزل میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ محبوب حقیقی کا ذکر کرنے والے اور مطلوب تحقیقی کی عبادت کرنے والے شب و روز پروردگار کی یاد میں مصروف ہیں اور رات دن عبادت میں اس دل افروز شمع کو مالوف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے ذکر کرنے والے کو دیکھتا ہے۔ افسوس! صد افسوس!! کہ ہم کھانے پینے کی فکر میں مشغول ہیں۔ پس مجھے یوں کہنا چاہیئے کہ جو کچھ میں کھاتا پیتا ہوں اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا ہے۔

اس کے بعد آپ کے حضور فقیر کا ذکر آیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ فقیر وہ ہے جو مراد سے خالی ہو جائے اور فقیر وہ نہیں ہے جو زادِ راہ سے خالی ہو ——— بعدہٗ آپ کے حضور صبر و قناعت کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ حضرت خواجہ ناصر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کمال درجہ صبر و قناعت رکھتے تھے۔ حوصلہ مندی کے پہاڑ تھے۔ فاقے پہ فاقے برداشت کرتے لیکن اپنی جگہ نہیں چھوڑتے تھے۔ اپنے دونوں زانوؤں کو رسّی سے باندھ کر زمین پہ بیٹھا

کرتے تاکہ اٹھنے کا خیال بھی نہ آئے۔ ہمیشہ حق جل جلالہٗ کی بارگاہ میں دُعا کرتے رہتے کہ الٰہی!
اگر میں بنی فاطمہ سے ہوں تو میرے گھر سے فاقہ نہ جائے اور مجھے رزق کی فراخی میسر نہ ہو۔
ان کے فرزند ارجمند حضرت خواجہ میر درد فرماتے ہیں کہ مجھے سارے عمر میں ڈیڑھ فاقہ میسر آیا
ہے ایک فاقہ تو وہ ہے جو بائیس (۲۲) روز رہا اور نصف فاقہ وہ ہے جو پندرہ روز رہا تھا
سبحان اللہ! فاقہ کتنی عجیب نعمت ہے۔ لیکن جو اسے برداشت کر سکے کیونکہ اس سے صفتِ
صمدیت کا ظہور ہوتا ہے۔ اسی لئے تو صوفی حضرات نے فاقے کی رات کو (اپنے لئے) شبِ
معراج کہا ہے ——— اس کے بعد آپ کے حضور توحیدِ وجودی کا ذکر آیا۔ مرشد برحق
نے فرمایا کہ حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقولہ ہے کیونکہ دنیا ایک عین میں اعراض
کا جمع ہونا ہے۔

وصوفیانِ دیگر کہ قائل ہمہ اوست اند
کلمات و تلفظات ایشاں در ظاہر مخالف
شریعت معلوم می شوند و احوالاتیکہ
مکشوفات حضرت محبوب سبحانی مجدد الف
ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و توابعان ایشاں
ہستند ظاہر بشریعت آراستہ و باطن
بطریقت پیراستہ اند اقوال ایشاں
ست کہ معارفیکہ سرمو مخالف شرع
شریعت باشد بجوئے نخرند و نسبتے کہ
از ذکر خفی و وقوف قلبی حاصل می شود
آں حضور و آگاہی و جمعیت ست
اعتباری سازند و اکابرانِ طریق

اور دوسرے صوفیائے کرام جو ہمہ اوست
کے قائل ہیں ان کے بعض کلمات و بیانات
بظاہر شریعت کے مخالف معلوم ہوتے ہیں
اور حضرت محبوب سبحانی مجدد الف ثانی رضی
اللہ تعالیٰ عنہ اور اس سرکار کے متبعین
کے احوال و مکشوفات کو دیکھیے تو ظاہر
میں شریعت سے آراستہ اور باطن میں طریقت
سے پیراستہ ہیں۔ ان حضرات کے اقوال
تو ایسے ہیں کہ جو معارف سرِمو شریعت
مطہرہ کے خلاف ہوں، انہیں ایک دانہ جو
کے بدلے نہیں خریدتے اور وہ نسبت جو
ذکر خفی اور وقوفِ قلبی سے حاصل ہو جو

- دیگر احوالے کہ از ذکر جہر و سماع بحصول می آید مہ معتبر می دانند واین بزرگواران آنرا غیر معتبر می شمارند لہٰذا متصوفان دیگر معترض بر مکشوفات ایشاں ہستند الحق کہ معارف ایشاں از فہم افہام اعلیٰ ہستند و از درک ادراک بالا۔

(ص ۸۲، ۸۳)

حضور و آگاہی اور جمعیت ہے اسی کا اعتبار کرتے ہیں جبکہ دوسرے طریقوں کے بزرگ ان احوال کو جو ذکر جہر اور سماع سے حاصل ہوں معتبر شمار کرتے ہیں اور یہ بزرگ (مجددی حضرات) اُن احوال کو غیر معتبر شمار کرتے ہیں۔ لہٰذا دوسرے سلاسل کے صوفیائے کرام ان حضرات کے مکشوفات پر معترض ہوتے ہیں حق یہ ہے کہ ان (مجددی حضرات) کے معارف فہم کی سمجھ بوجھ سے اعلیٰ اور ادراک کے معلوم کرلینے سے بالا ہیں۔

۷۳

۲۴ جمادی الآخرہ ۱۲۳۱ھ ——— جمعرات

بندہ حضورِ والا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ حدیث شریف نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیات کے پڑھنے سے عجیب فیوض و برکات کا ظہور ہوتا ہے افسوس کہ لوگوں نے چشمِ بصارت کو اس برکت کے دیکھنے سے بند کیا ہوا ہے۔ حالانکہ:-

فردا چند احادیث در مناقب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین خواندہ شدہ من مشاہدہ نمودم کہ جسم را از غسل زیادہ تر طہارتے حاصل شد

کل چند احادیث صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تعریف میں چند احادیثِ مطہرہ پڑھی گئیں میں نے مشاہدہ کیا کہ جسم کو غسل سے زیادہ طہارت (پاکی)

و دل را از تصفیہ عالی تر لطافتی شامل گشت۔ (ص - ۸۳)

حاصل ہوئی اور دل کو تصفیہ سے بھی عالی (بڑھ کر) لطافت میسر آئی۔

اس کے بعد مرشدِ برحق نے (اپنی ایمان افروز حالت کا یوں اظہار) فرمایا:۔

من ہر روز در خیالِ خود در مدینہ منورہ حاضر شدہ بطوافِ روضۂ شریفہ مشرف می شوم و غبارِ مرقد مطہر بعینِ آرزو از جاروبِ مژگان صاف نمائیم و خاک پاک را کحلِ دیدۂ خود میسازیم و بطوافِ قبۂ منورہ جان می بازیم گاہے بداں آستان جان بخش می بوسم و گاہے براں خاکِ حیات دیدہ جبیں بیمالیم آہ صد آہ۔

(ص - ۸۳)

مَیں ہر روز تصوّر میں مدینہ منورہ حاضر ہو کر روضۂ مطہرہ کے طواف سے مشرف ہوتا ہوں اور قبرِ انور کی گرد و غبار کو آرزو کی آنکھ اور پلکوں کی جھاڑو سے صاف کرتا ہوں اور اس خاکِ پاک کو اپنی آنکھوں کا سُرمہ بناتا ہوں اور اس نورانی قبہ کے طواف میں جان کی بازی لگا دیتا ہوں۔ میں اس جاں بخش آستانے کو بوسے دیتا اور کبھی اس خاکِ حیات کو پیشانی کی آنکھ پہ ملتا ہوں۔

(جدائی پہ) افسوس، صد افسوس۔

جس زمیں سے پائے اقدس آپ کے لگتے رہے
مَیں تصوّر میں اُسے دیتا ہُوں بوسے رات دِن

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میرا حال حضرت پیر و مرشد، مرزا جانِ جاناں رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے اس شعر کا مصداق ہے۔

اگرچہ[1] طاقتِ یک گردشِ نگاہم نیست
خدا کند ہمہ نازش بجان من باشد

---

[1] اگرچہ مجھ میں ایک گردشِ نگاہ کی طاقت نہیں ہے نہ کرے کہ اس کا ناز میری جان پہ ہو۔

یہ بھی فرمایا کہ عاشقِ شیدا جب ظاہری حالات میں اپنے محبوب کی گلی کا طواف نہیں کر سکتا اور یہ خیال کرتا ہے کہ میں یار کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے مجبور ہوں اور اس کے ماحول سے دُور ہوں تو بار بار زبان پہ آہِ شرر بار آتی اور خرمنِ جان میں آگ لگاتی ہے اور ہر گھڑی گرما گرم نالے بلند ہوتے اور جان کو جلاتے ہیں۔

قسم مجنوں کی جس نے بس تصور یار کا رکھا
قسم لیلیٰ کی جس نے حوصلہ دلدار کا رکھا

اُس کے غمزہ کے خنجر کا تصور فرقت کے مارے ہوئے لوگوں پہ بے نشان زخم لگاتا ہے اور اس کے ناز کی شمشیر کا خیال ہجر کا ماتم کرنے والوں کے سینوں کو زخمی کرتا ہے۔ جب مذکورہ روز بندہ چاشت کے وقت حلقہ میں حاضر ہوا تو اتفاق ایسا ہوا کہ حلقہ کے درمیان کوئی جگہ (بیٹھنے کے لیے) باقی نہ تھی۔ بندہ پیچھے بیٹھ گیا جو فقراء کے لیے امیروں کی صدارت سے بہتر ہے۔ مرشدِ برحق نے اس کمترینِ درویشاں کی جانب دیکھ کر زبانِ مبارک سے یہ شعر پڑھا۔

فریضہ است ترا آمدن بدرگہ دوست
اگر درون ندہد بار آستاں دریاب

اس کے بعد اخوان صاحب کی جانب متوجہ ہو کر دریافت فرمایا کہ آج حاضرین کے دل پہ کیسی کیفیت طاری ہے؟ وہ عرض گزار ہوئے کہ شکست و نیاز کی کیفیت بہت ظاہر ہے مرشدِ برحق نے فرمایا کہ آج چونکہ خواجۂ خواجگاں، پیر پیراں، خواجہ باقی باللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عرس مبارک کی رات ہے اس لیے بہت سے برکات اور حضرت خواجہ کی نسبتِ مقدسہ نے ساری دنیا کو گھیر رکھا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ امتِ محمدیہ کا چوتھائی حصہ اُن کا مرید ہے اور زبانِ مبارک سے آپ نے یہ مصرعہ پڑھا۔

لہ دوست کی بارگاہ میں آنا تیرا فرض ہے۔ اگر اندر جگہ نہ ملے تو دہلیز کو حاصل کر لے۔

ع دلِ شکستہ بود گوہرِ خزینۂ ما[1]

اس کے بعد فرمایا کہ اکثر اوقات اپنے سارے وجود کو آنکھ کی پتلی تصور کرکے اشتیاقِ دید میں سراپا چشم ہو کر، بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہو جاتا ہوں اور کبھی دل کی گہرائیوں سے اٹھی ہوئی تمنا کے تحت سجدے پہ سجدہ کرتا ہوں۔ اور اپنے خیال میں اتنے سجدے کرتا ہوں کہ اپنا نام ونشان تک باقی نہیں رہتا۔ پھر خود کو زندہ تصور کرکے یہ عمل شروع کر دیتا ہوں اور اس وقت تک کرتا رہتا ہوں جب تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے

۷۴

۲۵، جمادی الآخرہ ۱۲۳۱ھ ——— جمعۃ المبارک

فدوی محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ محبوب کی بارگاہ کے اکثر عشاق اور دیدارِ مطلوب کے طلبگار، جنہوں نے وفا کو دیکھا نہیں اور جفائیں برداشت کرتے ہیں اور خنجرِ الم سے مقتول اور نشترِ غم سے مجروح ہو کر یہ کہنے لگتے ہیں:۔

جز ترکِ عشق یارِ ستمگار چارہ نیست[2]

س آخر دلست جانِ من ایں سنگ خارہ نیست

لیکن میں ایسا نہیں کہتا کیونکہ یہ کلام ادب سے دُور اور نہایت گستاخانہ ہے۔ ہم اس غزل کے مطلع کو پڑھتے ہیں جو اچھا ہے وہ مطلع یہ ہے:۔

رُوی عرق فشاں تو کرد ایں چنیں مرا[3]

تقصیرِ آفتاب و گناہِ ستارہ نیست

---

[1] شکستہ دل ہمارے خزانے کا گوہر (موتی) ہے۔

[2] اے ستمگار دوست کے عشق کو ترک کر دینے کے سوا چارہ نہیں کیونکہ جانِ من! یہ دل ہے پتھر نہیں ہے۔

[3] تیرے پسینہ بہانے والے چہرے نے مجھے اس حال کو پہنچایا ہے۔ اس میں آفتاب کی تقصیر یا ستارے کا کوئی گناہ نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ردی سے مراد محبوب کی ذات ہے اور عرق سے اس کی صفات و شیونات۔ مطلب یہ ہوا کہ میں بے سروسامان، خانہ ویران، شکستہ بال، مضطر حال، دل بریاں، چشم گریاں، سینہ کوباں، آہ بلب، تپش سے تڑپنے والا، دل و جان طپیدہ، جیب کے گریبان پھاڑنے والا۔ انیس الم، جلیس ماتم نے اسے محبوب بنا دیا ہے جو ہر دم اور ہر لحظہ نئی تجلی کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے اور دوسری صفت کا ظہور فرماتا رہتا ہے پس یہ سورج کی گردش کا قصور یا کسی ستارے کے برگشتہ ہونے کے باعث نہیں جیسا کہ اہل نجوم نے سعادت و نحوست کو سات ستاروں کی گردش پر موقوف کیا ہے۔

۷۵

۲۶ رجمادی الآخرہ ۱۲۳۱ھ ــــ ہفتہ

یہ غلام حضور فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے ایک شخص کو مراقبۂ اقربیت کی تلقین فرمائی جو آیۂ کریمہ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ[1] کے معنی کا لحاظ رکھنے سے عبارت ہے:

۷۶

۲۷ رجمادی الآخرہ ۱۲۳۱ھ اتوار

حضور پرنور میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے اس عاجز سے فرمایا کہ تم تخت شریف میں قبلۂ عالم خواجہ محمد زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تھے کیا تم نے وہاں کی نسبت معلوم کی ہے؟ میں، عرض گزار ہوا کہ ان کی مبارک نسبت اس قدر ظاہر ہوئی کہ گویا مجھے آسمان پر لے جاتے ہیں اور وہاں کے ہر سنگریزے سے نار کے نور جلوہ گر ہے اور وہاں کے ہر درخت کی مانند شجر طور جیسی نظر آتی ہے اور وہاں کے ہر نخل پر محبت باری تعالیٰ کے پھل لگتے ہیں

---

[1] اور ہم اس کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں۔ (سورۂ ق، آیت ۱۶)

وہاں کی خاک کا ہر ذرہ نور ہے۔ ——— مرشدِ برحق نے فرمایا، سبحان اللہ! وہاں کی سرلوٹ ہی کیا ہے۔ اس جگہ کے اوصاف کے موتیوں کو لڑی میں کون پرو سکتا ہے۔

۷۷

۲۸ جمادی الآخرہ ۱۲۳۱ھ ——— پیر

فدوی اس محبوبِ سبحانی، قیومِ زمانی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس روز ایمان افروز دوشنبہ مبارکہ کو، مرشدِ برحق نے صرف توجہ ڈالی اور سب کو چلے جانے کی اجازت فرمادی۔

۷۸

۲۹ جمادی الآخرہ ۱۲۳۱ھ ——— منگل

محفلِ فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشدِ حقانی نے ارشاد فرمایا کہ ہر شخص کو گردن جھکا کر بیٹھنا چاہیئے کہ لفظ مبارک محمدؐ (اس کے جسم سے) ظاہر ہو علیٰ صاحبِہا الصلوٰۃ و السلام۔ اس طرح کہ سر میمِ کی صورت اور دونوں کندھے حا کی صورت میں اور کمر میم ثانی کا حلقہ اور دونوں پنڈلیاں دال کی شکل میں ہو جائیں۔ اس وضع پہ بیٹھ کر فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسمِ مبارک کا مراقبہ کیا جاتا ہے۔

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ ذکرِ قلبی کے وقت یہ خیال کرنا چاہیئے کہ تجلیِ افعال کا فیض سیدِ البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلب مبارک سے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے قلب تک پہنچتا ہے اور وہاں سے میرے دل پہ آتا ہے اور لطیفۂ رُوح کے ذکر میں تصور کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ثبوتیہ کی تجلی کا فیض سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی رُوح مبارک سے حضرت نوح و حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کی ارواح تک پہنچتا ہے اور لطیفۂ رُوح پہ وارد ہوتا ہے۔ اور ذکرِ سِر کے وقت خیال کرے اور اللہ تعالیٰ کی شیونات ذاتیہ کا فیض سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک لطیفۂ سِر سے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے سِرِ مبارک تک پہنچتا ہے

اور میرے لطیفۂ سِرّ میں آتا ہے اور لطیفۂ خفی کا ذکر کرتے وقت کہ اللہ تعالیٰ کی صفات سلبیہ کی تجلی کا فیض فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لطیفۂ خفی سے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے لطیفۂ خفی تک پہنچا ہے اور وہاں سے میرے لطیفۂ خفی پہ وارد ہوتا ہے اور ذکرِ اخفیٰ میں اللہ تعالیٰ کی شانِ جامع کے فیض کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لطیفۂ اخفیٰ سے ظہور کرتا ہے۔ اِن مراقبوں سے نسبت (فیضِ سلسلہ) میں بہت ترقی واقع ہوتی ہے۔

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ لطائف میں سے جس لطیفے کا ذکر کرے تو اُس لطیفے میں اپنے مرشد کے لطیفۂ مرشد کا مراقبہ بھی کرے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے لطیفے کے سامنے تصور کرے اور یہ خیال کرے کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک لطیفے سے فیض اِن آئینوں کے ذریعے اس کے لطیفے میں آرہا ہے۔

اس کے بعد مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ طالب کو ہر لحظہ اور ہر لمحہ وصالِ محبوب کے خیال اور انتظارِ جلوہ میں رہنا چاہیئے۔ پھر آپ نے اپنے دلِ فیض منزل سے ایک آہ بھری اور فرمایا کہ ہمارے جیسے فراقِ یار میں مضطرب اور اشتیاقِ محبوب میں بے قرار لوگوں کے حسبِ حال یہ غم سے لبریز دردناک شعر ہیں:۔

زگرمی ہائے دوشینِ تو امشب یاد می کردم	سپندآسا زجاجی جستم و فریاد می کردم
فریبِ خویش می دادم کہ اینک یار می آید	بہر آواز پائے خاطرِ خود شاد می کردم

اس کے بعد حضرت مجدد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ ہر وہ کمال جو نوعِ انسانی کے لئے ممکن الوقوع ہے اس کی جلوہ گری آپ کے اندر موجود تھی ماسوائے نبوت کے کہ وہ خاتم الانبیاء والمرسلین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس پہ ختم ہو چکی ہے۔ آپ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جمال کا مطلع اور کمال کے مظہر تھے۔

تھی ماسوائے نبوت کے، کہ وہ خاتم الانبیاء والمرسلین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر ختم ہو چکی ہے۔ آپ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جمال کا مطلع اور کمال کے مظہر تھے۔

ہر لطائف کہ نہاں بود پسِ پردۂ غیب	ہمہ در صورتِ خوب تو عیاں ساختہ اند
ہر چہ بر صفحۂ اندیشہ کشند کلکِ خیال	شکلِ مطبوع تو زیبا تر ازاں ساختہ اند

۹۷

غرہ (۳۰) رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ——— بدھ

بندہ حضور فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق کو ایک بزرگ نے حضرت خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عرس مبارک میں بلایا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس جگہ سماع اور وجد و تواجد کی محفل ہوئیں وہاں ہرگز نہیں جاتا۔ اگرچہ بزرگانِ دین میں سے کسی بزرگ کی فاتحہ خوانی کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: یا الٰہی! مجھ سے کیا گناہ سرزد ہو گیا ہے کہ آج صبح سویرے سے مجھے ایسی محفل میں مدعو کیا گیا ہے جو بدعت ہے اور اگر مجھے درویش آدمی سمجھ کر فقراء کی مجلس میں بلایا جاتا تو مجھے بہت مسرت ہوتی۔

اس کے بعد اویسی نسبت کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا دوسرے کسی بزرگ کی نسبت حاصل کرنا چاہیے، اُسے چاہیے کہ ہر روز خلوت میں دو رکعت نماز نفل پڑھ کر اس بزرگ کے لیے فاتحہ خوانی کرے اور اس کے بعد اس بزرگ کی روحِ مبارک کی جانب متوجہ ہو کر بیٹھ جائے۔ چند روز کے بعد اس مبارک نسبت کا ظہور ہو جائے گا۔ یا نمازِ عشاء کے بعد اپنے خیال میں فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دست

لے ہر لطیفہ جو پردۂ غیب میں چھپا ہوا تھا۔ تیری بہترین صورت سے وہ عیاں ہو گیا ہے خیال کا قلم جو کچھ اندیشے کے صفحے پر لکھ سکتا ہے۔ تیری شکل اس مطبوع (خیالی کتاب) سے زیادہ زیبا تھی۔

مبارک کو اپنے ہاتھ میں پکڑ کر بیعت ہو جائے اور کہے کہ یا رسول اللہ! میں پانچ باتوں کا وعدہ کر کے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوتا ہوں یعنی یہ شہادت کہ:۔
(۱) لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ (۲) نماز ادا کرنا۔ (۳) زکوٰۃ دینا۔ (۴) رمضان شریف کے روزے (۵) اگر مجھے استطاعت نصیب ہوئی تو حج بیت اللہ ——— ہر ایک شب کو ایسا ہی کرے۔

۸۰

۲؍ رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ——— جمعرات

یہ غلام اس ہادیٔ خاص و عام کے حضور حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ درمیانی استعداد والے طالب کو مرشدِ کامل کی توجہ سے اس مبارک سلسلہ یعنی عالیہ مجددیہ میں دس سال کے اندر سلوک مکمل ہو جاتا ہے۔ ایک شخص عرض گزار ہوا کہ خصائل رذیلہ کا حسنات میں بدل جانا محال معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ عادتیں جو انسان کی جبلت میں داخل ہیں ان کا دور ہونا بہت مشکل ہے۔ ان کے علاوہ (خصائل بقیہ) جب تک سالک اپنی ذات کو اخلاقِ الٰہیہ کے ساتھ مزین نہ کرے وہ بزرگوں کی لڑی میں شمار نہیں ہو سکتا۔ (کیونکہ اس کا معاملہ اس وقت تک خطرے سے باہر نہیں) اس کے بعد آپ کے حضور نسبت کو پہچاننے کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا:۔

مرا چناں ادراکی و وجدانی عطا فرمودہ است کہ تمام بدنِ من حکم قلب پیدا کردہ است۔ از ہر جانبے کہ شخصے آید از مقابل روئے آید یا از پس پست یا از یمین یا از یسار احوالِ نسبت باطن او معلوم می	مجھے ایسا ادراک اور وجدان عطا فرمایا گیا ہے کہ میرا تمام بدن ہی قلب کا حکم رکھتا ہے (یعنی دل کی طرح ہے) کہ کوئی شخص خواہ کسی جانب سے میرے روبرو آئے خواہ پیچھے سے آئے یا دائیں اور بائیں جانب سے لیکن میں اس کی باطنی

کمم و غیانا می بینم۔	نسبت کا حال معلوم کر لیتا ہوں اور اسے
(ص۔ ۸۸)	صاف صاف دیکھتا ہوں۔

۸۱

۳ رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ——— جمعۃ المبارک

بندہ حضور فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے مولوی شبیر محمد اور مولوی محمد عظیم سلّمہما اللہ تعالیٰ پر عنصر خاک کے سوا باقی تین عناصر کی توجہ ڈالی تھی۔ فرمایا کہ اس موقع پہ اسم مبارک اَلْبَاطِنُ کا مراقبہ کرتے ہیں کیونکہ یہ اسم گرامی اَلْبَاطِنُ کے فیض کی جگہ ہے اور عناصر ثلاثہ کے فیض کا مورد ہے اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اصطلاح میں اس مقام کو ولایت علیا کہتے ہیں۔ اس کے بعد مرشد برحق نے فرمایا کہ اس جگہ چونکہ اسم مبارکہ اَلْبَاطِنُ کا مراقبہ کرتے ہیں۔ اسی طرح لطائف سبعہ میں اسی طریقے سے اسم مبارک اَلظَّاھِرُ کا مراقبہ کیا جاتا ہے کہ اس جگہ مبدأ فیض اسم اَلظَّاھِرُ ہے اور یہ لطائف سبعہ کا موردِ فیض ہے۔

اگرچہ اسم مبارک اَلظَّاھِرُ کے مراقبہ حضرت مرشدی و مولائی نور اللہ مرقدہٗ نے مجھے تلقین نہیں فرمایا تھا۔ لیکن حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکتوبات شریف سے معلوم ہوا کہ اس جگہ یہ مراقبہ کرتے ہیں اور میں بعض طالبین کو اس کی تلقین کرتا ہوں۔ چنانچہ میاں ابوسعید صاحب اسعد اللہ سبحانہٗ کو میں نے اس کی تلقین کی ہے ——— اور مرشد گرامی قدر نے اس ناچیز (حضرت رؤف احمد رافت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کو بھی اس کی تلقین فرمائی تھی۔

۸۲

۴ رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ——— ہفتہ

حضور پُرنور میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عنایات کا شکر ادا کرتا

ہوں کہ اس نا اہل سے بے شمار نعمتوں کا صدور ہو رہا ہے اور یہ شکر کس زبان سے ادا کروں کہ لوگ طلب حق میں بغداد، سمرقند، بخارا اور تاشقند وغیرہ مقامات سے اس جگہ نقشبندیہ مجددیہ نسبت کا فیض حاصل کرنے آتے ہیں اور اپنی استعداد کے مطابق فیض سے دامن مراد بھر کرے جاتے ہیں۔ مَیں کیا کہوں۔ یہ سب کچھ ذاتِ باری تعالیٰ کا کرم ہے جو حضرت مرزا جان جاناں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگاہِ عنایت کے واسطے سے اس کمینۂ درویشاں کے شامل حال ہے۔ حق تو یہ ہے کہ:-

اگر بر تن من زبان شود ہر موئے
یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد[1]

اس کے بعد فرمایا، دیکھا میرا قصور یہ ہے کہ اگر کوئی کتا میرے غریب خانے میں داخل ہوتا ہے تو مَیں بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتا ہوں، الٰہی! مَیں کیا چیز ہوں کہ تیری بارگاہ کے مقرب حضرات کو اپنی نجات کا وسیلہ بناؤں۔ یہ کتا جو تیرا پیدا کیا ہوا ہے، اس کے باعث میرے گناہوں کو معاف کر دے اور میرے حال پر نگاہِ کرم فرما۔

اسی روز سید احمد بغدادی جو حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دار رضاہ عنا کی اولاد سے ہیں۔ مرشد برحق کی بارگاہ میں حاضر ہوئے کیونکہ انہوں نے آپ کے احوال مولانا خالد رومی مدظلہ العالی کی زبانی سنے تھے اور وہ (مولانا خالد رومی) مرشد برحق کے جلیل القدر خلفاء سے ہیں اور اُن علاقوں میں ایک دنیا کو راہِ ہدایت دکھاتے اور بنی آدم کی رہنمائی فرماتے ہیں۔ اُن کی زبانی حضرت کے کمالات سُنے تو اپنی مسندِ ارشاد کو چھوڑ کر بغداد سے منزلیں اور مرحلے طے کرتے ہوئے بارگاہِ عالی میں بیعت ہونے کی غرض سے حاضر ہو گئے۔ مرشدِ گرامی قدر نے فرمایا کہ یہ محض اُس ستار العیوب کی شانِ ستاری اور غافر الذنوب کی جُرم بخشی

---

[1] اگر میرے جسم کا ہر بال زبان ہو جائے تو تیرے ہزار شکر میں سے ایک بھی ادا نہیں کر سکتا۔

ہے کہ اس سراپا معصیت کے عیوب پر پردہ ڈال کر، اِس ناپاک مشتِ خاک پہ بارانِ رحمت برسائی اور ابرِ کرم کے ساتھ تکرم فرمایا۔ یہی تو اس طرح کہ میرا ہر قطرہ اس کی فیّاضی سے دریائے محیط سے خراج وصول کرتا ہے حالانکہ میرا حال تو حقیقت میں اس شعر کا مصداق ہے :-

نہ قدر دیم نہ طاؤس نہ آمینم چرا![1]
جہد صیّاد پئے کندن بال دپرِ ماست

اِس کے بعد آپ حلقہ میں بیٹھے اور کمال ذوق و شوق سے یہ شعر پڑھا :-

وحشی از عشق تو جاں داد تو باشی زندہ[2]
زندگی بخشش کسے، عمر کسے، جان کسے

۸۳

۵ رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ——— اتوار

بندہ محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا۔ صورتِ حال یہ ہے کہ چاروں طرف سے آئی ہوئی مخلوقِ خدا کا یہاں ہجوم ہے اور وہ یہاں مقیم و متمکن ہیں۔ قریباً ایک سو چالیس راہِ خدا کے طالب یہاں رہتے ہیں اور روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے لیکن میرے دِل میں کوئی خطرہ نہیں آتا کہ ان کے لئے کھانے کو روٹی چاہیئے اور پہننے کے لئے کپڑوں کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ میرے دِل سے خطرات، دو جہاں کا خدشہ اور خیالاتِ ایں وآں کی پروا نکال کر باہر پھینک دی گئی ہے راقم کہتا ہے کہ ناصر علی نے اسی کے مطابق کہا ہے :-

---

[1] میں نہ چکور ہوں اور نہ مور، پھر صیّاد میرے بال و پَر نوچنے کی کوشش کس لئے کرتا ہے۔

[2] وحشی نے تیرے عشق میں جان قربان کر دی مگر تو زندہ ہے۔ تو نے کسی کو زندگی بخشی، کسی کو عمر، کسی کو جان۔

جمعیکہ سر بسجدۂ وحدت فرد کنند

گر یاد دوست سینہ نجار و وضو کنند[۱]

خطرۂ غیر کے لیئے یہاں جگہ ہی نہیں کیونکہ بلند پرواز عارف کے لئے یہ امر بالکل محال ہے اور اسی اثنا میں آپ نے آیۂ کریمہ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ؁ کی تفسیر میں بیان فرمایا کہ قدرت الٰہی کے صنائع اور بدائع کو دیکھنا چاہیئے کہ کیسی بہترین صورتیں اور دلکش چیزیں پیدا فرمائی ہیں اور انہیں احسن تقویم کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ ایک روز کوئی ہندو برہمن زادہ میری مجلس میں آیا۔ جس کی صورت پیاری اور لباس پسندیدہ تھا۔ تمام اہل مجلس اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔ میں نے اُس کی ہدایت کے لیئے کئی بار دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو شرف قبولیت بخشا اور اُس برہمن زادے نے کفر کے گریباں کو اپنی گردن سے پھاڑ کر پھینک دیا اور خلوت ایمان پہن لی۔ وہ اپنی قامت نمونۂ قیامت کو زیور ایمان سے خوب مزین کر کے اور اپنے حسن کو نور اسلام سے جگمگا کر واپس لوٹا۔ (والحمد للہ علیٰ ذالک)

۸۴

۶ رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ——— پیر

بندہ حضور پر نور میں حاضر ہوا۔ آج خواجۂ خواجگان، خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے عرس مبارک کا دن ہے۔ مرشد برحق نے اس کے بعد حضرت خواجہ کے احوال بیان فرمائے کہ جب آپ سترہ یا اٹھارہ سالہ تھے تو ایک روز اپنے باغ میں تشریف فرما تھے، جس میں پھل لدے ہوئے تھے اور پانی جاری تھا۔ اتفاقاً حضرت خواجہ کے پاس ایک مرد قلندر آگیا اور اس نے پانی مانگا۔ انہوں نے پھلوں سے بھرا ہوا ایک طشت اور میٹھے

---

۱ جو اپنے سر کو سجدۂ وحدت کے لیئے جھکاتے ہیں، اگر دوست کی یاد سینے میں چٹکیاں لے تو وہ وضو کرتے ہیں۔

۲ بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا ملی ہوئی منی سے کہ ہم اُسے جانچیں تو اسے سنتا اور دیکھتا کر دیا۔ (سورۂ دہر آیت ۲)

پانی کا کوزہ اُن کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس درویش نے پھل کھائے اور پانی نوش فرمایا اور ان کے لئے بارگاہِ خداوندی میں دستِ دعا دراز کئے۔ اسی وقت حضرت خواجہ کا دِل دنیا سے سرد ہو گیا اور جس قدر جائیداد و دولت اِن کے قبضے میں تھی سب کو چھوڑ کر سب سے پہلے علم حاصل کیا اور اس کے بعد حق تعالیٰ جل شانہٗ کی طلب میں مردانہ وار نکل کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ حضرت خواجہ عثمان[1] ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے پاس پہنچے اور ان کی خدمتِ اقدس میں رہ کر بیس سال تک کسبِ فیوض و برکات کرتے رہے۔ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے اور حضرت خواجہ یوسف[2] ہمدانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی زیارت کی اور چھ ماہ تک اُن کی خدمت میں رہے۔

اسی محفل میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت مجدد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے اصحاب سے ایک حضرت مولانا بدر الدین سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب میں ایک عجیب حکایت لکھی ہے کہ میں اتفاق زمانہ سے دہلی شریف گیا۔ دیکھا کہ وہاں سرِ راہ ایک باغیچہ واقع ہے جو برکات و انوار سے پُر ہے۔ میں اس باغ کے اندر گیا۔ دیکھا کہ وہاں حضرت خواجہ

---

[1] آپ کی پیدائش نیشاپور کے قریب قصبہ ہارون میں ہوئی۔ ریاضت و مجاہدے میں بڑی کوشش فرمائی اور صاحبِ کشف و کرامت و مستجاب الدعوات ہوئے۔ شیخ حاجی شریف زندنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اجازت و خلافت پائی۔ خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کے خلفاء میں سب سے مشہور ہوئے ہیں۔

[2] کنیت ابو یعقوب اور اسمِ گرامی یوسف بن ایوب ہمدانی ہے۔ پیدائش غالباً ۴۴۰ھ میں ہوئی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں تحصیلِ علم کی خاطر عروس البلاد بغداد میں وارد ہوئے اور علومِ دینیہ میں درجۂ کمال حاصل کرنے کے بعد زہد و ریاضت کے دشت کی سیاحی فرمانے لگے۔ آپ نے حضرت شیخ بو علی فارمدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اجازت و خلافت پائی اور صوفیہ میں بلند مقام حاصل کیا۔ حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی آپ سے کسبِ فیض کیا تھا۔ ۲۲ ربیع الاوّل ۵۳۵ھ کو آپ نے اس جہانِ فانی کو خیر باد کہا تھا۔

باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مزار پُرانوار ہے۔ حضرت خواجہ کی جانب متوجہ ہو کر بیٹھ گیا۔ حضرت خواجہ نے میرے حال پہ نظر عنایت کرتے ہوئے اپنی خاص نسبت مجھے عطا فرما دی۔

اس کے بعد میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کے لئے گیا اور ان کے حضور مراقبے میں بیٹھ گیا۔ حضرت خواجہ نے ارشاد فرمایا کہ جو نسبت تجھے حضرت باقی باللہ سے ملی ہے وہ ہماری نسبت ہے۔ اس کے بعد حضرت سلطان نظام الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ میری نسبت میں محبوبیت کا غلبہ بہت زیادہ ہے۔ اتفاق سے اجمیر شریف جانا ہوا اور حضرت خواجہ معین الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ تجھے جو نسبت خواجہ باقی باللہ سے پہنچی ہے وہ ہماری نسبت ہے۔ میں عرض گزار ہوا کہ حضور والا! کہ حضرت خواجہ باقی باللہ نے یہ کبھی نہیں فرمایا تھا کہ مجھے حضرات چشتیہ سے نسبت پہنچی ہے لیکن آپ یہ کچھ فرما رہے ہیں تو اس کا سبب کیا ہے؟ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میں حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں پہنچا اور ان کی خدمت میں رہ کر نسبت حاصل کی تھی۔ اس نسبت کو مجھ سے خواجہ قطب الدین نے لیا اور خواجہ قطب الدین سے خواجہ باقی باللہ کو پہنچی ہے۔ پس وہ نسبت حقیقت میں خواجگان نقشبندیہ کی نسبت ہے جو مجھے حاصل ہوئی ہے اور مجھ سے خواجہ باقی باللہ کو پہنچی

اس کے بعد مرشدِ برحق نے فرمایا کہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذریعے متحدہ ہندوستان میں اسلام کی بڑی تبلیغ واشاعت ہوئی ہے اور ان سے تصرف کا بہت ہی صدور ہوا جو آج تک نمایاں ہے۔ اس کے بعد آپ نے ایک حافظ صاحب سے قرآن کریم کی پانچ آیتیں پڑھنے کے لئے کہا اور خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے لئے فاتحہ خوانی فرمائی۔

بعد ازاں فرمایا کہ نقشبندی بزرگوں کے طریقے میں کتنی ہی نسبتوں نے ظہور کیا ہوا ہے لیکن اصل نسبت وہی ہے جو خواجہ بہاء الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ اس کے بعد ایک وظیفہ بیان فرمایا کہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کھانا

پکایا اور اس دیگ میں ہمارے مخدومِ اعظم نے نمک زیادہ ڈال دیا جس نے تیزی پیدا کر دی۔ حضرت میر ابو العلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سُرخ مرچیں بھی ڈال دیں تو تیزی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ حضرت مجددِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس دیگ میں دہی ڈال دیا جس سے نرالی ہی کیفیت پیدا ہو گئی اور نسبت کی سابقہ تیزی بھی نہ رہی۔ اس کے بعد مرشدِ برحق نے فرمایا کہ مَیں نے مشاہدہ میں دیکھا ہے کہ حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس مکان میں رونق افروز ہیں اور مجھ سے ارشاد فرمایا ہے کہ مَیں نیز تیرے لیے زندہ ہو کر آئی ہوں۔[له]

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے صحابہ کرام کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ ساری امّتِ محمدیہ سے افضل و اشرف حضرات خلفائے راشدین ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم کیونکہ چاروں میں سے ہر ایک کے ذریعے ہدایت کی آواز اطرافِ عالم میں دُور دُور تک پہنچی۔ اِن کے بعد حضرات عشرہ مبشرہ ہیں کہ ان کے کمال کا عشرِ عشیر بھی کسی نے نہیں دیکھا اور نہ ایسی جانفزا بشارت سُنی۔ اس کے بعد اصحاب بدر کا مقام ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک آسمانِ شہادت کا بدرِ منیر اور فلکِ ولائیت کا ماہِ تمام ہے۔ اِن کے بعد اصحاب بیعتِ رضوان ہیں جنھوں نے درخت کے نیچے بیعت کر کے اپنی کشتِ عرفان کو نہرِ ایمان سے سرسبز و شاداب کر لیا تھا۔ ان کے بعد اصحابِ اُحد ہیں کہ امّت کے تمام اَولیاءُ اللہ مل کر اُن میں سے کسی ایک کے برابر نہیں بنتے رضی اللہ تعالیٰ عنہم و رضوا عنا۔ اس کے بعد باقی تمام صحابہ کرام کا مرتبہ ہے

له مترجم عفی عنہٗ کا خیال ہے کہ حضرت شاہ غلام علی نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جو نقشبندی مجددی نسبت حاصل تھی یہ مشاہدہ گویا عالمِ مثال میں اس کی تشبیہ کا درجہ رکھتا ہے یعنی یہ نسبت بارگاہِ رسالت سے اتنا تعلق رکھتی اور ایسی مقبول ہے جس طرح سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے الفت تھی جیسا کہ آپ نے اُنہیں اپنا جگر گوشہ فرمایا ہے، یہ نسبت اسی طرح مقبولِ بارگاہِ رسالت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم و احکم۔

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

جس کسی سعادت مند نے اس سرور زمین و زماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایمان کی نظر سے دیکھ لیا۔ وہ صحابۂ کرام کے زمرے میں داخل اور اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّہِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ کی بشارت سے شاداں و فرحاں اور اس کے لئے جنت کی خوشخبری ہے جیسا کہ آیۂ کریمہ کُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی اس امر کی شہادت دے رہی ہے۔

۸۵

۷ رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ـــــ منگل

یہ کمینہ فقیر اپنے پیر روشن ضمیر کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکتوبات قدسی آیات کا درس ہو رہا تھا اور اس جگہ پر آپ نے دنیا اور دنیا داروں کی مذمت لکھی ہے کہ جو شخص دنیا کی محبت میں پھنسا ہوا ہے اسے قیامت کے روز حسرت و ندامت کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ ـــــ مرشد برحق نے فرمایا کہ ضرورت سے زیادہ طلب کرنیکا نام دنیا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ دنیا وہ ہے جو خدا کی یاد سے غافل کرے اور یہ شعر پڑھے :۔

چیست دنیا و لباس دنیوی | از خدا غافل شدن اے مولوی
چیست دنیا از خدا غافل شدن | نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

یہ بھی فرمایا کہ ایک روز پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سیدۃ النساء قرۃ عین الرسول زہرہ بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دولت خانے پہ قدم رنجہ فرمائے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ

لہ میرے صحابہ تاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کی پیروی کرو گے۔ راہ ہدایت پا لوگے۔

لہ دنیا کیا ہے اور دنیاوی لباس کیا ہے۔ اے مولوی! یہ خدا سے غافل ہونا ہے۔
دنیا کیا ہے، خدا سے غافل ہونا۔ نہ کہ مال و اسباب، چاندی اور اہل و عیال۔

حضرت خاتون جنت کے دستِ مبارک میں چاندی کا کنگن ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ چیز میرے لئے نہیں بلکہ دنیاداروں کے لئے ہے۔ پس جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے دولت خانے پر تشریف لے گئے تو حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے، جو اپنے محبین کو آتشِ دوزخ سے بچانے والی ہیں، وہ کنگن اپنے مبارک ہاتھوں سے جُدا کر دیا اور بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیئے۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہ کنگن غریبوں کو مرحمت فرما دیئے۔

مرشدِ برحق نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اصحابِ صفہ میں سے ایک صاحب کا انتقال ہو گیا ان کے کپڑوں میں ایک درہم پایا گیا۔ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں صورتِ حال عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ وہ آتشِ دوزخ کا ایک داغ اپنے ہمراہ لے گئے۔ پھر اُن کے بعد اصحابِ صفہ میں سے دوسرے بزرگ نے رحلت فرمائی تو ان کے کپڑوں میں دو درہم پائے گئے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ کے دو داغ۔

اس کے بعد مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ اصحابِ رسول میں سے بعض بزرگ جیسے جامع القرآن، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ وہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی موجودگی میں کثیر دولت کے مالک تھے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد کتنے ہی اصحاب جاہ و جلال اور مال منال کے مالک ہوئے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ اُن کے مقبولِ بارگاہِ الٰہیہ ہونے میں ان چیزوں کے باعث کسی قسم کا قصور یا فتور واقع نہیں ہوا۔ پس معلوم ہوا کہ اصحابِ صفہ کے لئے جو دوزخ کا داغ فرمایا گیا تو یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ حضرات ترک و تجرید کے مدعی تھے اور صدقِ دعویٰ میں ان سے اتنا سا خلل واقع ہو گیا تھا۔

راقم الحروف عفی عنہ، کہتا ہے کہ حضرات صوفیہ کے لئے اصحابِ صفہ کی پیروی لازم ہے ورنہ ان کا تصوف نا قابلِ اعتبار ہے اور کل اسے بڑی حسرت و ندامت کا سامنا ہو گا۔ ہاں

ہاں جو محبوب کے سبز خط کی جانب مائل ہے۔ اس کے حق میں دنیا اور اہلِ دنیا سمِ قاتل کا حکم رکھتے ہیں۔ واقفِ اسرار، حضرت شیخ فریدالدین عطّار قدس سرہٗ نے (اس بارے میں) کیا خوب فرمایا اور پند و نصائح کے موتی یوں پروئے ہیں

زہر دارد از درون دنیا چو مار	گرچہ ظاہر ہست پُر نقش و نگار
می نماید خوب و زیبا در نظر	لیکہ از زہرش بود جاں را خطر
زہرِ ایں مارِ منقش قاتل ست	باشد از وی دُور ہر کو عاقل ست
ہمچو طفلاں منگر اندر سُرخ و زرد	چُوں زناں مغرور رنگ و بُو مگرد
زالِ دنیا چُوں عروس آراستہ	ہر دو روزے شوی دیگر خواستہ
لب بہ پیشِ شوی خنداں میکند	پس ہلاک از زخمِ دنداں میکند
مقبل آں مرد کہ شد زیں جفت طاق	پس بر دسے کرد دادش سہ طلاق

اور صحابہ کرام کو جو مال و منال، مراتب کمال اور جاہ و جلال سے نوازا گیا تو اپنی حالت پر اُن کی حالت کا قیاس نہیں کرنا چاہیئے اور اپنے شیشۂ دل سے اس بے حاصل زنگ کو دُور کر دینا چاہیئے۔ اسی معنی میں حضرت مولانا رُوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ شعر کیا خوب کہا ہے،

لہ (۱) دنیا اپنے اندر سانپ کی طرح زہر رکھتی ہے اگرچہ ظاہر میں نقش و نگار سے پُر ہے۔

(۲) دیکھنے میں یہ خوبصورت اور بھلی نظر آتی ہے لیکن اس کے زہر سے جان کا خطرہ ہے۔

(۳) یہ نقش و نگار والے سانپ کا زہر قاتل ہے۔ عقلمند کو اس سے دُور رہنا چاہیئے۔

(۴) بچّوں کی طرح اس کی سُرخی و زردی کو نہ دیکھ اور عورتوں کے مانند رنگ و بُو سے دھوکا نہ کھا۔

(۵) دنیا ایک بڑھیا ہے جو دُلہن کی طرح آراستہ ہے اور ہر روز نیا خاوند چاہتی ہے۔

(۶) خاوند کے سامنے خندہ زن ہوتی ہے۔ پھر دانتوں کے زخموں سے ہلاک کر دیتی ہے۔

(۷) صاحبِ اقبال وہ ہے جو اس کا جوڑا بننے سے بچے۔ اسکی جانب پیٹھ پھیرلے اور اسے تین طلاق دے چھوڑے۔

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر[1]

۸۶

۸ رجب المرجب ۱۳۳۱ھ ——— بدھ

غلام اُس قبلۂ انام کی محفل میں حاضر ہوا۔ اُس وقت جامع ترمذی شریف کا درس ہو رہا تھا یہ حدیث شریف۔ فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَآءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ (یعنی حضرت عائشہ کو تمام عورتوں پر اس طرح فضیلت ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر) پڑھی گئی۔ مرشدِ گرامی قدر نے ارشاد فرمایا کہ اس حدیث شریف سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تمام عورتوں پہ فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان کی تمام عورتوں پہ فضیلت علم و اجتہاد و فقاہت، ترک و تجرید اور سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی محبوبیت کے باعث ہے۔

فرمایا کہ ان کے ترک و تجرید کے بارے میں وارد ہے کہ ایک روز ان کی خدمتِ عالی میں ستر ہزار درہم و دینار آئے لیکن اُسی وقت سارے خیرات کر دیئے اور ایک کوڑی بھی اپنے پاس نہ رکھی ——— وہ فضیلت جو حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حاصل ہے، وہ جگر گوشہ رسول ہونے کے سبب سے ہے ——— حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شرافت حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدۂ ماجدہ ہونے کی جہت سے ہے۔

حضرت آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو عالی مرتبہ ملا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کرنے کے باعث ہے اور اُن شدائد و تکالیف اور مصائب و بلیات کے سبب جو فرعون بے حون کے ہاتھوں اُنہیں پہنچیں اور اس ایوانِ ظلمت کے اندر کفر و ضلالت کے جھونکوں کے باوجود مشعلِ ایمان اور چراغِ نورِ ایمان کو جلائے رکھا اور بجھنے نہ دیا۔ بایں وجہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اعلیٰ مراتب تک پہنچا دیا۔

---

[1] پاک لوگوں کو اپنے اوپر قیاس نہ کر۔ اگرچہ لکھنے میں شیر اور شیر ایک جیسے ہیں۔

۸۷

۹ رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ـــــ جمعرات

بندہ محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ اس وقت مولانا مولانا رُوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مثنوی شریف کا درس ہو رہا تھا۔ مرشدِ برحق نے فارغ ہونے کے بعد زبان گوہر فشاں سے ارشاد فرمایا کہ تمام امت میں تین کتابیں ہیں جن کی نظیر نہیں سب سے پہلی کتاب قرآن کریم ہے۔ اس کے بعد بخاری شریف ہے اور ان کے بعد مثنوی مولانا رُوم ہے کہ مذکورہ دونوں کتابوں کے بعد اس جیسی کوئی کتاب نہیں ہے اور :۔

اگر شخصے عمل بریں مثنوی شریف نماند بے تعلیم	اگر کوئی شخص مثنوی شریف پر عمل کرے تو بغیر
پیرِ طریقت خطِ وافر از اسرار	طریقت کی تعلیم کے بغیر بھی اسرار معرفت سے
معرفت یابد و از زمرۂ واصلانِ حق	وہ کافی حصہ پالیتا ہے اور حق جل جلالہٗ
جلّ و علا گردد۔ (ص ـ ۹۴)	سے واصل ہونے والوں کے زمرہ میں شامل ہو جاتا ہے

اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر آیا تو مرشدِ برحق نے فرمایا کہ :۔

کمالیکہ حضرت مجدّد دارند کسے در امت کم دارد	جو کمال حضرت مجدّد کو حاصل ہے امتِ محمدیہ میں سے
حق آنست کہ اگر ہمہ اولیاء اللہ صاحبِ وحدتِ وجود	کم حضرات کو میسر ہوا حق یہ ہے کہ وحدتِ وجود کے
را توجہ فرمایند از راہِ تنگ وجودیت براہِ شہود در	قائل تمام اولیاء اللہ پر اگر آپ توجہ ڈالتے تو وہ وجود کی تنگ راہ
آرند و یقین است کہ حضرت محی الدین ابن العربی قدس سرّہٗ	کو چھوڑ کر شہود کی شاہراہ پر آجاتے اور یقین ہے کہ حضرت
کہ مجتہد ایں طائفہ وجودیہ اند از توجہ حضرت مجدّد ازیں	محی الدین ابن عربی قدس سرّہٗ جو اس گروہ وجودیہ کے مجتہد ہیں وہ بھی
مقامِ تنگ بمقامِ اعلیٰ ترقی نمایند۔ (ص ۹۴)	حضرت مجدّد کی توجہ کے باعث اس تنگ مقام سے اعلیٰ مقام کی جانب ترقی کر جاتے

اس کے بعد مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ پیرانِ طریقت و مرشدانِ حقیقت تین قسم کے ہیں۔ ایک اربابِ کشف۔ جیسے کہ حضرت مرزا جان جاناں نور اللہ مرقدہٗ ـــــ دوسرے اربابِ ادراک، تیسرے اربابِ جہل کہ کشف کے مطابق نسبت کا ادراک نہیں رکھتے۔ لیکن

ان تینوں گروہوں کا فضل و کمال ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا تر ہے

اس کے بعد شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[1] (المتوفی ۶۹۱ھ / ۱۲۹۲ء) کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ وہ سہروردی ولایت کے انوار سے فیضیاب اور نیک آدمی تھے۔ انہوں نے تمام تر سلوک و تصوف کو دو شعروں میں یوں قلم بند فرمایا ہے:

مرا[2] پیر دانائے مرشد شہاب	دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آں کہ بر خویش خود بین مباش	دگر آں کہ بر غیر بدبیں مباش

اس کے بعد مرشدِ برحق نے فرمایا کہ جو ہم سے تعلق رکھتا ہے اُسے چاہیئے کہ ہمارے جیسا لباس پہنے اور ہمارے طور طریقے (اصول و آداب زندگی) اختیار کرے:

یا مرو[3] با یار ازرق پیرہن !!!	یا بکش بر خانماں انگشت نیل
یا مکن با پیلباناں دوستی !	یا بنا کن خانہ در خورد پیل

۸۸

۱۰ رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ——— جمعۃ المبارک

حضور والا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ترک و تجرید کا ذکر چل نکلا۔ مرشدِ برحق نے یہ رباعی پڑھی:

---

[1] شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ غالباً ۵۸۹ھ / ۱۱۹۳ء کو شیراز میں پیدا ہوئے۔ اسم گرامی شرف الدین، لقب مصلح الدین اور تخلص سعدی ہے۔ والدِ محترم کا نام عبداللہ شیرازی ہے۔ جو بڑے دیندار تھے۔ تحصیل علم و فن میں بڑی کوشش کی اور اخلاقی و صوفیانہ شاعری میں درجہ کمال کو پہنچے اور فصاحت و بلاغت میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ تصانیف کثیرہ نافعہ یادگار چھوڑیں۔ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے شرف ارادت حاصل تھا۔ ۶۹۱ھ / ۱۲۹۲ء میں وفات پائی۔

[2] مجھے میرے دانا پیر یعنی شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دریا کے کنارے ۲ دو نصیحتیں فرمائیں۔ ایک یہ کہ اپنوں کے اندر خود بین نہ ہو اور دوسری یہ کہ غیروں میں بدبین نہ ہو۔

[3] یا نیلے کپڑوں والے دوست کے ساتھ نہ جا، یا اپنے گھر بار پر نیلی لکیر پھیر دے۔ یا فیلبانوں کے ساتھ دوستی نہ کر، یا اپنے گھر کو ہاتھی کے ٹھہرنے کے قابل بنا۔

خاک لے ازتنیوزست سلیمانیم	تنگ بود افسر سلیمانیم
بست چہل سال امی پوشمش	کہنہ نشد خلعت عریانیم

اس کے بعد مولانا جمالی سہروردی کے اشعار کا ذکر آیا جو تمام کے تمام ترک و تجرید کے بارے میں ہیں۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ ایک زمانہ مولانا جمالی کی اتفاقاً مولانا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اُن سے متعارف نہ تھے، اس نے اُن سے فرمایا کہ آپ کو مولانا جمالی کے اشعار یاد ہیں؟ چونکہ اس وقت مولانا جمالی کے بدن پہ لنگ کے سوا اور کوئی لباس نہیں تھا۔ اس لئے اپنے حال کے مطابق یہ شعر پڑھا۔

مارا ز خاک کویت پیراہنیست برتن
آں ہم ز آب دیدہ صد پاک تا بدامن

اس شعر کے سنتے ہی مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا جمالی خود آپ ہیں —— اس کے بعد مرشد برحق نے مولانا جمالی کے حسب ذیل اشعار پڑھے اور فرمایا کہ اپنی گزر اوقات اس طرح رکھنی چاہیئے:۔

لنگلکے زیر، لنگلکے بالا!	نے غم دزد، نے غم کالا!
گزک بوریا و پوستکے	دل کے پر ز درد دوستکے
ایں قدر بس بود جمالی را	رندکے مست و لاابالی را

لہ میرے لئے زمین پر بیٹھنا بادشاہی ہے اور تاج خسروی میرے لئے باعث ننگ و عار ہے۔

چالیس سال سے میں نے اسے پہن رکھا ہے لیکن میرا یہ عریانی کا لباس پرانا نہیں ہے۔

لہ میرے جسم پہ تیرے کوچے کی خاک کا لباس ہے اور وہ بھی آنسوؤں کے باعث دامن تک سوختگی سے پاک ہے۔

لہ ایک گودڑی نیچے ایک گودڑی اوپر۔ نہ چور کا غم نہ سامان کے ضائع ہونے کا خطرہ۔

کھدر، بوریا اور چمڑے کا لباس ہو اور دوست کی محبت سے بھرا ہوا دل۔

جمالی جیسے رند اور لاابالی کے لئے متاع دنیا سے صرف اتنا ہی کافی ہے۔

اس کے بعد شیخ ابن یمین کبروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اشعار پڑھے اور فرمایا کہ درویشوں کی معاش کچھ ایسی چاہیئے :۔

نانِ[۱] جوین و خرقۂ پشمین و آب شور	سیپارۂ کلام و حدیث پیمبری
ہم نسخۂ دو چار ز علمیکہ نافع ست	در دیں نہ لغو بوعلی و ترّاہ عنصری
تاریک کلبہ کہ پئی روشنی آں!	بیہودہ منّتی نہ برد شمع خاوری
بایک دو آشنا کہ نیرزد بہ نیم جو!	در پیش چشم ہمت شاں ملک سنجری
ایں آں سعادتست کہ حسرت برد بر د	جو یای تاج قیصر و ملک سکندری!

اس کے بعد محبت کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے نورالعین واقف کے یہ اشعار پڑھے :۔

صبا[۲] با زلفِ یارِ من چہ کردی	زدی برہم قرارِ مَن چہ کردی
مکدّر گر نگردی با تو گویم	کہ با مشتِ غبارِ مَن چہ کردی
بششتی گرد کیں از خاطرِ یار	بگو ای گریہ کارِ مَن چہ کردی
فگندی خار واقف را بہ بستر	بگو ای گلعذارِ مَن چہ کردی

---

[۱] جَو کی روٹی، اُونی گدڑی اور کھاری پانی۔ قرآنِ کریم کا ایک پارہ اور حدیث پیغمبر صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم۔
دو چار ایسی علمی کتابیں جو نفع دینے والی ہوں۔ جن میں نہ بوعلی سینا کی لغویات ہوں نہ عنصری کی خرافات ۔
ایک تاریک کوٹھڑی ہو جس میں شمع مشرق (سُورج) کا احسان مند نہ ہونا پڑے۔
دو ایک ایسے دوست آشنا ہوں جن کی نظر میں ملکِ سنجر نیم دانۂ جَو کے برابر بھی نہ ہو۔
یہ وہ سعادت ہے جس پر تاج قیصر اور ملکِ سکندری کے شیدائی بھی حسرت کرتے ہیں۔

[۲] (۱) اے باد صبا! تُو نے زلفِ یار کے ساتھ کیا کیا؟ تُو نے اُنہیں بکھیر کر میرے قرار کے ساتھ کیا کیا؟
(۲) اگر تو بُرا نہ مانے تو میں تجھ سے کہتا ہوں کہ میری مشتِ خاک کے ساتھ تُو نے کیا کیا؟
(۳) تُو نے یار کے دل سے کینے کا گرد و غبار صاف کر دیا۔ اے گریہ! تُو نے میرا کیا کام کیا؟
(۴) تُو نے واقف کے بستر پر کانٹے بکھیر دیئے۔ اے میرے گلعذار! بتا یہ کیا کیا؟

۸۹

۱۱ رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ــــ ہفتہ

حضور فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ اس وقت مرشد برحق درس حدیث دے رہے تھے اچانک خاندانِ چشتیہ کے بعض مشائخ آپ کے پاس برائے ملاقات آئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان اکابر کے نزدیک ذائقہ بدلنے والی مٹھائی سماع و سرود ہے جو جامِ محبت سے سرشار ہیں کیونکہ اس کے ذریعے رنگارنگ کے شوق پیدا ہوتے ہیں اور یہ چہرۂ یار کے حجاب کو ہٹا دیتے ہیں۔ لیکن ہم جو سلسلہ نقشبندیہ سے وابستہ ہیں تو ہم جامِ محبت کے نوش کرنے والے ہیں ہماری (ذائقہ درست کرنے والی مٹھائی) حدیث مصطفےٰ اور درود پاک ہے۔ جن کے ذریعے قسم قسم کا ذوق میسّر آیا ہے اور روئے یار کا پردہ اور نقاب بھی ان کے ذریعے سے ہٹ جاتا ہے۔ ع آں اینانند من چنینم ہر دم[1]

اس کے بعد آپ نے ایک آہ بھری اور فرمایا۔ ــــ ہائے اشتیاقِ مدینہ۔ ہائے اشتیاقِ مدینہ۔ ہائے حسرتِ مدینہ ــــــ اس کے بعد آپ کے حضور میں خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکرِ مبارک آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا، ان کے والدین آزاد کردہ غلام تھے لیکن انہوں نے جو فضیلت پائی وہ دوسروں کو کب میسّر آئی۔ کیونکہ ان کی شیر خوارگی کے زمانہ میں حضرت اُم المؤمنین اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی زوجۂ مطہرہ ہیں، ان کے منہ میں اپنا پستان مبارک دیا تھا اور قدرتِ خداوندی سے پستان مبارک سے دُودھ برآمد ہوا جو انہوں نے نوش فرمایا تھا (سبحان اللہ)

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ روزانہ چالیس ہزار بار سبحان اللہ پڑھا کرتے تھے علماء اور صوفیہ کا اس میں اختلاف ہے کہ تسبیح افضل ہے یا تہلیل۔ متاخرین حضرات نے تہلیل

---

[1] وہ ایسے ہیں اور میں ہر دم ایسا ہوں۔

کو افضل قرار دیا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ صوفیہ کے اکثر سلسلے اور طریقے ان (خواجہ حسن بصری) تک پہنچتے ہیں۔ پس یہ بزرگوں کے مقتدا اور صلحائے امت کے پیشوا ہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ آج (۱۱ رجب المرجب) حضرت شاہ ناصر الدین قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا روزِ وصال ہے۔ ان کا مزارِ پُر انوار دہلی شریف کے محلہ حبش پورہ میں واقع ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے اور جس سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔ یہ اس ذرہ بے مقدار کے والدِ بزرگوار کے پیر و مرشد تھے۔ ۱۱ رجب المرجب کی رات کو انہوں نے اس سرائے فانی سے عالمِ جاودانی کی جانب رختِ سفر باندھا۔ اسی روز میں اپنے وطن ریاست پٹیالہ سے آیا تھا۔ جب اس مکان میں پہنچا جس میں دہلی شریف کے اندر والدِ محترم رہتے تھے تو مجھے دیکھ کر ابا جان باغ باغ ہو گئے کیونکہ وہ مجھے اپنے مرشد گرامی قدر کے ارادت مندوں میں شامل کروانے کے متمنی تھے۔ اتفاق کی بات کہ (میری آمد کے) چند گھنٹوں کے بعد اُن کے مرشدِ برحق رحلت فرما گئے ـــــــ اس کے بعد حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیروں کا ذکر آیا۔ آپ نے فرمایا کہ حضرتِ غوث کے چار مرشد تھے، (۱) شیخ حماد دباس، (۲) شیخ ابوالوفا، (۳) ان کے والد سید شیخ ابوالصالح، (۴) شیخ ابوسعید مخزومی قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم۔

۹۰

۱۲ رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ـــــــ اتوار

یہ بندۂ بیکار اس مقبولِ بارگاہ پروردگار کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ اسم ذات یا نفی و اثبات کا ذکر اس لئے کرتے ہیں کہ جو کچھ کل عطا فرمانے کا وعدہ کیا گیا ہے وہ آج حاصل ہو جائے، نہ کہ دوزخ کے خوف یا جنت کی تمنا میں۔ بھلا جو عشق کی آگ میں جل بھن رہے ہیں ان کا جنت کی آرزو سے کیا تعلق۔ پھر آپ نے دلِ فیض منزل سے ایک آہ بھری اور فرمایا کہ وصل میسر آئیگا اور قطعی طور پہ میسر آئیگا۔ لیکن خودی سے گزر

جانا چاہیئے تاکہ ذات باری تعالیٰ سے قطعی تعلق ہو جائے ـــــــ اس کے بعد اولیاء اللہ کی موت کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ :-

ارواح بعضی اولیاء فرشتہ قبض کردہ در پارچہ حریر بہشت پیچیدہ خواہد کہ بسوی آسمان می برد کہ آں رُوح قبل از بردن فرشتہ از دست فرشتہ جست کردہ بجناب الٰہی می رسد چنانچہ در حدیث شریف وارد ست و بعضی ارواح طیّبہ را در قبض ساختن فرشتہ راہم دخلے نیست از دستِ قدرت خود اُو سُبحانہ، قبض می فرماید

(ص ۹۷)

بعض اولیاء اللہ ایسے ہیں کہ جب فرشتہ ان کی رُوح کو قبض کرکے جنت کے ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر آسمان کی جانب لے جاتا ہے تو وہ رُوح فرشتے کے لے جانے سے پہلے فرشتے کے ہاتھ سے اچھل کر بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہو جاتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے اور بعض اولیاء اللہ ایسے ہیں جن کی رُوح کو قبض کرنے میں فرشتے کا کوئی دخل نہیں ہوتا، انہیں اللہ تعالیٰ خود اپنے دستِ قدرت سے قبض فرماتا ہے۔

در کوی تو عاشقاں چناں جاں بدہند
کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز

۹۱

۱۳ رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ـــــــ پیر

یہ غلام اس قبلۂ انام کی محفل میں حاضر ہوا۔ اس وقت حدیث قدسی :- اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ کا ذکر تھا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ میرے نزدیک اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو مجھے خیال یا وہم کے ذریعے یاد کرے میں

اُس کے نزدیک ہوں۔ چنانچہ اس حدیث پاک کا باقی حصہ یہ ہے کہ جب وہ اس کے دونوں وقت میرے ذکر سے ملتے ہیں تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں۔ یہ حصہ اسی معنی پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے بعد حضور فیض گنجور میں ایک شخص آیا اور ذوق و شوق کی باتیں کرنے لگا۔ تو مرشد برحق نے یہ شعر پڑھے۔

مرغانِ چمن بہر صباحے! [۱] | خوانند ترا با صطلاحے

ندانم آں گلِ خنداں چہ رنگ و بو دارد [۲] | کہ مرغ ہر چمنے گفتگوئے او دارد

اور اسی مجلس میں آپ نے یہ شعر بھی پڑھا۔

یکبار بگو ہدیم نظیری [۳]
مشہور شوم بہ بے نظیری

اس کے بعد فرمایا کہ اس مضمون کی اصل حافظ شیرازی کے کلام میں پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے

نامِ من رفتست روزے بر لبِ جاناں بسہو [۴]
اہلِ دل را بوئے جاں می آید از نامم ہنوز!

بعد ازاں مرشدِ برحق نے فرمایا کہ حافظ شیرازی کے بعض اشعار کا مفہوم حدیث پاک کے موافق ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ نے یہ شعر پڑھا۔

۱؎ ہر صبح کو باغ کے پرندے تجھے اصطلاح کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔

۲؎ اس گلِ خنداں کے رنگ و بو سے اگرچہ میں ناواقف ہوں لیکن باغ کا ہر پرندہ اسی کی بات کرتا ہے۔

۳؎ اے دفعہ مجھے نظیری کہہ دیجیے میں بے نظیری میں مشہور ہو جاؤں گا۔

۴؎ ایک روز سہواً محبوب کے لب پہ میرا نام آ گیا۔ اہلِ دل کو اب تک میرے نام سے بوئے جاں آتی ہے۔

ساقیا عشرتِ امروز بفردا مفگن[1]
بازدیوانِ قضا خطِ امانی بمن آر

اور فرمایا کہ یہ اس حدیث کا مضمون ہے:۔ اِذَا اَمْسَیْتَ فَلَا تَنْتَظِرُ صَبَاحَکَ وَاِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرْ مَسَاکَ (جب تو شام کرے تو صبح کو نہ دیکھ اور جب صبح کرے تو شام کو نہ دیکھ) پھر فرمایا کہ آج کا کام کل پہ نہ چھوڑ اور فرصت کو غنیمت شمار کر۔

اس کے بعد آپ کی خدمت میں ہیرا اور رانجھے کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ ہیر تو حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی سنہ ھ) سے شرف ارادت رکھتی تھی۔ ایک روز آپ نماز پڑھ رہے تھے اچانک ہیر اُن کے سامنے سے گزر گئی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے اس سے فرمایا کہ تو میرے سامنے سے گزر گئی تھی حالانکہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ یہ گناہ ہے۔ ہیر نے کہا، سبحان اللہ! میں تو ایک ادنیٰ بندے کے عشق میں اس قدر بیہوش ہوں کہ مجھے آپ کا اور آپ کی نماز کا خیال تک نہ آیا لیکن آپ تو خود کو عاشق خدا کہتے ہیں لیکن عین محبوب کے حضور ہونے کے وقت آپ کو میرا گزرنا معلوم ہو گیا۔ خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ہیر کے اس الزامی کلام پہ شرمندگی ہوئی اور اپنا گریبان پھاڑ لیا۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ میں تیرے لیئے دعا کرتا ہوں کہ تو مقربین بارگاہ الٰہیہ سے ہو جائے۔ وہ عرض گزار ہوئی کہ اگر آپ میں طاقت ہے تو مجھے میرے رانجھے تک پہنچا دیجیئے ورنہ میری محبت کے رُخ کو اس جانب سے نہ پھیریئے۔ اس کے بعد آپ کے حضور قلندری کا ذکر آیا۔ مرشد برحق نے یہ شعر پڑھا

[1] اے ساقی! آج کے عیش و عشرت کو کل کے لئے اٹھا کر نہ رکھ۔ یا قضا و قدر کے دفتر سے میری امان کا خط لے آ۔

قلندر قطرۂ دریای عشق ست
قلندر ذرۂ صحرائی عشق ست

اس کے بعد یہ شعر پڑھا :-

صنما رہ قلندر سزا وار بمن نمائی
کہ دراز و دور بینم رہ و رسم پارسائی

اس کے بعد آپ کے حضور تصرفاتِ اولیاء اللہ کا ذکر آیا کہ اس مقدس گروہ کی اعانت اپنے مخلصین کے شاملِ حال ہوتی ہے اور یکساں ہے کہ یہ حضرات کسی کی مدد دانستہ فرمائیں یا نادانستہ لیکن ان کی مدد پہنچتی ضرور ہے۔ مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ اکثر اولیاء اللہ لوگوں کی مشکلیں حل فرماتے ہیں اور انہیں اس واقعہ کی خبر نہیں ہوتی ۔۔۔۔۔
اس کے بعد میاں الف شاہ عرض گزار ہوئے کہ میں اپنے وطن اُچ شریف سے بیعت ہونے کی غرض سے حضور کی جانب آ رہا تھا۔ آتے ہوئے راستہ بھول گیا۔ اچانک آپ کو دیکھا کہ تشریف لائے اور مجھے صحیح راستہ بتا دیا۔ میں نے اپنے اس محسن سے پوچھا کہ آپ کون بزرگ ہیں اپنے نام ونشان سے تو مطلع فرمائیں ؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں وہ ہوں جس کے پاس تو بیعت ہونے کے لئے جا رہا ہے۔ مجھے دو مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا۔
مرشدِ برحق نے فرمایا کہ میاں محمد یار صاحب بھی کہتے ہیں کہ میں تجارت کے لئے گیا۔ اچانک دیکھا کہ آپ تشریف لائے اور میری بیلی کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا کہ بیلی کو ذرا تیز کر دو اور دوڑاتے ہوئے جلدی اس قافلے سے دور ہو جا۔ کیونکہ اُسے ڈاکو لوٹنے اور تباہ و برباد کرنے والے ہیں۔ بیں بیلی کو دوڑا کر قافلے سے جدا ہو گیا

لے قلندر دریائے عشق کا قطرہ ہے۔ قلندر صحرائے عشق کا ذرہ ہے۔

ﷲ اے دوست! حق تو یہ ہے کہ تو مجھے راہِ قلندر دکھا کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ پارسائی کا راستہ دور دراز ہے

اور قضائے الٰہی سے اس سارے قافلے کو ڈاکوؤں نے غارت کر دیا جبکہ میں بخیر و خوبی منزل مقصود پہ پہنچ گیا۔

۹۲

۱۴ رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ـــــ منگل

یہ بندہ حضور والا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کشف کونی کی خطا کا ذکر آیا جو بزرگوں سے واقع ہو جاتی ہے۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ بعض اوقات بزرگوں کو کوئی چیز بذریعہ کشف دریافت ہوتی ہے لیکن اس کی تعبیر میں خطا واقع ہو جاتی ہے۔ لہٰذا غلطی کشف کی نہیں بلکہ واقعات کی تعبیر گہری نظر سے کرنی چاہیئے۔ اسی اثنا میں ایک اجنبی آدمی آیا۔ مرشدِ گرامی قدر نے اس کا نام دریافت فرمایا۔ اس نے جواب دیا کہ میرا نام دادا خاں ہے۔ آپ نے یہ رُباعی پڑھی۔

دا فریاد از عشق وا فریادا	کارم بیکے طرفہ نگار افتادہ
گر دادِ من شکستہ دادا دادا	ورنہ من و عشق ہرچہ بادا بادا

اس کے بعد تجلیات کے ورود کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ سالک پر مختلف قسم کی تجلیات وارد ہوتی ہیں اور اس بیچارے کو فنا کر کے رکھ دیتی ہیں۔ آپ نے زبانِ مبارک سے یہ مصرعہ پڑھا :-

برقے از محمل لیلیٰ بدر خشید سحر

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ تجلی افعالی جلوہ گر ہو کر افعالِ عباد تو سالک کی نگاہوں سے پوشیدہ کر دیتی ہے اور کبھی تجلی صفاتی وارد ہو کر صفات مخلوق کو سالک کی نگاہوں سے مخفی کر دیتی ہے اور کبھی تجلی ذات ظہور فرماتی ہے تو ذاتِ عالم کا ذاتِ باری تعالیٰ میں اضمحلال میسر آجاتا ہے۔

اس کے بعد حضور پُر نور میں عقل کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ عقل دو قسم کی ہے ـــــ ایک عقلِ نورانی ـــــ دوسری عقلِ مظلم ـــــ عقلِ نورانی وہ

ہے کہ آدمی خود بخود منہیات سے اجتناب کرنے لگتا ہے اور اوامر پہ پختگی سے عمل پیرا ہو جاتا ہے اور عقلِ مظلم وہ ہے کہ مرشد کے ہدایت فرمانے کی بدولت منہیات سے احتراز و اجتناب کرے۔

اِس کے بعد آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک روز حضرت شاہ عبدالرحیم نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کسی گلی سے گزر رہے تھے، ناگاہ آپ نے دیکھا کہ راستے میں تالاب کے کنارے ایک پلّا (کُتّے کا بچّہ) کیچڑ میں پڑا ہوا ہے اور اس میں کیچڑ سے باہر نکلنے کی طاقت نہیں رہی تھی۔ آپ نے لوگوں سے اُسے پلّے کو نکالنے کے لیے کہا لیکن کسی نے آپ کی بات پر کان نہ دھرے۔ آخرکار اُس پلّے کو آپ نے خود اپنے دستِ مبارک سے نکالا اور اہلِ محلہ سے کہا کہ آپ میں سے کوئی اس کی پرورش کرنے کے لیے تیار ہے ایک باورچی وہاں موجود تھا۔ کہنے لگا کہ میں اس کی پرورش کا ذمہ لیتا ہوں۔ انہوں نے وہ پلّا اس کے حوالے کیا اور واپس تشریف لے آئے۔

چند روز کے بعد دوبارہ آپ کا گزر اس گلی سے ہُوا لیکن کیچڑ کے باعث اس گلی سے صرف ایک آدمی کے گزرنے کا راستہ تھا اور سامنے سے ایک کتا آ رہا تھا۔ انہوں نے اس کتے کو دھتکارا اور خود راستے سے گزر گئے۔ کتا کہنے لگا کہ حضور! آپ نے مجھ پر ظلم کیا ہے کیونکہ راستہ چلنے میں آپ اور مَیں برابر کے حقدار ہیں لیکن آپ نے مجھے روک دیا اور خود گزر گئے۔ انہوں نے فرمایا کہ تو بھیگا ہُوا تھا۔ لہٰذا میرے کپڑوں کو پلید کر دیتا اس لیے مَیں نے تجھے روک دیا تھا۔ کتے نے جواب دیا کہ عالی جناب! آپ کے کپڑے تو ایک لوٹا پانی سے پاک ہو سکتے تھے لیکن جس اَنا نیت کی پلیدی میں آپ ملوّث ہیں اسے تو دھوتے دھوتے سات دریاؤں کا پانی ختم ہو سکتا ہے لیکن یہ پلیدی دور نہیں ہو گی۔

اس کے بعد کتے نے کہا کہ صُوفیوں کو ایثار کا مذہب اختیار کرنا چاہیئے جبکہ

آپ نے اختیار کا راستہ پکڑا ہوا ہے۔ انہوں نے پوچھا، وہ کس طرح؟ کُتّے نے جواب دیا کہ آپ مجھے ہٹا کر خود گزر گئے تھے۔ پھر کتے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو عقل نورانی پہچانتی ہے نہ کہ عقلِ مظلم۔ انہوں نے کہا کہ اِن دونوں عقلوں کی تعریف بیان کرو۔ کتے نے کہا کہ عقلِ نورانی وہ ہے کہ بغیر وعظ و نصیحت کے حق بات کو قبول کرتی ہے اور عقلِ مظلم وہ ہے کہ قدم قدم پر نصیحت کی ضرورت پڑے۔

۹۳

۱۵ رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ــــــ بدھ

حضور فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ طریقہ نقشبندیہ شیطانی وسوسوں سے محفوظ و مامون ہے۔ اِس طریقے کے بزرگوں نے بنیاد ہی حضور و آگاہی اور جمعیت پہ رکھی ہے اور کشفِ انوار یا ظہورِ رویا کو ناقابلِ اعتبار شمار کیا ہے۔ برخلاف دوسرے طریقوں کے کہ اُن کی بنیاد انوار و اسرار پہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک روز حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پر تجلّی واقع ہوئی۔ انہوں نے روشنی کے اندر سے اپنے مبارک کانوں سے یہ آواز سُنی کہ اے دوست! میں نے تیرے لئے نماز روزے معاف کر دیئے اور تیرے دِل کو کدورت سے صاف کر دیا۔ یہ حیران ہوئے کہ سرورِ کون و مکان صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لئے بھی صوم و صلوٰۃ کی معافی نہ ہوئی تو میں اس بارگاہ کا جبکہ ایک ادنیٰ غلام ہوں تو میرے لئے یہ معافی کیسے ہو سکتی ہے اور فوراً آپ زبانِ مبارک سے کلمہ توحید پڑھنا شروع کر دیتے ہیں اور شیطان لعین کے وسوسے سے چھٹکارا پا لیتے ہیں۔ ان کا ہادی و معین خدائے ذوالمنن تھا جس نے شیطان کے فریب سے محفوظ رکھا اور راہِ ہدایت دکھائی۔ وہ شیطانی تجلّی ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

اس کے بعد شیطان نے آواز دی کہ میں نے کتنے ہی لوگوں کو اس عالی منصب سے گمراہی کے گڑھے میں دھکیل دیا ہے چونکہ تمہارا ہادی خود پروردگارِ عالم ہے اور تمہارے پُشت پناہ

محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں اس لئے میرا کوئی داؤ تم پر کارگر نہیں ہوتا اس کے بعد آپ کے حضور شغلِ باطنی کا ذکر آیا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ جو مشغول ہے وہ مقبول ہے اور جو غافل ہے وہ درِ قبولیت تک کب پہنچتا ہے۔ راقم کہتا ہے کہ کسی شخص نے کیا خوب کہا ہے۔

ہر آنکو غافل از حق یک زماں ست

دراں دم کافرست امّا نہاں ست[1]

اور محبوب رعنا کی یاد کے سلسلے میں یہ شعر کس قدر مناسب کہا ہے:۔

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی

کہ یک دم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

چنانچہ اس کے بعد آپ کے حضور مرشد کی تابعداری کا ذکر آیا۔ مرشد گرامی قدر نے ارشاد فرمایا:۔

کہ کار سے خلافِ مرضی پیر رہبر	کامل پیر و مرشد کی مرضی کے خلاف
نسبت باطن را خراب وابتر میساند	کوئی کام کرنا باطنی نسبت کو خراب اور
پس فرمودند کہ شخصے بے اجازت	ابتر کر دیتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا
من خرپزہ بحضور نواب برد	کہ ایک شخص میری اجازت کے بغیر
باطن او سیاہ گردید۔ او ندانست	نواب کی خدمت میں خربوزے لے گیا
کہ سببش ایں ست۔ استغفار	تو اس کا باطن سیاہ ہو گیا۔ وہ اس کا
و توبہ از گناہاں خود کرد۔ ہیچ	سبب نہیں جانتا تھا۔ گناہوں سے توبہ
اثرش ظاہر نگشت۔ بعد	استغفار کرتا رہا لیکن اس کا کوئی اثر

[1] جو ایک آن بھی اللہ تعالیٰ سے غافل ہے وہ کافر ہے اگرچہ چھپا ہوا۔

انگاہ گفت کہ ایں جرم بردن خربزہ کہ نا مرضی مرشد سرزد شدہ است تدیں توبہ می نمایم فی الحال انبساط پیدا شد و نسبت باطنش بطور سابق ظاہر گردید۔ (ص-۱۰۱)

ظاہر نہیں ہوا۔ اس کے بعد کہا کہ مجھ سے یہ جرم سرزد ہو گیا ہے کہ مرشد کی مرضی کے بغیر خربوزہ لے گیا تھا۔ اس سے توبہ کرتا ہوں۔ فوراً انبساط پیدا ہو گیا اور باطنی نسبت حسبِ سابق ظاہر ہو گئی۔

۹۴

۱۶ رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ——— جمعرات

محفلِ فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ میرے احباب میں سے جو راہِ صبر و توکل اور قناعت تقویٰ اختیار کر کے اپنے دل میں حضور و جمعیت اور انوار و کیفیات پیدا کر چکے ہیں۔ انہیں میری جانب سے اجازت ہے کہ طالبین کو بیعت کریں۔ لیکن جن حضرات کے صبر و توکل میں فتور ہے ان کے لئے بیعت کرنا اور کسی کو مرید بنانا درست نہیں ہے خواہ انہیں میری جانب سے اجازت مل چکی ہو کیونکہ ایسے حضرات حقیقت میں میری جانب سے مجاز نہیں ہیں۔

۹۵

۱۷ رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ——— جمعۃ المبارک

فدوی حضور پُر نور میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے ارشاد فرمایا کہ سیرِ آفاقی اپنے بیرونی انوار کے مشاہدے کا نام ہے اور سیرِ انفسی خود اپنے سینے کے انوار کو دیکھنے سے عبارت ہے ——— اس کے بعد ہدایت کو نہایت میں درج کرنے کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ اس عبارت کے معانی تو بہت سے ہیں لیکن میرے نزدیک صورتِ احوال یہ ہے کہ جس وقت حضور و جمعیت حاصل ہو جاتی ہے اور کیفیات، جذبات اور واردات کی آمد ہوتی ہے

تو اسے نہایت کہتے ہیں (یعنی کمال کی انتہا) لیکن یہ سعادت سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی بدایت (ابتداء) میں حاصل ہو جاتی ہے۔

فرمایا کہ دوسرے طریقوں کے اکابر قدس اللہ سرہم مقاماتِ عشرہ کے حصول کے بعد جو صبر و توکل وغیرہما میں حضور و آگاہی کی جانب متوجہ ہوتے ہیں، لیکن سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے اکابر نے ابتدا ہی میں اس کام کی بنیاد حضور و جمعیت پر رکھی ہے۔

اس کے بعد آپ کے حضور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی اصطلاحات کا ذکر آیا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ ان میں سے ایک اصطلاح سفر در وطن ہے۔ اس سے مراد بُری عادتوں سے نیکیوں کی جانب جانا ہے یعنی بے صبری سے صبر کی جانب دوڑنا۔ بے قناعتی سے قناعت کی طرف آنا۔ بے توکلی سے توکل کی سمت متوجہ ہونا اور سیرِ سلوک کا ماحصل تہذیبِ اخلاق کو بتایا گیا ہے چنانچہ حدیث شریف میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے تاکید فرمائی گئی ہے یعنی:- قال رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم اِنَّ اللّٰہَ بَعَثَنِیْ لِاِتْمَامِ مَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَکَمَالِ مَحَاسِنِ الْاَفْعَالِ (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارمِ اخلاق کی تکمیل اور اچھے کاموں کو درجۂ کمال تک پہنچانے کے لیے مبعوث فرمایا ہے)

راقم الحروف عفی عنہ کہتا ہے کہ جب اس مقام پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی اصطلاحات کا ذکر آگیا، تو اس بارے میں چند کلمات لکھنے ضروری نظر آئے۔ لہٰذا تحریر کرتا ہوں کہ مرشد برحق ہمیشہ ان اصطلاحات پر عمل کرنے کی تاکید فرماتے رہتے ہیں اور اس بات کو خواجہ محمد معصوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ملفوظات قدسی آیات سے، جو ہمارے پیران پیر ہیں تحریر کرتا ہوں۔

جاننا چاہیے کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں جو کلمات شہرت رکھتے ہیں ان کی تعداد بارہ[۱۲] ہے ان کلمات میں سے ایک سفر در وطن ہے جو سیر انفسی سے عبارت ہے اور جس کو

جذبہ بھی کہتے ہیں۔ ان بزرگوں کے معاملہ کی ابتداء اسی جذبہ سے ہوتی ہے اور سیر آفاقی کہ سلوک اسی کا نام ہے، اسے اسی سیر کے اندر طے کرتے ہیں ـــــ جبکہ دوسرے سلاسل میں ابتدائے کار سیر آفاقی سے کرتے ہیں اور سیر انفسی پہ انتہا ہوتی ہے ـــــ کام کی ابتداء سیر انفسی سے کرنا یہ اسی سلسلہ نقشبندیہ کی خصوصیت ہے اور نہایت کو ہدایت میں داخل کرنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ سیر انفسی جو دوسروں کی انتہا ہے وہ ان بزرگوں (اکابر نقشبندیہ) کی ابتداء ہے۔ سیر آفاقی مطلوب کو اپنے وجود سے باہر تلاش کرنا ہے اور سیر انفسی اپنے اندر آنا اور اپنے دل کے گرد پھرنا ہے۔ اسی معنی میں کہا ہے:۔

> ہمچو نابینا مہر ہر سوے دست
> با تو در زیر گلیم ست ہر چہ ہست [1]

ان اصطلاحات میں سے خلوت در انجمن بھی ہے یعنی انجمن میں جو تفرقہ کا محل ہے، اس سے باطن کے راستے مطلوب کے ساتھ خلوت چاہیئے تاکہ بیرونی تفرقہ اندرونی حجرے کا راستہ نہ پائے:۔

> از بروں درمیاں بازارم [2]
> وز دروں خلوتیست با یارم

ابتداء میں اس کے اندر تکلف ہے لیکن انتہا تکلف سے خالی ہے ـــــ اس طریقہ نقشبندیہ میں یہ چیز جس طرح شروع میں حاصل ہوتی ہے، اور اس کے حصول کے لئے جو راستہ وضع کیا گیا ہے وہ اس مبارک طریقے کے خصائص سے ہے، اگرچہ انتہائے کمال کو پہنچنے والے حضرات کو دوسرا طریقہ بھی حاصل ہو جاتا ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے۔

---

[1] نابینا کی طرح اِدھر اُدھر ہاتھ نہ مار۔ جو کچھ ہے وہ تیری گدڑی کے نیچے ہے۔

[2] باہر سے میں بازار کے اندر ہوں لیکن اندرونی طور پہ یار کے ساتھ خلوت ہے۔

از[۱] دروں شو آشنا و از بروں بیگانہ وش !
ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں

ان اصطلاحات میں سے نظر بر قدم بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ راستہ چلتے ہوئے نظر قدم پہ رکھنی چاہیئے تاکہ قسم قسم کے محسوسات ذہن کو پراگندہ نہ کر دیں اور جمعیت کے قریب ہو جائے کیونکہ ابتدا میں دل نظر کے تابع ہوتا ہے اور نظر کی پریشانی دل پہ اثر انداز ہوتی ہے۔

بچہ[۲] مشغول کنم دیدۂ دل را کہ مدام	دل ترا می طلبد دیدہ ترا می خواہد
دارم ہمہ جا باہمہ کس، در ہمہ حال	در دل ز تو آرزو و در دیدہ خیال

ان اصطلاحات میں سے ایک ہوش در دم ہے کہ نفس سے واقف ہو جائے تاکہ غفلت نہ آنے پائے۔

ندانم[۳] چہ فسوں کردہ کہ می بینم
زماں زماں بتو مائل نفس نفس مشتاق

تفرقہ کو دفع کرنے کے لئے کلمۂ تمجید ہے اور یہ (تفرقہ) آفاق سے پیدا ہوتا ہے اور تفرقۂ الفس کو دفع کرنے کے لیے چونفا کلمہ ہے۔ ——— ان اصطلاحات میں سے یاد کرد اور یاد داشت بھی ہے۔ یعنی جب تک سالک طریقت میں تصنع کے اندر ہے

---

[۱] اندر سے آشنا ہو جا اور باہر سے بیگانہ رہ۔ یہ مناسب روش دنیا میں کم رہ گئی ہے۔

[۲] دل کو میں کس چیز کے ساتھ مشغول کروں جبکہ دل ہمیشہ تیری طلب رکھتا ہے اور آنکھ تجھے چاہتی ہے۔ میں ہر جگہ، ہر شخص کیساتھ، ہر حال میں دل کے اندر تیری آرزو اور آنکھ میں تیرا خیال رکھتا ہوں۔

[۳] معلوم نہیں تُو نے کیا جادو کر دیا کہ میں ہر ایک زمانے کو تیری جانب مائل اور ہر شخص کو تیرا مشتاق دیکھتا ہوں۔

اور حقیقت میں حضوری کا ملکہ اُسے حاصل نہیں ہوا ہے، اس وقت تک وہ مقامِ یاد کرد میں ہے یعنی اس ذکر اذکار میں مشغول رہتا ہے جو شیخ نے اُسے تلقین فرمائے ہیں اور ہمیشہ تکلف کے ساتھ ان کی تکرار میں مصروف رہتا ہے، یہاں تک کہ حضوری کے مرتبہ کو پہنچ جائے۔

سَر رشتۂ دولت اے برادر بکف آر[1]	ویں عمر گرامی بخسارت مگذار
دائم ہمہ جا، با ہمہ کس، در ہمہ کار	میدار نہفتہ چشم دل جانب یار

جب دائمی حضور اور ذوق میسر آجائے تکلف دُور ہو اور ملکہ حاصل ہو جائے کہ منفی کی نفی نہ ہو تو یہ یاد داشت ہے ——— یاد داشت کے اور بھی کئی بلند پایہ معانی ہیں لیکن اس رسالے میں تفصیل کی گنجائش کہاں ——— حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ذکر سے مقصود یہ ہے کہ دل ہمیشہ حاضر رہے اور اللہ جل شانہٗ کی جانب محبت اور تعظیم سے لَو لگی رہے۔

ان اصطلاحات میں سے ایک بازگشت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ذکرِ نفی و اثبات کے بعد اپنے دل کے ساتھ یہ عہد کرے کہ الٰہی! اَنْتَ مَقْصُوْدِیْ وَ رِضَاکَ مَطْلُوْبِیْ یعنی اس کلمہ کے ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ ہر خاطر کی نفی ہو جاتی ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد۔ یہاں تک کہ خالص ہو جاتا ہے اور سِر ماسوا کے ذکر سے فارغ ہو بیٹھتا ہے۔ اگر خالص نہ ہو تو اس کلمہ کا ذکر خود کرتا رہے یا مرشد کی تقلید میں کہتا رہے تاکہ برکت اور اخلاص کیساتھ اُس کو اپنا مدعا حاصل ہو جائے۔

ان اصطلاحات میں سے ایک نگاہ داشت ہے جس کا مطلب خواطر کا مراقبہ کرنا ہے یعنی کلمۂ طیبہ کی تکرار کیوقت یہ کوشش کرے کہ غیر کا خطرہ دل میں نہ آنے پائے۔ ایک دو ساعت وقوف قلبی بھی ہے جو بیداری اور حضور قلب سے عبارت ہے یعنی حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے اسطرح لَو لگی رہے کہ قلب کو حق تعالیٰ سے غفلت اور غرض

---

[1] اے بھائی! دولت کا سر رشتہ تو اپنے قبضے میں لے اور اس عمر عزیز کو نقصان کیساتھ نہ گزار۔ ہمیشہ ہر جگہ، ہر شخص کیساتھ، ہر کام میں دل کی آنکھ کو خفیہ طور پر یار کی جانب لگائے رکھ۔

یہ مراقبہ کرنا سالک کے لیے ضروری ہے۔

ترا یک پند بس در ہر دو عالم[1]
ز جانت بر نیاید جز خدا دم

ان اصطلاحات میں سے وقوف قلبی بھی ہے جو بیداری اور حضور قلب سے عبارت ہے یعنی حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے اس طرح لو لگی رہے کہ قلب کو حق تعالیٰ سے غفلت اور غرض نہ ہو۔ پس سالک کے لئے ضروری ہے کہ بوقت ذکر اپنے دل پر واقف اور حاضر ذہنی و قلبی طور پر رہے اور دل کو نہ چھوڑے تاکہ وہ ذکر یا اس کے مفہوم سے غافل نہ ہو۔

حضرت خواجہ نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سانس روکنے اور گنتی کی رعایت کرنے کو لازم نہیں فرماتے لیکن وقوف قلبی کو ضروری قرار دیتے ہیں کہ ذکر اور رابطہ (شغل برزخ) میں اس کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ ذکر سے وقوف قلبی حاصل کرنا اور غفلت کو دور کرنا ہے، یعنی خشوع و خضوع اور محبت و تعظیم کے ساتھ ہمیشہ کا حضور حاصل ہو جائے۔

مانند مرغے باش ہاں بر بیضۂ دل پاسباں[2] | گو بیضۂ دل زایدت مستی و شور و قہقہہ
رو بر در دل بنشیں کاں دلبر چو گاہے | وقتی سحری آید یا نیم شبی باشد

وقوف قلبی سے مراد یہ ہے کہ دل کی نگرانی کرے اور اس کی حالت سے واقف رہے اور اس پر نگاہ توجہ رکھے۔ ذکر سے کبھی قطع نظر نہ کرے تاکہ تفرقہ کو راہ نہ ملے اور ماسوا کے نقوش دل پر منقش نہ ہونے پائیں۔ کہا گیا ہے کہ دل کسی وقت بیکار نہیں رہتا۔ وہ یا تو ماسوا سے متعلق رہتا ہے یا مطلوب کے ساتھ۔ آدمی جب تک بیدار رہتا ہے تو اس کے

---

[1] تیرے لئے دونوں جہانوں میں ایک ہی نصیحت کافی ہے کہ تیری جان سے خدا کی یاد کے سوا اور کچھ نہ نکلے۔

[2] پرندے کی طرح دل کے انڈے کا پاسبان ہو جا۔ خواہ تیرے دل کا انڈا زیادہ مستی دکھائے یا شور و قہقہہ کرے تیا اور نہ دل کے دروازے پر بیٹھ جا کہ وہ دلبر صبح اور آدھی رات کو آتا ہے۔

ظاہری حواس جو جاسوس کا کام کرتے ہیں وہ دنیا کی خبریں اس کے دل تک پہنچاتے رہتے ہیں اور اسے تفرقہ میں مبتلا رکھتے ہیں اور جب صاحب دل اپنے دل کی جانب متوجہ رہتا ہے تو اس توجہ سے اس کے دل کے گرداگرد ایک قلعہ نما دیوار پیدا ہو جاتی ہے جس کے باعث دنیا کی خبریں دل تک پہنچنے سے قاصر رہ جاتی ہیں۔ اس حالت کے اندر دل مقصود اصلی میں مشغول ہوتا ہے اور بیکاری اس کے حق میں مفقود ہوتی ہے۔ جب وہ اس ماسوا طرف سے روک دیا جاتا ہے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ وہ مقصود حقیقی کی جانب متوجہ ہو جائے اور اس کے ذکر و فکر کے سوا اور کسی کی احتیاج نہیں رہ جاتی کہا گیا ہے کہ دل دشمن سے سازباز رکھتا ہے اور دوست کو طلب کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ دل کے آئینے سے زنگ کو دور کر دیا جائے تو ظہور نور کے سوا اور کچھ نہیں رہتا۔ میں نے مرشد برحق سے سنا ہے کہ جس کے اندر ذکر قلبی اثر نہ کرے تو اسے ذکر سے روک کر وقوف قلبی کا حکم دینا چاہیئے اور اس پہ توجہ ڈالنی چاہیئے تاکہ ذکر اس پر اثر انداز ہونے لگے۔

ان اصولوں میں سے وقوف عددی وہ ہے کہ نفی و اثبات کی گنتی سے جیسا کہ اس طریقہ (عالیہ نقشبندیہ) کا معمول ہے واقف رہے۔ یہاں تک کہ ہر سانس میں طاق بار کہے نہ کہ جفت۔ کہا گیا ہے کہ یہ ذکر جب ایک سانس میں اکیس تک شرائط معتبرہ کے ساتھ پہنچ جاتا ہے اور پھر بھی اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ یعنی نیستی اور فنا وغیرہ کو نہ دیکھا تو یہ صورت حال اس عمل کے لاحاصل ہونے کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔ (ایسی حالت میں) چاہیئے کہ سلوک و ذکر کو بڑے اخلاص و تقویٰ کے ساتھ لطیفۂ سر کے ذریعے حاصل کرے تو شاید فائدہ حاصل ہو جائے۔

ان اصولوں میں سے وقوف زمانی وہ ہے کہ اپنے اوقات کا حساب کرے۔ اگر اچھے اعمال کے ساتھ وقت گزارا ہے تو خدا کا شکر بجا لائے اور اگر ناشائستہ کاموں میں وقت گنوایا ہے تو اپنی حالت کے موافق استغفار کرے (یہ بھی مدنظر رکھے کہ) ابرار کی

نیکیاں مقربین کے سیئات سے بڑھ کر نہیں ہیں۔ ان میں سے سلطان ذکر وہ ہے کہ ذکر سارے جسم پر مسلط ہو جائے یعنی بدن کا ہر عضو دل کی طرح مطلوب کے ذکر و فکر میں مشغول ہو جائے۔

ہر دم بہوائی تست دمساز
ہر موی ز گیسوم بہ پرواز[1]

(اُن کا مقدس کلام ختم ہوا)

۹۶

۱۸، رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ——— ہفتہ

یہ غلام اس قبلۂ انام کے حضور حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے ارشاد فرمایا۔ طالب کو چاہیئے کہ صحتِ الفاظ، صحتِ معانی، وقوفِ قلبی، خطرات کی نگہداشت اور توجہ الی اللہ کے ساتھ تہلیل لسانی (کلمہ طیبہ کا وِرد) کرے ورنہ وہ (ذکر) طریقت میں شمار نہیں ہوگا۔ نیز اسم ذات اور نفی و اثبات کا ورد بھی معنی وغیرہ کا لحاظ رکھتے ہوئے فیض کے انتظار میں کرنا چاہیئے۔

۹۷

۱۹، رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ——— اتوار

حضور فیض گنجور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مرشد گرامی قدر نے لطائف کے رنگ بیان فرمائے اور لطیفۂ نفس کے نور کو صبح کے مانند بیان کیا۔

۹۸

۲۰، رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ——— پیر

محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے ارشاد فرمایا کہ کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ

---

[1] ہر وقت تیری توفیق سے میں دم مارتا ہوں اور میرے گیسو کا ہر بال تیری جانب پرواز کرتا ہے۔

آیاتِ قرآنی میں سے ایک آیت ہے اور محمدٌ رسول اللہ بھی کلام الٰہی میں سے ایک کلمہ ہے۔ پس اس کلمہ طیبہ کو اگر کوئی اس لحاظ سے پڑھے کہ نہ کلامِ الٰہی سے ایک آیت ہے تو فیض اور قسم کا حاصل ہوگا اور اگر اسی کلمہ طیبہ کو اسی معنی کے لحاظ سے پڑھے کہ یہ وہ کلمہ ہے جس کے پڑھنے والا قائل مسلمان ہوتا ہے نیز ہم پیغمبرِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی جانب سے مامور ہیں کہ اس کلمہ کو زبان سے پڑھیں اور دل سے اس کے معنی کی تصدیق کریں۔ اگر یہ معنی دل میں رکھ کر پڑھیں گے تو دوسری قسم کا فیض حاصل ہوگا۔

یہ بھی فرمایا کہ کلمہ طیبہ کا پہلے معنی کے لحاظ سے پڑھنا جنبی کے لیے حرام ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے خواہ کسی حالت میں ہو اس کا پڑھنا جائز ہے اگرچہ جنبی ہو یا حدث کی حالت میں ——— یہ بھی فرمایا کہ کلمہ طیبہ کا ورد خواہ زبانی کیا جائے یا قلبی، دوسرے معنی کے لحاظ سے عالمِ امر کے لطائف میں ترقی کا موجب ہوتا ہے اور پہلے معنی کے لحاظ سے کمالات وحقائق میں پورا پورا فائدہ دیتا ہے۔

یہ بھی فرمایا کہ نصف کلمہ طیبہ کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ہے۔ یہ تجلّیِ صفات سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا دوسرا حصہ جو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ ہے، وہ تجلّیِ ذات سے متعلق ہے۔ پس پہلے نصف حصے کے پڑھنے سے جو فیض آتا ہے اس کا مبدأ تجلّیِ صفات ہوتا ہے اور دوسرے نصف حصے کے پڑھنے سے جو فیض حاصل ہوتا ہے اس کا مبدأ تجلّیِ ذات ہے۔ ان دونوں میں کتنا واضح فرق ہے۔ حق یہ ہے کہ دونوں کے انوار و اسرار اور فیوض میں بہت تفاوت ہے اور جس کو چشمِ بینا عطا فرمائی گئی ہے وہ اس کا مشاہدہ بھی کرتا ہے ——— اور یہ بھی فرمایا کہ طالب کو چاہیئے کہ مطلوب کی یاد سے ایک لحظہ بھی غافل نہ رہے۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

ایں شربتِ عاشقی است خسروؔ[1]
بے خونِ جگر چشید نتواں

---

[1] اے خسروؔ! یہ عاشقی کا شربت ہے جسے خونِ جگر کے بغیر نہیں چکھا جاسکتا۔

یہ بھی فرمایا کہ تجرید و تفرید میں یہ فرق ہے کہ تجرید ظاہری علائق سے لاتعلق ہونے کو کہتے ہیں اور تفرید باطنی علائق سے منقطع ہو جانا ہے۔ ــــــ یہ بھی فرمایا کہ اِقْرَءُوْا الْقُرْاٰنَ بِالْحُزْنِ فَاِنَّہٗ اُنْزِلَ بِالْحُزْنِ[1] وہ ہے کہ جب قرآن کریم میں نافرمانی کا ذکر آئے تو اظہار خوف و حزن کرنا چاہیئے کہ مبادا میرا بھی ایسا ہی حال نہ ہو جائے اور جب اہل ایمان کا ذکر آئے تو اس بات سے خائف ہو کہ میں ایسا نہیں ہوں اور جب اوامر و نواہی مذکور ہوں تو غمگین ہونا چاہیئے کہ ان ارشادات کے مطابق عملی میدان میں مجھ سے کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔ باقی باتوں کو بھی اس پہ قیاس کر لینا چاہیئے۔

ــــــ یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے اور تمام گناہوں میں سب سے بڑا گناہ کفر ہے۔ پس دنیا کی محبت بھی کفر ہوئی۔ جیسا کہ مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے:۔

اہلِ دنیا کافرانِ مطلق اند[2]!!
روز و شب در بق بق و در زق زق اند

۹۹

۱۲ رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ــــــ منگل

حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مرشدِ گرامی قدر نے ارشاد فرمایا کہ مذہب حنفی رکھنے والے کی ضرورت ہے کہ وہ حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[3] المتوفی ۱۹۲ھ کی کتاب مستطاب مؤطا شریف کو اپنے پاس رکھے، کیونکہ اس کتاب میں یہ عجیب کام کیا ہے کہ اپنے مذہب کی تائید میں احادیث صحیحہ و آثار صریحہ پیش فرمائے ہیں۔

---

[1] قرآن کو سوز کے ساتھ پڑھو کیونکہ یہ سوز کے ساتھ نازل ہوا ہے۔

[2] دنیا کی محبت پھنسے ہوئے لوگ بھی مطلق کافر ہیں جو دن رات فضول باتوں میں مشغول رہتے ہیں۔

[3] امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عراق کے شہر واسط کے اندر ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے بعض سن

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ چاروں مذاہب (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) میں چار (یعنی ہر ایک میں ایک ایک) خصوصیات ہیں جنہوں نے ایک کو دوسرے سے ممتاز کیا ہوا ہے۔ مذہب حنفی کا خاصہ یہ ہے کہ اس میں ہدایہ ایسی کتاب ہے جس کے مانند دوسرے مذاہب میں کوئی کتاب نہیں ہے۔ مذہب شافعی میں امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہوئے کہ ایسا محقق دوسرے مذاہب میں کوئی نہیں ہوا۔ حنبلی مذہب میں حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوئے جو مقربین بارگاہِ الٰہیہ (اولیاء اللہ) کے سرگروہ ہیں۔ مالکی مذہب میں خود حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وجود مبارک ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۱۰۰

۲۲ رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ——— بدھ

حاضر بارگاہ ہوا۔ مولوی کرم صاحب نے بیعت کی تیسری مرتبہ تجدید کی۔ مرشد برحق نے ان کے حال پر بے انتہا نگاہِ مرحمت فرمائی۔ انہیں تبرک کے طور پر خرقہ و کلاہ کا تحفہ مرحمت فرمایا گیا اور ان کے حال پر بہت زیادہ توجہ فرمائی گئی۔ اس کے بعد عارفِ روم حضرت مولوی معنوی قدس سرہٗ کی مثنوی شریف کا درس شروع ہوا۔ جب طوطی اور سوداگر کی حکایت پڑھی جا رہی تھی اور ان اشعار[1] تک نوبت پہنچی۔

ایں روا باشد دفا اے دوستاں	من دریں حبس و شما در بوستاں
یاد آرید اے مہاں زیں مرغ زار	یک صبوحی درمیان مرغزار

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) پیدائش ۱۳۵ھ لکھتے ہیں۔ علم و فضل کے بحرِ بیکراں اور فقہ حنفی کے مدوّن و پاسبان ہوئے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۵۰ھ) کے ارشد تلامذہ سے ہیں۔ ان کے بعد قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۸۲ھ) کی شاگردی کی اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۷۹ھ) سے بھی استفادہ کیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۲۰۴ھ) آپ کے شاگرد ہیں۔ ۱۹۲ھ میں وصال ہوا۔

[1] اے دوستو! کیا یہ وفاداری ہے کہ میں اس قید میں ہوں اور تم باغ میں۔ اس حقیر اور بے چین پرندے کو بھی یاد کرو اور چراگاہ میں صبح کی شراب کا ایک دور چل پڑے۔

تو مرشد گرامی قدر نے بڑے اونچے پائے کے حقائق و معارف بیان فرمائے، جن کے باعث حضرت مولانا کی نسبت نے ظہور فرمایا۔ صاحب ملفوظات پہ خوشی کا غلبہ تھا جس کے باعث حاضرین بارگاہ پہ عجیب تاثیر واقع ہوئی اور گرمی (حرارت عشق و محبت) میسر آئی۔

۱۰۱

۲۳ رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ——— جمعرات

حاضر خدمت ہوا تو مثنوی شریف کا درس ہو رہا تھا۔ ذکر اس کمون و بروز کے احوال کا تھا جو مشائخ عظام پہ واقع ہوتا رہتا ہے۔ جب حضرت مولانا کے اس شعر

کو یکے مرغے ضعیفے بے گناہ[۱]

در درونش صد سلیماں با سپاہ

کا ذکر آیا تو مرشد برحق نے فرمایا کہ جب عارف پہ بروز کی حالت آتی ہے تو وہ اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ اپنی وسعت کے باعث زمین و آسمان میں نہیں سماتا بلکہ زمین و آسمان اور عرش و فرش اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے وہ اس کے گوشۂ دل میں آجاتے ہیں پس ملک سلیمان اور اس لاؤ لشکر کو ایسا درویش کیا شمار کرے ——— اور جب عارف پر کمون کی حالت آتی ہے تو وہ اپنے آپ کو ایک ذرّے سے بھی چھوٹا پاتا ہے بلکہ اپنی ذات کو کچھ بھی نہیں پاتا۔

اس کے بعد آپ یارانِ طریقت کو توجہ دینے میں مشغول ہو گئے اور ایک شخص سے فرمایا۔ کہ وہ اہلِ حلقہ کے لئے پنکھا ہلائے اور اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میرے پیر و مرشد حضرت مرزا جانِ جاناں شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بذریعہ کشف دیکھتا ہوں کہ جو شخص اہلِ حلقہ کے لئے پنکھا ہلاتا ہے وہ ہر ایک کے فیض و توجہ میں شریک (حصہ دار) ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے ہر ایک کو راحت پہنچتی ہے۔ اس کے بعد حضرت شہید رحمۃ اللہ

---

[۱] وہ ضعیف اور بے گناہ پرندہ کہاں ہے، جس کے اندر لشکر سمیت سو سلیمان تھے۔

علیہ نے نقل فرمایا کہ ایک روز میں اپنے مرشدِ گرامی قدر یعنی حضرت سید السادات، سید نور محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ آپ نہایت مسرور بیٹھے ہیں۔ میں نے مسرت کا سبب دریافت کیا، تو حضرت سید صاحب نے ارشاد فرمایا کہ آج میں نے فقراء میں بہت سارے پنکھے تقسیم کئے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس عمل کی قبولیت کے باعث بارگاہ خداوندی سے فیوض و برکات کی بارش برسائی جا رہی ہے۔ اسی مجلس میں زبانِ مبارک پر یہ اشعار بھی آئے :۔

مارا بغمزہ کشت و قضا را بہانہ ساخت[۱]	خود سوی ما ندید و حیا را بہانہ ساخت
رفتم بمسجدی پیِ نظارۂ رخش	دستی برخ کشیدہ دعا را بہانہ ساخت
دستی بدوشِ غیر نہاد از رہِ کرم	مارا چو دید لغزشِ پا را بہانہ ساخت
زاہد نداشت تابِ جمالِ پری رخاں	کنجی گرفت و ترسِ خدا را بہانہ ساخت

۱۰۲

۲۴ رجب المرجب ۱۲۳۱ھ — جمعۃ المبارک

یہ غلام اس قبلہ انام کے حضور حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے ارشاد فرمایا کہ ایک روز حلقہ میں بیٹھے ہوئے میں نے مشاہدہ کیا کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پُرانوار سے ایک نوری چادر ظاہر ہوئی اور اس نے آکر تمام حلقہ کو اپنے احاطے میں لے لیا۔

---

[۱] مجھے غمزہ سے مارا اور قضا کا بہانہ کیا۔ میری جانب نہ دیکھا اور حیا کا بہانہ کیا۔
میں اس کے چہرے کا نظارہ کرنے مسجد میں گیا تو دعا کا بہانہ کر کے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔
مہربانی سے اس نے اپنا ہاتھ غیر کے کندھے پر رکھا۔ جب مجھے دیکھ لیا تو بھول چوک کا بہانہ کیا۔
زاہد پری رخوں کے جمال کی تاب تو رکھتا نہیں اس لئے ایک گوشے میں چھپ گیا اور خوفِ خدا کا بہانہ بنا لیا۔

یہ بھی فرمایا کہ ایک روز عالم مشاہدہ میں دیکھا کہ دو مزار برابر واقع ہیں۔ اُن میں سے ایک مرقدِ منوّر تو حضرت نظام الدین اولیاء کی ہے اور دوسری قبرِ مطہر حضرت مرشدی و مولائی شہید عطر اللہ ارواحہا کی۔ پس ایک پیراہن میرے سامنے آیا اور مَیں نے سمجھا کہ یہ حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہ کی عنایت ہے اور مجھ سے پوچھا گیا کہ تمہارا پیر نظام الدین ہے میں نے جواب دیا کہ میرے پیر و مرشد حضرت مرزا مظہر ہیں۔ پھر کہا گیا کہ کیا تمہارا پیر نظام الدین ہے؟ مَیں نے جواباً کہا کہ مرزا مظہر۔ تیسری مرتبہ کہا کہ تمہارے پیر صحبت خواجہ نظام الدین ہیں۔ میں خاموش ہو گیا۔ اگر میں ان کے پیر ہونے کا اقرار کر لیتا تو وہ پوشاک مجھے پہنا دی جاتی۔

اس کے بعد اسی اثنا میں ایک مغربی آدمی حاضر بارگاہ ہوا جس نے آپ کے اسمِ مبارک کی شہرت سُن کر اتنی منزلیں طے کیں اور دشوار گزار مراحل سے گزرا تھا۔ اُس نے بغداد شریف میں مولانا خالد رُومی سلّمہ اللہ تعالیٰ۔ (یہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید اور خلیفہ مجاز تھے) سے بھی ملاقات کی تھی اور اس کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ ان ممالک میں مولانا کے ارشاد و ہدایت کا شہرہ یُوں بیان کیا کہ:-

قریب صد ہزار مرداں حلقۂ ارادت بگردنِ اخلاص نہادہ اند و دستِ بیعت بدامنِ مولانا زدہ اند و یک ہزار عالم متبحر داخل طریقہ شدہ و دست بستہ پیشِ مولینا ایستادہ اند۔	تقریباً ایک لاکھ افراد نے ارادت کا حلقہ اپنے اخلاص کی گردن میں ڈال رکھا ہے اور دست بیعت مولانا کے دامن سے وابستہ کیا ہُوا ہے اور ایک ہزار متبحر عالم اُن کے طریقے میں داخل ہو چکے ہیں جو مولانا کے حضور دست بستہ کھڑے رہتے ہیں۔
(ص ۱۰۸)	

مرشدِ گرامی قدر نے یہ سن کر فرمایا کہ اس خوش خبری سے میرا دل پھر کے

پُر برابر بھی مسرور نہیں ہُوا، آخر فخر کس بات پر جبکہ افتخار پر مسرت مقدم ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ عباد الرحمٰن اِس دَور میں بہت مل جاتے ہیں لیکن عباد اللہ بہت ہی قلیل ہیں کہ اُن کی عبادت و بندگی خالص ذاتِ خدا کے لئے ہے نہ اِس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ انہیں روزی دیتا ہے۔ پالتا ہے اور اپنی انواع واقسام کی عنایات سے مشرف فرمایا ہے اور فرقۂ اُولیٰ (عباد الرحمٰن) کے خلاف کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کی صفاتِ کاملہ کے باعث کرتے ہیں۔ اِن دونوں قسم کے نظریات میں بڑا فرق ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مَیں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میں عبداللہ (گروہِ عباد اللہ سے) ہوں لیکن آج کل کچھ عرصے سے میرے اندر عبداللّٰہیت ظہور کر رہی ہے۔

۱۰۳

۲۵ رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ـــــ ہفتہ

حضور فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ دنیا کے فرقوں میں سے کوئی فرقہ بھی گمراہی پر نہیں ہے۔ ہر ایک راہِ ہدایت پر گامزن اور صراطِ مستقیم پر قائم ہے اور وہ اپنے اس قول پر اس آیہ کریمہ سے دلیل پیش کرتے ہیں:۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا[1] اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

اور اسی مضمون کو مولانا رُوم نے یُوں بیان کیا ہے:۔

پس بدی مطلق نباشد در جہاں[2]

بد بہ نسبت باشد ایں را ہم بداں

اور حافظ شیراز یُوں فرماتے ہیں:۔

---

[1] کوئی چوپایہ ایسا نہیں جس کو وہ پیشانی سے پکڑے ہوئے نہ ہو۔ بیشک میرا رب سیدھے راستے پر ملتا ہے۔

[2] دنیا میں بدی مطلقاً نہیں ہوتی۔ بُروں سے نسبت رکھنے کے باعث لوگ بُرے ہو جاتے ہیں۔

پیرِ ما گفت خطا در قلم صنع نہ رفت
آفریں بر نظرِ پاک خطا پوشش باد[1]

اس کے بعد مرشدِ برحق نے فرمایا کہ مجھ پر اور میرے پیروں پر جو مکشوف ہوا وہ اس کے علاوہ ہے۔

۱۰۴

۲۶ رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ــــــ اتوار

فدوی اس محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے چند عنایت نامے (خطوط) تحریر فرمائے۔ اُن میں سے ایک مولانا خالد رُومی سلمہ اللہ تعالیٰ کے نام۔ دوسرا مرزا رحیم اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف اور تیسرا حاجی عبدالرحمٰن کے لئے رقم فرمایا گیا تھا۔

پہلے نامۂ فیض شمامہ کا مضمون یہ ہے کہ تمہارے ارشاد و ہدایت کا حال سُن کر دل کو مسرت حاصل ہوئی۔ چاہیئے کہ اتنے طالبین کے آنے اور اپنے گرد لوگوں کے جم غفیر سے غرور پیدا نہ ہو جائے بلکہ عاجزی و نیستی کو ہر لحظہ اور ہر لمحہ ملحوظ رکھو اور خلقِ خدا کے اس درجہ رجوع اور کثرت ارشاد کو اپنے پیرانِ کبار کی امداد و توجہ کا کرشمہ شمار کرو اور ہر دم اور ہر ساعت اپنے پیرانِ عظام کی جانب متوجہ رہو اور اُن حضرات کی نظرِ عنایت کے امیدوار رہو۔ والسلام۔

اور دوسرا مکتوب گرامی جو مرزا رحیم اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ کے نام ارقام فرمایا تھا، اس کا مضمون یہ ہے کہ ضروری ہے کہ جو بھی طالب حاضر خدمت ہو اور تمہاری جانب رجوع کرے اسے تلقین کرنی چاہیئے اور ہدایت و ارشاد میں تخصیص نہیں ہونی چاہیئے۔ ہر طالب کو دوست رکھو خواہ وہ ہوشیار ہو یا مست، والسلام۔

اور تیسرے عنایت نامے کا مضمون، جو حاجی عبدالرحمٰن حسن سلمہ اللہ تعالیٰ کے نام تحریر

---

[1] ہمارے پیر و مرشد نے کہا کہ قدرت کے قلم میں خطا نہیں ہے۔ اس پاک نظر پر جو خطاؤں کو چھپاتی ہے آفرین ہے۔

فرمایا، یہ ہے کہ اپنی باطنی ترقی کے احوال اور طالبین کے رجوع و ترقی کے حالات تحریر کرو۔ والسلام۔

۱۰۵

۲۷ رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ـــــ پیر

یہ غلام حضور پُر نور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق بارگاہ خداوندی میں گریہ و زاری پیش کر رہے ہیں اور غلبۂ شوق کے باعث بار بار اس شعر کو دہرا رہے تھے:

قافلہ شد واپسی ما ببیں

اے کس ما بے کسے ما ببیں ۱؎

اس کے بعد سیدِ اولادِ آدم، سرورِ عالم، فخر المسلمین، محبوب ربّ العالمین، شفیع المذنبین، خاتم النبیین، علیہ افضل الصلوٰۃ المصلّین کا ذکر مبارک آیا۔ مرشد برحق نے بار بار قصیدہ بُردہ شریف کا یہ شعر پڑھا۔

هُوَ الْحَبِيبُ الَّذِي تُرْجَى شَفَاعَتُهُ

لِكُلِّ هَوْلٍ مِنَ الْأَهْوَالِ مُقْتَحِمِ ۲؎

۱۰۶

۲۸ رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ـــــ منگل

حضورِ والا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے میر قمر الدین سمرقندی سے ارشاد فرمایا کہ کوشش کرو تاکہ جو ذاتِ مسجودِ خلائق ہے اس کے کچھ اسرار تم پر غلبہ کریں، یہانتک کہ تم خود کو مسجودِ خلائق دیکھنے لگو ـــــ اس کے بعد دام اللہ سمرقندی شیرازی سے فرمایا کہ

۱؎ قافلہ واپس گیا دیکھو مجھے

پیچھے یہ بے کس رہا دیکھو مجھے

۲؎ وہی حبیب ہے جس کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے دل ہلا دینے والے مصائب میں۔

بارگاہِ خداوندی میں گریہ وزاری کرو اور کوشش کرو کہ انانیت کی فنا حاصل ہو جائے اور زوالِ عین اثر کرے۔ اس کے بعد زوالِ عین اور اثر فرمانے کا معنی بیان کیا کہ زوال عین یہ ہے کہ اپنی ذات پہ لفظ انا (مَیں) کا استعمال مشکل نظر آنے لگے اور یہ نہ کہہ سکے کہ مَیں ہوں۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اناالحق کہنا آسان ہے لیکن انا (میں) کو توڑ ڈالنا (ختم کر دینا) مشکل ہے اور زوال کے معنی کا اثر یہ ہے کہ اپنی صفات میں سے کسی صفت کو نہ دیکھے۔

۱۰۷

۲۹ر رجب المرجب ۱۲۳۱ھ ——— بدھ

حضورِ والا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ علمائے کرام اپنے علم کے باعث اللہ تعالیٰ سے علمی معیت رکھتے ہیں اور صوفیہ کو جو معیت حاصل ہے۔ اسے وہ معیت ذاتی قرار دیتے ہیں کہ ہم طالبین کو اسی طریقے پر مراقبہ معیت کی تلقین کرتا ہوں۔ اور ہر کسی سے کہتا ہوں کہ اس معنیٰ کا لحاظ رکھتے کہ میں جہاں کہیں بھی ہوں وہ میرے ساتھ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذاتی و علمی معیت کا لحاظ رکھے بغیر۔

اس کے بعد آپ کی بارگاہ میں کفرِ طریقت کا ذکر آیا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ توحید وجودی کے علمبرداروں کا یہ مشرب ہے کہ دین و دنیا کو چھوڑ کر، خودی سے منہ موڑ کر جامِ وحدت پیتے ہیں۔ ان میں سے حسین بن منصور حلّاج قدس سرہٗ نے فرمایا ہے جو اس گروہ کے سردار ہیں :۔

کَفَرْتُ بِدِیْنِ اللّٰہِ وَالْکُفْرُ وَاجِبٌ
لَدَیَّ وَعِنْدَ الْمُسْلِمِیْنَ قَبِیْحٌ[1]

اس کے بعد یہ شعر پڑھتے ہیں :۔

---

[1] مَیں نے اللہ کے دین کیساتھ کفر کیا اور ایسا کفر میرے نزدیک واجب اور مسلمانوں کے نزدیک بُرا ہے۔

بہر چہ از دوست وامانی چہ کفراں حرف چہ ایماں[1]
بہر چہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش چہ زیبا

مرشدِ برحق نے حاضرین سے پوچھا کہ شعر کا مطلب بتاؤ حیکہ کفر کے سبب مطلوب سے باز آنا تو صاف بات ہے لیکن اسلام سے کس طرح باز رہنا چاہیئے؟ حاضرین خاموش ہو گئے تو مرشدِ گرامی قدر نے فرمایا کہ مطلوب کی طرف سے ایمان سے باز رہنا یوں سمجھ میں آتا ہے کہ سالک کو ابتدائی احوال میں جب حضور مع اللہ حاصل ہوتا ہے تو اس حالت میں نوافل اور تلاوت وغیرہ امور سے فساد واقع ہوتا ہے حیکہ تلاوت و نوافل ایمانیت سے ہیں۔ پس سالک کو اس حالت میں حضور کی حفاظت اور کثرتِ نوافل و تلاوت کو ترک کرنا پڑتا ہے، کیونکہ یہ مانع حضور ہیں اور اسی وقت مرشدِ برحق نے یہ شعر پڑھا۔

صیدِ تو بمنقارِ وفا برکند از بال[2]
ہر پر کہ نہ آشفتۂ دام تو باشد

اس کے بعد حضور فیض گنجور میں بیعت کی تکرار کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ طالب کو متعدد شیوخ سے بیعت ہونا جائز ہے۔ چنانچہ صحابۂ کرام نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کی اور ان کے وصال کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت مصافحہ کیا اور ظاہر ہے کہ حضرت خلفائے راشدین سے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بیعت ہونا امورِ آخرت کے لئے تھا نہ کہ دنیاوی امور کے لئے۔ پس اس سے

---

[1] وہ چیز جس کے باعث تو دوست کے نزدیک ہو جائے وہ خواہ کفر ہو یا ایمان اور جس نقش کے باعث تو یار سے دور ہو جائے وہ بدصورت ہو یا خوشنما، دونوں برابر ہیں۔

[2] تیرا شکار وفا کی چونچ سے ہر اس پر کو اکھیڑ لیتا ہے جو آشفتۂ دام نہ ہو۔

معلوم ہوا کہ بیعت کی تکرار طریقت میں جائز ہے ۔

اس کے بعد آپ کی خدمت میں واردات کا ذکر آیا۔ مرشدِ گرامی قدر نے فرمایا کہ دوسرے صوفیہ کی اصطلاح میں رُوح القدس اور واردِ حق کہا جاتا ہے لیکن نقشبندیہ کے نزدیک یہ عیسیٰ کا نام ہے اور یہ فیضِ الٰہی کے ورود سے عبارت ہے۔ جب سالک پر واردات آتی ہیں تو اُسے محو لاشئے کر دیتی ہیں اور جب واردات کی کثرت پر فائز ہو جاتا ہے تو ہر واردات کے ساتھ وہ عدم ہو جاتا ہے یعنی ان کا ورود متواتر بلکہ متوصل ہو جاتا ہے چنانچہ ہمارے طریقے کے اکابر نے فرمایا ہے ؎

وصلِ اعدام گر توانی کرد
کارِ مرداں مسردوانی کرد

یہ بھی مرشدِ برحق نے فرمایا کہ ایک روز سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی ذاتِ بابرکات کی مَیں نے عالمِ مشاہدہ میں زیارت کی۔ آپ میری جانب تشریف لائے اور فرمایا کہ تیرا نام عبداللہ بھی ہے اور عبدالمومن بھی ہے ۔

۱۰۸
غرّہ شعبان المعظم ۱۲۳۱ھ ــــــ جمعرات

یہ فدوی اس قطبِ عالم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ میرے پیر و مرشد حضرت مرزا مظہر شہید نوراللہ مرقدہ المجید فرماتے ہیں کہ جب شعبان المعظم کا مہینہ آتا ہے تو گویا رمضان المبارک کی برکتوں کا ہلال طلوع ہوتا ہے اور جب نصف شعبان گزر جاتا ہے تو وہ ہلال بدر کامل ہو جاتا ہے اور جب شعبان کا مہینہ پورا ہو جاتا ہے اور ماہِ رمضان المبارک کی ابتداء ہو جاتی ہے تو برکات کا وہ ہلال جو بدرِ کامل ہو گیا تھا۔ وہ

لہ اگر تو وصلِ اعدام کر سکتا ہے تو مَردوں والا کام کیا اور جوان مَردی دکھائی ہے ۔

آفتاب جہاں تاب بن کر تاباں و درخشاں ہو جاتا ہے (یعنی شعبان المعظم کا مہینہ برکات کے ظاہر ہونے کا مژدہ ہے اور رمضان المبارک ظہور کا موسم) اس کے بعد آپ کے حضور اُن صوفیہ کا ذکر آیا جو آجکل سماع و رقص میں مشغول ہیں اور جنہوں نے توحیدِ وجودی کو اپنا مذہب بنایا ہُوا ہے۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ:-

صوفیانِ ایں زماں کہ بلہو ولعب و غنا و رقص مشغول اند و توحید نیز شعار خود ساختہ اند مثل اکابرین توحید حالیہ خود را می دانند و بے تحاشی کلمات آنہا میگویند نمیدانند کہ بالحاد و زندقیت گرفتار شدہ اند - من از مذہب ایشاں بیزارم و ایشاں را مرا از علمای ظواہری دانند نمی فہمند کہ طریقہ صوفیہ طریقہ متابعتِ سنت سنیہ است علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ۔ (ص ۱۱۲)

اس زمانے کے صوفیہ لہو ولعب اور غنا و رقص میں مشغول ہیں اور خیالی توحید کو اپنا شعار بنایا ہُوا ہے اور خود کو موجودہ توحید (توحید شہودی) کے اکابر کی مثل جانتے ہیں اور بے تحاشہ ان حضرات کے کلمات (اقوال) زبان پہ لاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ وہ الحاد و زندقہ میں گرفتار ہیں۔ مَیں اُن کے مذہب سے بیزار ہوں اور وہ لوگ مجھے ظاہری علماء کے زمرے سے جانتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ صوفیہ کا طریقہ سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کی متابعت (پیروی) ہی کا راستہ ہے

ع آں ایشانند من چنینم ہر دم[1]

۱۰۹

۲ر شعبان المعظم ۱۳۳۱ھ ——— جمعۃ المبارک

بندہ حضورِ والا کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ صوفی کو

---

[1] ع وہ ایسے اور مَیں ہر دم ہوں ایسا

جلوت سے اجتناب اور خلوت سے اکتساب کرنا چاہیئے۔

قعرِ چہ بگزید ہر کو عاقل ست[1]
زانکہ در خلوت صفاہائی دلست

۱۱۰
۳ر شعبان المعظم ۱۳۳۱ھ ـــــــ ہفتہ

یہ بندہ حضور فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ مرشدی و مولائی نے فرمایا،

درپسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند[2]
آنچہ اُستادِ ازل گفت بگو می گویم

اس کے بعد بلند و بالا حقائق و معارف بیان فرمائے نیز ایک شخص نے اپنے خواب کا حال بیان کیا کہ میں نے خواب میں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے مرشدِ برحق نے فرمایا کہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونا چند وجہ سے ہوتا ہے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ زیارت کرنے والا سنّت کو زندہ کرنے والا اور بدعت سے اجتناب کرنے والا ہے، تو اس کا یہ عمل مجسّم ہو کر خواب میں نظر آجاتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کی تمام عبادتیں بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہیں اور اُسنے انہیں اچھی صورت میں مجسّم دیکھا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر کسی نے سرورِ زمین و زمان، سیدِ انس و جاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اسی شمائل و حلیہ میں دیکھا ہے جیسا کہ کتبِ احادیث میں لکھا ہوا ہے کہ قدِ زیبا، قامت دلربا، چشم سُرمگیں، جبین مبین، ابرو قوس و ہلال والے خمدار، مژگاں دراز، اور اسی جلوۂ ناز کا ہو بہو مشاہدہ کرے تو دارین کی عین سعادت ہے

---

[1] عقلمند نے کنوئیں کی گہرائی اختیار کی کیونکہ خلوت میں دل کی صفائی ہے۔

[2] مجھے طوطی کی طرح آئینہ کے پیچھے رکھا گیا ہے۔ اُستادِ ازل نے جو کچھ کہنے کا حکم دیا میں وہی کہتا ہوں۔

کہ اپنی دیدۂ جان سے محبوبِ انس و جاں کے جمالِ جہاں آرا کا نظارہ کیا۔ حق یہ ہے کہ وہ اس زمرے میں شامل ہوا جس کو یہ بشارت دی گئی ہے کہ مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ۔

۱۱۱

۴ رشعبان المعظم ۱۲۳۱ھ ــــــ اتوار

یہ غلام اس قبلۂ انام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ میرے مرشد و ہادی حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہید نور اللہ مرقدہ المجید نے فرمایا ہے کہ ایک رات میں حبیبِ کبریا، محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا اور اسی طرح زیارت سے مشرف ہوا کہ اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہم بستر پایا۔ اور درمیان میں نہ کوئی حجاب تھا اور نہ فاصلے کی گنجائش تھی۔ اس وقت جو عنایات اس بندہ کے حال پر فرمائی گئیں وہ شرح و بیان سے باہر ہیں۔ اس کثیر البرکت صحبت کا اثر میں مدتوں اپنے اندر محسوس کرتا رہا۔

۱۱۲

۵ رشعبان المعظم ۱۲۳۱ھ ــــــ پیر

۱۱۲

یہ فدوی محفل شریف میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ:۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تطبیق در کلام حضرت محی الدین ابن العربی وحضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمودہ اند و در توحید وجودی و شہودی نزاع لفظی قرار دادہ اند۔ ایشاں بسیار بزرگ	حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت محی الدین ابن العربی اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کلام میں تطبیق فرمائی ہے اور توحید وجودی و توحید شہودی کو لفظی نزاع قرار دیا ہے۔ یہ بہت

بوونند و طریقۂ نو اوردہ اند لیکن
دراں مقام خطائی کردہ اند۔ حال
را در قال انداختہ معارف کشفیہ
را در گفتگوی علمی آوردہ تطبیق
نمودہ اند۔ فرقے است مبین
دریں ہر دو مقام۔ ہرکہ را از
معارفِ حضرت مجدد حظی رسیدہ ۔
است او عیاناً دیدہ است کہ توحید
وجودی در ابتداد احوال ظاہر می
شود یعنی در سیرِ لطیفۂ قلب و توحید
شہودی بسیرِ لطیفۂ نفس و معارفِ
حضرت مجدد الف ثانی ورای این
ہر دو مقام ست۔ معارفِ
محی الدین ابن العربی قطرہ
ایست و معارفِ حضرت مجدد دریائے
محیط۔ (ص۔ ۱۱۳)

بزرگ تھے اور نیا طریقہ بھی جاری کیا
لیکن اس مقام پہ اُن سے غلطی واقع
ہو گئی ہے کہ حال کو قال میں ڈالا اور
کشفی معارف کو علمی گفتگو میں لا کر تطبیق
دی ہے۔ ان میں سے ہر مقام کے اندر
ظاہر فرق ہے۔ جس کو حضرت مجدد کے
معارف سے کوئی حصہ نصیب ہوا ہے وہ
ظاہری طور پہ دیکھتا رہے کہ توحید وجودی
ابتدائی احوال میں ظاہر ہوتی ہے یعنی
لطیفۂ قلب کی سیر میں اور توحید شہودی
لطیفۂ نفس کی سیر میں حاصل ہوتی ہے
حضرت مجدد الف ثانی کے معارف اِن
دونوں مقاموں سے بلند و بالا ہیں۔ —
محی الدین ابن العربی کے معارف قطرہ ہیں
اور حضرت مجدد کے معارف ایک
بحرِ بیکراں ۔

چہ نسبت است بکوہ آسمانِ عالی را

اگر محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ
علیہ در زمانِ حضرتِ مجدد بقیدِ

اگر حضرت مجدد قدس سرہٗ کے زمانہ
میں حضرت محی الدین ابن العربی رحمۃ

حیات بودند و این معارف می شنودند می فہمیدند و طلب افادہ می نمودند ۔ (ص ۱۱۲۰)	اللہ علیہ بقید حیات ہوتے اور ان معارف کو سنتے تو سمجھ جاتے اور آپ سے افادہ طلب کرتے ۔

مرشد برحق نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بے نہایت ہے بالکل حد نہیں رکھتا کہ کوئی اس کی حد تک پہنچے۔ وہ سبحانہٗ وتعالیٰ ورأ الورا ہے۔ پھر وسأ الورا ہے۔

اے اوّل تو ورائے اوّل
حیراں ز تو انبیأ و رُسل[1]

ہر شخص اپنے حوصلہ اور طاقت کے مطابق اس کی جانب دوڑتا، اپنی استعداد کے موافق حصہ پاتا ہے لیکن کوئی اس کی کنہ ماہیت تک نہیں پہنچا۔

دُور بینانِ بارگاہِ الست[2]
غیر ازیں پی نبردہ اند کہ ہست

۱۱۳
۶ شعبان المعظم ۱۲۳۱ھ ـــــــ منگل

یہ بندہ حضور پرنور کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے ارشاد فرمایا کہ فقیری چند اعمال کا نام ہے جن پر ہمیشہ کاربند رہنا سالک کے لیئے ضروری ہے۔ فقر علم سلوک اور مراقبات کا نام نہیں ہے کہ جن کے ذکر سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ یہ ایک ایسا خزانہ ہے جو سینے میں رکھنا چاہیئے، علم کی طرح نہیں ہے کہ جس کو سفینے (کتاب) میں رکھتے ہیں۔ اس کے بعد آپ کے حضور ذکر آیا کہ جہان فانی سے انتقال کر جانے کے بعد ولی کی ولایت باقی

---

[1] تو ایسا اول ہے کہ اوّل سے بھی ورے ہے۔ تیرے بارے میں انبیاء و رسل بھی حیران ہیں۔

[2] بارگاہِ الست کے دُور بین حضرات نے بھی اس کے سوا کچھ نہ کہا کہ وہ ہے۔

نہیں رہتی مگر متعدد مقامات پر مرشد برحق نے فرمایا۔

ولایت بحسو کہ معنی تصرف است درین اختلاف است کہ باقی می ماند یا نی۔ واضح آنست کہ ولایتِ اکابران باقی میماند۔ چنانچہ تصرفاتِ حضرت غوثِ الاعظم و حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند و حضرت خواجہ معین الدین و دیگر اکابران علیہم الرضوان تا الی الآن در زمین و زمان جاریست و نمایاں۔(ص۔۱۱۴)

ولایت زیر کے ساتھ جس کا معنی تصرف ہے اس کے بارے میں اختلاف ہے کہ باقی رہتی ہے یا نہیں۔ واضح یہ ہے کہ اکابر کی ولایت باقی رہتی ہے۔ چنانچہ حضرت غوث الاعظم، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند اور حضرت خواجہ معین الدین وغیرہ اکابر علیہم الرضوان کے آج تک زمین و زمان میں تصرفات جاری اور نمایاں ہیں۔

۱۱۴
۷ شعبان المعظم ۱۲۳۱ھ بدھ

محفل فیض منزل میں۔ حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ طریقہ انیقہ نقشبندیہ میں مجاہدے، ریاضتیں اور چلے نہیں ہیں۔ اس طریقے کے اکابر نے ایسے اعمال و اوراد مقرر نہیں فرمائے ہیں کیونکہ ان کا عمل سنتِ مطہرہ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ پر ہے اور ناپسندیدہ بدعات سے اجتناب کرنے پر ہے۔ اسی لیے اس طریقے میں ذکرِ جہر، سماع، وجد و تواجد اور آہ و نعرہ نہیں ہے بلکہ خاموشی سے دل کی جانب متوجہ ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور ہمیشہ ذکرِ خفی کرتے رہتے ہیں اور نفی و اثبات کا ذکر حصرِ نفس (سانس کا حصار) سے رکھ کر کرتے ہیں نہ کہ سانس بند کر کے جیسا کہ ہنود کا طریقہ ہے کہ ناک اور کان میں روئی ٹھونس دیتے ہیں اور سانس کو دماغ میں روکتے ہیں۔

ہمارے بزرگ سانس کو محصور سمجھ کر کلمہ لا کو ناف کے نیچے سے کھینچتے ہیں اور

دماغ تک پہنچاتے ہیں اور الٰہ کو دماغ سے دائیں کندھے تک لاتے ہیں اور الا اللہ کو دائیں کندھے سے کھینچ کر دل پہ ضرب لگاتے ہیں۔ اس طریقے پہ سارے ہی لطائف جو سینے میں واقع ہیں آجاتے ہیں اور جب سانس گھٹنے لگتا ہے تو ذکر چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن ہر سانس میں کلمہ طیبہ طاق بار پڑھتے ہیں اور ناک سے سانس گزارنے کے وقت جب سانس لیتے ہیں تو کلمہ محمد رسول اللہ کو اسی طور طریقے سے کہتے ہیں کہ یہ کلمہ طیبہ دل میں اتر آئے اور رگ و پے میں سرایت کر جائے۔

۱۱۵

۸ رشعبان المعظم ۱۲۳۱ھ — جمعرات

حضور والا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ میں طالب پہ سب سے پہلے عالم امر کے پانچوں لطائف کی جدا جدا توجہ ڈالتا ہوں اور اس کے بعد لطیفہ نفس کی نسبت کے القاء کے ذریعے ان کا تصفیہ کرتا ہوں نیز پانچوں لطائف کو جو چراغ کی طرح روشن ہیں جمع کر کے پوری ہمت کے ساتھ پانچوں چراغوں کو ایک مشعل بنا کر اڑانے لگتا ہوں۔ اس کے بعد فرمایا۔

مصرعہ: تا تیار کرا خواہد و میلش بکہ باشد[1]

۱۱۶

۹ رشعبان المعظم ۱۲۳۱ھ — جمعۃ المبارک

حضور فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہ السامی کے مکتوبات قدسی آیات کا درس ہو رہا تھا۔ مکتوب ـ ـ ـ ـ ـ پڑھا جا رہا تھا، جو مخدوم زادہ کلاں (خواجہ محمد صادق) علیہ الرضوان کے نام ہے۔ یہ اس طرح لیتے

---

[1] یار کس کو چاہتا ہے اور اس کا میلان کس کی جانب ہے۔

کے بارے میں تھا جس طریقے کے اندر موصوف کو امتیاز حاصل تھا۔ مرشد برحق نے فرمایا :-

سبحان اللہ! معارفیکہ ایشاں تقریر فرمودہ اند ہیچکس از امت مثل آں نگفتہ است و در اسرار یکہ ایشاں بسلک تحریر انتظام دادہ اند ہیچ یکے از اصحاب معرفت برنگ آں نسفتہ۔ کلام ایشاں وحی برنگ آسمانی ہست و بیان ایشاں تشریح غوامض ربانی وآنچہ ایشاں بیان مقامات نمودہ اند و راہ مکاشفات پیمودہ اند ہزاراں طالبان را تسلیک فرمودہ اند نہ آنکہ یک دو کس آگاہ ایں اسرار شدہ بانی بگواہی کشودہ اند۔ جہانی را از معارف جدیدہ سرفراز فرمودہ و مداح خود گردانیدہ اند و عالمی را از مقامات نو ممتاز ساختہ مداح خود نمودہ اند۔

(ص - ۱۱۵)

سبحان اللہ! جن معارف کی حضرت مجدد نے تقریر فرمائی ہے امت محمدیہ میں سے اس طرح کسی نے نہیں بتائے اور جن اسرار کو آپ نے تحریر کی لڑی میں سلیقے سے پرویا ہے اصحاب معرفت میں سے کسی نے یوں بیان نہیں فرمائے۔ ان کا کلام بظاہر وحی آسمانی کی طرح نازل شدہ معلوم ہوتا ہے۔ ان کا بیان اللہ تعالیٰ کے مشکل اشاروں کی تشریح ہے۔ انہوں نے جو مقامات بیان کیے اور مکاشفے کی جو راہیں طے کی ہیں، اُن پہ ہزاروں طالبین کو چلایا ہے۔ ان اسرار سے آگاہ ہو کر گواہی دینے والے کوئی ایک دو نہیں ہیں۔ آپ نے ایک دنیا کو ان معارف جدیدہ سے سرفراز فرمایا اور یوں اپنا مداح بنالیا اور ایک جہان کو مقامات نو سے ممتاز کر کے اپنا مداح بنا چھوڑا ہے۔

نہ من[1] بہ آنگل عارض غزل سرایم و بس
کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار رانند

۱۱۷

۱۰ شعبان المعظم ۱۲۳۱ھ ــــــ ہفتہ

محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ اس طریقۂ شریفہ (عالیہ نقشبندیہ)
میں کام کا دارو مدار پانچ چیزوں پہ رکھا گیا ہے،

اول : سالک کی توجہ دل کی جانب ہونا۔

دوم : دل کی توجہ خالق کائنات کی طرف ہونا۔

سوم : خطرات سے غافل ہونا۔

چہارم : ذکر میں مشغول رہنا۔

پنجم : اس معنی کا دل میں لحاظ رکھنا کہ اے خداوندا! میرا مقصود تو ہے اور میں تیری رضا تلاش کرتا ہوں۔ پس تو اپنی محبت و معرفت کو میری منزل بنا دے۔

پس جو کوئی ہر وقت ان پانچوں امور کی جانب مائل ہے اُسے پانچ نتائج حاصل ہوتے ہیں اور جس کسی کو وہ پانچ نتائج حاصل ہو جائیں وہ محبوب حقیقی سے واصل ہے۔
(وہ پانچ نتائج یہ ہیں)۔

اول : ذکر سے لطائف کا ذاکر ہو جانا۔

دوم : جمعیت و بے خطرگی کا حاصل ہونا۔

سوم : دل میں حق تعالیٰ کی جانب توجہ پیدا ہو جانا۔

چہارم : لطائف میں اُوپر کی جانب جذب و کشش پیدا ہو جانا۔

پنجم : سالک کے دل پہ واردات الٰہیہ کا وُرود ہونے لگے کہ جس سے مُراد وجود

---

[1] مَیں اکیلا ہی تیرے عارض کا غزل خواں نہیں ہوں بلکہ تیری ہر جانب ہزاروں بُلبلیں نغمہ سرا ہیں۔

کامعدم ہے۔

ع تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد

۱۱۸

۱۱ شعبان المعظم ۱۳۳۱ھ ـــــــ اتوار

حضورِ پُر نور میں حاضر ہوا۔ اس وقت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مثنوی شریف کا درس ہو رہا تھا۔ مرشدِ برحق نے اس درجہ معارف بیان فرمائے کہ آپ کے بیان سے حاضرینِ مجلس کو اضطراب اور بیتابی اس درجہ ہوئی کہ گریہ وزاری کی حالت طاری ہوگئی۔ مرشدِ برحق نے کمال درجہ شوقِ الٰہی میں اپنے دلِ فیض منزل سے ایک آہ کھینچی اور فرمایا کہ آہ! اگر اپنے شوق کا ذرا بھی حال بیان کروں تو سامعین بے ہوشی کی وادی میں بھٹکنے لگ جائیں گے اور سُننے والے ہوش و حواس کھو بیٹھیں گے۔ ہیہات ہیہات کہ اشکوں کا سیلاب ہجرت کرکے دریا بن رہا ہے اور حسرت و آلام کا دریا شور انگیز ہے اشکوں کا گرداب جدا ہو کر دلِ ناصبور کے دریا میں حیرت و اوہام کی موجیں پیدا کر دیتا ہے کیونکہ دلِ دیدار سے مہجور ہے، یہ مسرور کس طرح ہو سکتا ہے اور وصل کی متلاشی آنکھیں جو فراق کے صدمے سے رو رہی ہیں بھلا کس طرح خوش ہو سکتی ہیں۔

بچہ مشغول کنم دیدہ و دل راکہ مدام[2]

دل ترا می طلبد، دیدہ ترا می خواہد

اور یہ جانِ حزیں جو اندوہِ فراق سے غمگین ہے بھلا کس طرح سکون حاصل کرے آہ! ملاقاتِ صوری تو ممتنع الوقوع ہے (یعنی صورت کا دیکھنا تو ممکن نہیں ہے) تمنا

---

[1] میں اکیلا ہی تیرے عارض کا غزل خواں نہیں ہوں بلکہ تیری ہر جانب ہزاروں بلبلیں نغمہ سرا ہیں۔

[2] میں اپنے دل کی آنکھ کو کس چیز کے ساتھ مشغول کروں کیونکہ ہمیشہ دل تیری طلب رکھتا ہے اور آنکھ تجھے چاہتی ہے۔

کے ہاتھ اٹھا کر خیالی وصال سے دل کو تسلی دے رہا ہوں۔ اپنی آنکھوں کی پتلی کو اپنے مژگاں (پلکوں) سے جدا کر کے اس نازنین کے نازک کف پا پر رکھ کر ملتا اور یوں نالہ و فریاد کرتا ہوں۔ (مؤلف کا شعر ہے)۔

ملے ہے قیس تصوّر میں بھی جو لیلیٰ سے
ملے ہے مردمکِ چشم کو کفِ پا سے

کبھی اس کے قدِ قامت سراپا آفت کا تصوّر کر کے خود کو اس پہ نثار کرتا ہوں اور کبھی اس کی صورت رشکِ ملامت کا خیال لا کر یوں بصد عجز و نیاز جان پیش کرتا ہوں۔

بدل تصوّرِ روزِ وصال باندھ کے ہم
بلائیں لینے ہیں کیا کیا خیال باندھ کے ہم

۱۱۹

۱۲، شعبان المعظم ۱۲۳۱ھ ــــــ پیر

فدوی محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ ہر واقعہ جو بھی اسے پیش آئے، خواہ وہ منع و عطا ہو یا جور و جفا، اسے خدا کا فعل جانے۔ عارف و متعرف کے درمیان یہ فرق ہے کہ عارف کو جو چیز عطا فرمائی جائے یا زد و کوب کیا جائے تو وہ بغیر فکر و تامل کے اسے حق تعالیٰ کا فعل جانتا ہے اور متعرف وہ ہے کہ فکر و تامل کے بعد اسے حق تعالیٰ کا فعل جانے۔

جو کوئی تفصیلی واقعات کی صورت میں اور جدید و متضاد حالات میں جیسے ضرر و نفع۔ عطا و منع، قبض و بسط، ضرر رساں و نفع بخش، معطی و مانع اور قابض و باسط حق تعالیٰ کو دیکھے اور پہچانے یعنی بغیر توقف اور رویت کے، اس کو عارف کہتے ہیں اگر پہلی مرتبہ اس بات سے غافل رہا اور تھوڑی دیر میں ذہن ادھر حاضر ہوا اور فاعل مطلق جلّ ذکرہٗ کو صورتوں، واسطوں اور رابطوں کے بعد پہچانا تو اسے متعرف کہتے ہیں

نہ کہ عارف۔ اگر کوئی بالکل ہی غافل رہے اور افعال کی تاثیر کو واسطوں کے حوالے کر دے اُسے بھلکڑ، کھلنڈرا اور خفی مشرک کہتے ہیں جیسا کہ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ جیسے امام اجل نے نفحات الانس میں کہا ہے۔ اس کے بعد مرشدِ برحق نے یہ شعر پڑھا۔

تو مباش اصلا کمال انیست وبس[1]

تو درو گم شو کمال انیست وبس

۱۲۰

۱۱ر شعبان المعظم ۱۲۳۱ھ ـــــ منگل

یہ غلام اس فیض گنجور کے حضور اور قبلۂ انام کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ نہایت کو بدایت (انتہا کو ابتدا) میں داخل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سالک کو بے خطرگی یا کم خطرگی حاصل ہو جائے، اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ پیدا ہو جائے اور جمعیّت میسّر آ جائے تو ایسا شخص اس خاندان عالیشان (سلسلۂ نقشبندیہ) کا مبتدی قرار پاتا ہے یہی حضور و جمعیت ہے جو دوسروں کو آخر میں حاصل ہوتی ہے۔ پس دوسرے سلاسل کی انتہا میں اس سلسلے کی ابتدا رہے۔

سَیرہا دارد محبت چشم گر بینا شود

جادۂ راہِ فنا بسم اللہ دِیوان ما[2]

اس کے بعد آپ کے حضور باطنی واسطے کا ذکر آیا۔ مرشدِ گرامی قدر نے فرمایا کہ :۔

واسطہ کشودِ راہِ ولایت وجود باجود جناب امیر المؤمنین علی	راہِ ولایت کی کشود کا واسطہ جناب امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ

---

[1] تو بالکل نہ رہے، کمال بس یہ ہے۔ تو اس میں گم ہو جا، کمال بس یہ ہے۔

[2] اگر چشم بینا ہو تو محبت میں سیر ہی سیر ہیں۔ اس میں راہِ فنا ہمارے دِیوان کی ابتدا ہے۔

کرم اللہ وجہہ، است و حضرت
فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دریں توسط
شریک اند۔ بعد ازاں آئمہ
اثنا عشرہ حضرت غوث الاعظم
رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین
حاملِ بار ایں امانتِ ولایت
اند۔ لیکن دریں ہزار دوم
حضرت مجدد الفِ ثانی
قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہ
السامی نیز دریں امر شرکت دارند
مقرر است کہ دریں الفِ ثانی
ہر کس کہ بدرجہ ولایت میرسد
در ہر خاندان کہ متوسل باشد
بدون توسط ایشان کشود ایں راہ
غیر ممکن ست۔ بتوجہ و
امداد ایشان طے ایں مراحل می
نماید اگرچہ اقطاب و ابدال و اوتاد
و اغواث باشند۔ ضروری
نیست کہ خبر و آگاہی از توجہ
و مددِ ایشان داشتہ
باشند۔ (ص۔ ۱۱۷)

الکریم کا وجودِ مسعود ہے اور
حضرت فاطمہ خاتونِ جنت رضی اللہ
تعالیٰ عنہا اس توسط میں شریک ہیں
ان کے بعد بارہ امام ہیں اور حضرت
غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین
اس امانتِ ولایت کے بار کو اٹھانے
والے ہیں لیکن اس دوسرے ہزار
سال (سنہ ۱۰۰۱ھ تا سنہ ۲۰۰۰ھ) میں
ہیں حضرت مجدد الفِ ثانی قدسنا اللہ
تعالیٰ باسرارہ السامی بھی اس امر میں
شرکت رکھتے ہیں۔ یہ مسلمہ ہے کہ اس
دوسرے ہزار سال میں جو بھی درجہ
ولایت تک پہنچا (یا پہنچے گا) خواہ وہ
کسی سلسلے سے ہو۔ ممکن نہیں کہ
بغیر ان کے توسط (واسطہ و وسیلہ)
کے اس راہِ ولایت کھلے۔ ان کی توجہ
اور امداد سے اس راستے (راہِ ولایت)
کی منزلیں طے کی جاتی ہیں خواہ کوئی
قطب، ابدال، اوتاد یا غوث ہی کیوں
نہ ہو۔ ضروری نہیں کہ وہ ان کی
توجہ اور مدد سے خبردار اور مطلع ہو۔

۱۲۱

۱۴ شعبان المعظم ۱۲۳۱ھ ـــــــ بدھ

حضورِ فیض گنجور میں حاضر ہوا ۔ ایک شخص گرمی کی شدت کا شکوہ زبان پہ لایا ۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ محبوب کے کسی فعل کا شکوہ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ عنایت کی نسبت مصیبت سے زیادہ لذت حاصل کرنی چاہیئے ۔ درد سے آہِ سرد نہ بھرے اور ملال کو شربتِ زلال سمجھ کر پی جائے ۔

ع کہ ہرچہ ساقیٔ ما ریخت عین الطافست

یہ بھی فرمایا کہ ایک روز میں مرشدی و مولائی حضرت جانِ جاناں نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں حاضر تھا ۔ اچانک میں حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی جانب متوجہ ہوا اور عرض کی کہ حضرت پیر و مرشد کی بارگاہ میں میری سفارش فرمایئے ۔ حضرت شہید عطر اللہ قبرہ المجید نے حلقہ سے فارغ ہونے کے بعد اس بندۂ ناچیز کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ ابھی تم غوث الاعظم قدس سرہٗ العزیز کو اپنی سفارش کے لئے لائے ہو

۱۲۲

۱۵ شعبان المعظم ۱۲۳۱ھ ـــــــ جمعرات

حضورِ فیض گنجور میں حاضر ہوا ۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ نماز تمام عبادتوں کی جامع اور تمام اطاعتوں پر حاوی ہے ۔ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو شبِ معراج جو دیدارِ الٰہی کی دولت میسّر آئی تو دنیا میں واپس پہنچنے پر مقامِ اسرار کے اس راز نے نماز میں ظہور کیا اور اس قول کی تائید اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ [1] سے ہوتی ہے اور اس دعویٰ کی دلیل یہ حدیث ہے کہ اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوۃِ [2]

---

[1] نماز اہلِ ایمان کی معراج ہے ۔

[2] بندہ سب سے زیادہ نماز میں اپنے رب سے قریب ہوتا ہے ۔

سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی پیروی کرنے والوں کو آپ کی اتباع و محبت کے باعث نماز کے ذریعے اِس دولتِ عظمیٰ اور موہبتِ کبریٰ سے حظِّ وافر اور حصۂ کامل عطا فرمایا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے اس سے جسے چاہے نوازے۔

۱۲۳

۱۶ شعبان المعظم ۱۲۳۱ھ — جمعۃ المبارک

یہ غلام حضورِ والا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ایک شخص آپ کی خدمت میں کچھ روپے لے کر آیا اور عرض گزار ہوا کہ انہیں خانقاہ کے درویشوں پر تقسیم فرما دیجئے۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ ہر ایک تنگہ ملے گا۔ اور اس وقت خانقاہ عالیہ میں ایک سو دس صوفیہ حضرات تھے، جو اپنے اپنے وطن کو طلبِ حق تعالیٰ میں چھوڑ کر یہاں کے ہو گئے تھے۔ پس ہر درویش کو ایک تنگہ دیا گیا اور فرمایا کہ ہم بھی اس زمرہ میں شمار ہیں لہٰذا ایک تنگہ ہم لیں گے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیۂ مبارکہ تلاوت فرمائی کہ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ[1]۔

۱۲۴

۱۷ شعبان المعظم ۱۲۳۱ھ — ہفتہ

حضورِ فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ کی بارگاہ میں اس حدیثِ پاک کا ذکر ہو رہا تھا کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔

(۱) سلام کا جواب دینا (۲) بیمار ہو تو عیادت کرنا۔ (۳) اس کے جنازے کے پیچھے جانا۔
(۴) اس کی دعوت قبول کرنا۔ (۵) اس کی چھینک کا جواب دینا۔

---

[1] اور اللہ غنی ہے اور تم (سب کے سب) فقیر ہو۔

مرشدِ برحق نے فرمایا کہ مریض اگر اپنے خویش واقارب سے یا اہلِ محلہ ہے اور اس کا سوا اُس کا اور کوئی پُرسانِ حال نہ ہو، تو اس صورت میں اس کی خبر گیری کرنا اس پر فرض ہے، ورنہ بیمار کی عیادت کے لئے جانے کی صوفیہ پر چند شرائط عائد ہوتی ہیں کہ مریض فاسق یا بدعتی (بد مذہب) نہ ہو۔ اس کے پاس بیٹھنے والے بد راہ نہ ہوں اور بازار کے راستے میں نہ ہو تاکہ جاتے وقت نگاہ پراگندہ نہ ہو ـــــــ اسی طرح دعوت قبول کرنے کی بھی شرطیں ہیں کہ کھانا مشتبہ نہ ہو اور اس مجلس میں گانے باجے نہ ہوں اور کھیل کود وغیرہ کے مشغلے نہ ہوں اور بلانے والا ظالم، بدعتی (بد مذہب) فاسق اور شرارتی آدمی نہ ہو، تو اس صورت میں دعوت کا قبول کرنا واجب ہے ورنہ نہیں اور ایسی دعوت قبول نہ کرے جو دکھاوے اور نام ونمود کے لئے ہو اور محیط سرخسی میں ہے کہ ایسے دسترخوان پر نہیں بیٹھنا چاہیئے کہ جس پر کھیل کود اور گانے باجے ہوں یا بیٹھنے والے لوگ ایک دوسرے کی غیبت کریں یا شراب پئیں، جیساکہ مطالب المؤمنین میں ہے۔

فدوی نے اسی روز آپ کی خدمت میں اپنے (باطنی) احوال عرض کیے۔ مرشدِ برحق نے اپنے دستِ خاص اس گزارش کے جواب میں چند سطریں لکھ کر اپنے دستخط کے ساتھ عنایت فرمائیں جن کی عبارت یہ ہے: ـــــــ خدا کا شکر ہے کہ حالت بہت اچھی ہے کوشش کرنی چاہیئے کہ تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس کمال درجہ حاصل ہو جائے۔ سیرِ قلبی میں افعال کی نسبت بندوں سے مسلوب ہو جاتی اور اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب ہو جاتی ہے لطیفۂ نفس کی سیر میں صفات کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے منسوب پاتے ہیں۔ یہ ان دونوں لطیفوں کا کمال ہے اور دوسرے لطائف میں الگ الگ اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر اسی طرح اسرار پیدا ہوں تو بہتر ہے ورنہ جناب الٰہی میں التجا پیش کرنی چاہیئے کہ بغیر کسی مزاحمتِ خاطر کے دل میں اور لطیفۂ نفس میں توجہ تام ظاہر ہو۔ میں بھی لطیفۂ نفس پر توجہ ڈالوں گا کیونکہ یہ اَنا کا گھر ہے۔ اللہ تعالیٰ فنائے قلبی، فنائے لطیفۂ نفس اور دیگر

لطائف کی فنا مرحمت فرمائے۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ فنا فضلِ خداوندی ہے۔ اس فنا کا حاصل یہ ہے کہ سالک کے باطن میں نیستی کا ظہور ہو جائے اور وہ ہر وقت افعال و صفات کو حق سبحانہ سے منسوب پائے گا اور خود کو نیستی اور عدم دیکھے گا اور اُس وقت رذائل کی شکست (خاتمہ) میسّر ہو جائے گی۔

۱۲۵

۱۸ شعبان المعظم ۱۲۳۱ھ ——— اتوار

یہ کمینۂ درویشاں اُس ہستی کی بارگاہ میں حاضر ہوا جو واقفِ دقائقِ قرآن اور کاشفِ حقائقِ فرقان ہے۔ مرشدِ برحق اس وقت کلامِ الٰہی کے معانی وتفسیر بیان فرما رہے تھے۔ اس کے بعد تحمید، تکبیر اور تہلیل کا ذکر آیا۔ مرشدِ گرامی قدر نے ان کے معانی کی مطابقت ارشاد فرمائی۔

اس غلام نے آپ کے حضور ایک گزارش پیش کی جس کے جواب سے آپ نے سرفراز فرمایا، جو یہ ہے: ——— القاب وخطاب میں مبالغہ نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ شریعتِ مطہرہ میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ کوشش یہ کرنی چاہیئے کہ عالمِ امر کے یہ لطائف اور وہ حالات جو لطیفۂ نفس کی سیر کے ساتھ پیش آتے ہیں، ایک ہو جائیں اور فنا ونیستی اور دیدِ قصور کا غلبہ ہو جائے اور رذائل اخلاق کا خاتمہ ہو جائے جس کے باعث تہذیبِ اخلاق میسّر آجاتی ہے۔

اپنے پیرانِ کبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی ارواحِ مبارکہ کے واسطے سے خدائے ذوالمنن کی بارگاہ میں التجا کرنی چاہیئے کہ اقربیت کا بھید ظاہر ہو جائے چنانچہ وحدت و توحید کا بھید لطیفۂ قلب کی سیر میں ظاہر ہو جاتا ہے اور طاقت کے مطابق اعمال اختیار کرے

اور اُن پر ہمیشگی کرے تو انشاء اللہ تعالیٰ توجہ جہت فوق (اُوپر) کی جانب ہو جائے گی اگر دیگر لطائف کے حالات اس لطیفے کے احوال کے ساتھ ایک ہو گئے اور نسبت میں وسعت پیدا ہو جائے تو منظور ہی یہ ہے ۔

۱۲۶

۱۹ر شعبان المعظم ۱۲۳۱ھ ——— پیر

محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ آپ کے حضور طالبین کی سعی کوشش کا ذکر آیا ۔

مرشدِ برحق نے فرمایا کہ چرن داس نامی ایک ہندو اپنے مذہب کا زاہد اور ترک و تجرید میں ثابت قدم تھا ۔ ایک شخص اس کی طلب میں کئی ماہ کا سفر کر کے اس طرح حاضر ہوا کہ ہر قدم پر سجدہ کر کے زمین پر دراز ہو کر لیٹ جاتا ۔ پھر کھڑا ہوتا اور سر کے بجائے ٹانگوں کو کھڑی کرتا ۔ پھر دراز ہو کر لیٹ جاتا ۔ غرضیکہ اسی طرح وہ اس کے دروازے تک پہنچا ۔ میں نے خود اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اُس کے مجاہدے پر حیران رہ گیا ۔

اس کے بعد مرشدِ برحق نے استغفار پڑھا اور فرمایا کہ ہنود اور ان کے مجاہدوں کا ذکر نہیں کرنا چاہیئے ۔ پھر کلمہ طیبہ تین بار پڑھا اور کہا اَغِثْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ [۱]

---

[۱] ایک وہ وقت تھا کہ مسلمانوں کے بزرگ اَغِثْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کہتے یعنی رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے فریاد کرتے ، مدد کے طلبگار ہوتے اور یا رسول اللہ کے نعرے بلند کیا کرتے تھے حضرت شاہ غلام علی دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما تک یہی سلسلہ بغیر کسی کے جاری رہا ۔ لیکن دہابیت کی سیاست کو مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی (المقتول ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) نے ادھر قبول کیا ادھر اُدھر اس تعلق بارِ رسالت کو ختم کرنے کی تحریک شروع ہو گئی ۔ تعظیمِ رسول جو پورے دین کا مرکز و محور ہے موصوف نے اسی پر تیشہ زنی کی تاکہ مسلمان اگرچہ نمازی و حاجی وغیرہ نظر آئیں لیکن ایمان کی بدولت سے بالکل محروم رہیں ۔ چنانچہ موصوف نے شانِ رسالت میں اتنی گستاخیاں تقویۃ الایمان وغیرہ اپنی کتابوں میں کی ہیں جتنی گستاخیاں کرنے کی

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

اللہ کے رسول ہماری مدد فرمائیے) اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھی۔ اس کے بعد ایک شخص آپ کی بارگاہ میں عرض گزار ہوا کہ اہلِ حق میں سے بھی کتنے ہی حضرات نے بڑے مجاہدے کیے ہیں چنانچہ حجاز مقدس کی جانب سفر کرتے ہوئے حضرت ابراہیم بن ادہم بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہر قدم پہ دوگانہ ادا فرمایا تھا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ درست ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ حضرت آدم بنوری[2] رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی مسجدِ قبا سے مسجدِ نبوی تک اسی طرح ہر قدم پہ دوگانہ پڑھتے ہوئے گئے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کھلے کافروں نے بھی جرأت نہیں کی۔ موصوف کے اُن غیر اسلامی نظریات کی صدائے بازگشت پوری شدت کے ساتھ آج بھی سُنی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ایسے بدعقیدہ لوگوں اور نام نہاد مسلمانوں کے شر سے محفوظ و مامون رکھے، آمین۔

[1] آپ مشہورِ زمانہ درویش حضرت ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی والدہ سلطانِ بلخ کی شہزادی تھیں۔ اپنے نانا شاہِ بلخ کی وفات کے بعد تخت نشین ہوئے لیکن طبیعت فقیری کی جانب مائل تھی اور عبادت و ریاضت میں اکثر مشغول رہتے تھے۔ آخر کار تخت و تاج چھوڑ کر صحرا نشین ہو گئے۔ خواجہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۸۷ھ) سے خلافت پائی۔ کمال کے انتہائی درجے تک پہنچے اور ۲۶ رجمادی الاولیٰ ۲۶۲ھ میں وصال ہوا۔

[2] شیخ آدم بنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صحیح النسب سید اور رُوم کے رہنے والے تھے۔ ترکِ وطن کر کے سرہند شریف کے مضافات میں اقامت پذیر ہوئے۔ آپ عطیۂ نبوی تھے۔ حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ کے نامور خلفاء میں آپ کا شمار ہے۔ آپ اگرچہ اَن پڑھ تھے لیکن حافظِ قرآن اور عالم متبحر و شیخ کامل ہوئے۔ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی آپ کے ذریعے بہت اشاعت ہوئی۔ ۲۳ شوال ۱۰۵۳ھ کو مدینہ منورہ میں وفات پائی اور قبۂ عثمانی کے پاس جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

۱۲۷

۲۰ شعبان المعظم ۱۲۳۱ھ ـــــ منگل

حضورِ والا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مرشدِ گرامی قدر نے فرمایا کہ سیر و سلوک کا ماحصل حضور مع اللہ (دائمی حضور) ہے کہ لطیفۂ قلب کی سیر میں خطرات کی مزاحمت کے بغیر توجّہ الی اللہ پیدا ہو جائے اور بے خطرگی حاصل ہو جائے اور لطیفۂ نفس میں نفس اور دیگر عناصر میں یہ حاصل ہو جائے اور انوار و اسرار جو اس پر متفرع ہوتے ہیں، وہ ظاہر ہونے لگیں۔ راس المال حضور آگاہی ہے، جیسا کہ عام لوگوں کے نزدیک روپیہ پیسہ راس المال ہے اور لباس و طعام وغیرہ دیگر ضروریات زندگی اسی نقدی میں موجود ہیں۔ اگر حقیقت میں یہ چیزیں اس کے اندر موجود نہیں ہیں لیکن اس کے باعث وہ ہر وقت انہیں خریدنے پہ قادر ہے۔ پس حضور و آگاہی راس المال ہے اور باقی تمام چیزیں اس کی فرع ہیں۔ انوار لوگوں پہ ہر مقام کے اندر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اسرار بہت تھوڑے لوگوں پہ ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن انوار و اسرار صرف اسی جہان کے ساتھی ہیں۔ اِن میں سے کوئی بھی چیز قبر میں ساتھ نہیں جائے گی۔ سوائے حضور و آگاہی کے۔ پس چاہیئے کہ حضور و آگاہی حاصل کرنے میں کوشاں رہے۔ یہ نہ ہو کہ دوسرے امور کی جستجو میں رہے، کیونکہ اصلی کام یہ ہے اور باقی سب ہیچ ہیں۔

مرشدِ برحق نے فرمایا کہ لطیفۂ قلب کے اسرار سے ہمہ اوست اور انا الحق کہنا ہے اور لطیفۂ نفس کا سِرّ اَنَا کا ختم ہونا ہے اور لطیفۂ قالب کے بارے میں کچھ بیان نہیں فرمایا بلکہ ارشاد فرمایا کہ حضرت مجدّد الفِ ثانی قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہ السامی نے اس کے بارے بیان فرمایا ہے کیونکہ کمالاتِ ثلاثہ، مقاماتِ جدیدہ اور حقائق سبعہ وغیرہ امور ایسے ہیں کہ ان کے اسرار سے اللہ تعالیٰ نے خاص حضرت مجدّد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ہی کو سرفراز فرمایا تھا اور آپ کے توسط سے آپ کے متوسلین کو بھی اِس عظیم دولت اور بہت بڑی عنایت سے حصہ نصیب فرمایا ہے کہ محتاج دلیل اشیا، اُن کے لئے کشفیہ ہو جاتی ہیں اور نظریہ بدیہی ہو جاتی

ہے نیز کمال، اطمینان، صفائے باطن اور بے کیف اتصال میسر آجاتا ہے۔ علاوہ بریں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شریعتِ مطہرہ کا اتباع، بے رنگی اور انتہائی لطافتِ باطن بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی انتہائی تنزیہ کے باعث اس بلند و بالا ذات سے کسی کو کوئی نسبت نہیں۔ نہ عینیت و اتحاد کی نسبت ہے اور نہ ظلّیت کی۔ احاطہ ذاتی اور وجود کا سریان اس کے حضور مسلوب ہو جاتا ہے کیونکہ کہاں عاجز مٹی اور کہاں ربّ تعالیٰ کی بلند و بالا ذات اسی مقام کے بارے میں حضرت مجدّد الفِ ثانی قدس سرّہٗ نے فرمایا ہے کہ وہ وہ مقام ہے کہ یہاں پہ ہر نزدیک دوری چاہتا ہے اور ہر واصل مہجوری کا متلاشی ہے۔

اِس کے بعد مرشدِ برحق نے فرمایا کہ حضرت حاجی محمد افضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے جنہیں مرشدی و مولائی شہید نور اللہ مرقدہ المجید اپنا پیر و مرشد کہا کرتے تھے، اگرچہ آپ نے اُن سے باطنی استفادہ نہیں کیا تھا لیکن ابتدائی ایام میں اُن سے استفادہ کا اِرادہ کیا تھا اور اسی ارادے کے باعث انہیں اپنا مرشدِ قرار دیتے تھے۔ انہوں نے دس سال کے قریب حضرت حجۃ اللہ خواجہ محمد نقشبند قدس سرّہٗ کی خدمت میں گزارے اور اتنی ہی عمر حضرت خواجہ عبدالاحد قدس سرّہٗ کی خدمت میں بسر کی اور پورا سلوک ان دونوں حضرات سے حاصل کیا۔ ایک روز ادراک نہ کرنیکے باعث آپس میں باتیں کرنے لگے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ جو کچھ میرے اندر ہے وہ آپ کے اندر بھی ہے۔ دوسرے نے کہا

لہ آپ خواجہ محمد معصوم عروۃ الوثقیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۰۷۹ھ) کے دوسرے فرزند ہیں۔ جمعۃ المبارک کے روز ۷، رمضان المبارک ۱۰۳۴ھ میں پیدائش ہوئی۔ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرّہٗ نے حضرت عروۃ الوثقیٰ کو ان کی پیدائش کی بشارت دی تھی۔ کمالاتِ عالیہ میں اپنے والدِ محترم اور جدِّ امجد کا نمونہ ثابت ہوئے۔ ۱۰۷۳ھ میں قطب الاقطاب اور قیوم ثابت ہوئے۔ ۱۱ ربیع الاوّل ۱۰۷۹ھ سے والدِ محترم کے جانشین ہوئے اور ۲۹ محرم جمعۃ المبارک کی رات میں ۱۱۱۴ھ کو [illegible] وصال فرمایا۔

کہ جو کچھ آپ کے اندر ہے وہ میرے اندر بھی ہے۔ پھر کہا کہ یہ (حاجی محمد افضل علیہ الرحمہ) کوئی نسبت نہیں رکھتے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اِن کمالاتِ عالیہ کی نسبت اس درجہ کمال بے کیف ہوتی ہے کہ ادراک کا ہاتھ اس کے دامن تک پہنچنے سے قاصر ہے۔ جو خوش نصیب اس نسبت سے مشرف ہو وہ خود اس کے بارے میں بے خبری کے سوا اور کچھ نہیں رکھتا۔ پس دوسرے کے لئے اسے پہچاننے کی گنجائش کہاں۔ مقولہ (منسوب بہ باری تعالیٰ) ہے کہ اَولِیَائی تَحْتَ قَبَائِیْ لَا یَعْرِفُوْنَھُمْ غَیْرِیْ۔ (میرے دوست میری قبا کے نیچے ہیں۔ انہیں میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا۔

۱۲۸

۲۱ شعبان المعظم ۱۲۳۱ھ — بدھ

حضور فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ آپ کی خدمت میں نسبت کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ نسبت کا معنی حضور و آگاہی اور جمعیت ہے —— اس وقت مرزا مظہر جانِ جاناں شہید نور اللہ مرقدہ المجید کا ایک مکتوب پڑھا گیا۔ اس میں ہندوؤں کے اصل مذہب اور ان کی چاروں کتابوں (ویدوں) کا ذکر تھا جنہیں انہوں نے اپنی منزل قرار دیا ہے، ان کے بارے میں تحقیق فرمائی ہوئی تھی۔ انہوں نے لکھا تھا کہ ایک کتاب (وید) میں معارف ہیں مرشدِ برحق نے فرمایا کہ اگرچہ حضرت پیرو مرشد علیہ الرحمہ کی تحقیق پہ کلام کرنا بڑی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۸۱ھ) کے پانچویں صاحبزادے ہیں۔ اجازت و خلافت اپنے محترم چچا خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پائی اور اپنے آباؤ اجداد کے کمالات سے وافر حصہ پایا۔ مدتوں ایک دنیا کو اپنے فیض کے بحرِ رواں سے سیراب کرتے رہے اور صاحبِ روضۃ القیومیہ کے مطابق ۲۷ ذی الحجہ ۱۱۲۷ھ کو وصال فرمایا۔ مزار مبارک سرہند شریف میں ہے۔

بے ادبی ہے لیکن میرے نزدیک ہندوؤں کی کسی کتاب میں معارف ثابت نہیں ہیں۔

۱۲۹

۲۲ شعبان المعظم ۱۲۳۱ھ ــــــــ جمعرات

یہ بندہ حضورِ والا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ حضرت مرشدی مولائی شہید نور اللہ مرقدہ المجید طالبین کو دو سال میں لطیفۂ قلبی کا سلوک طے کرواتے ایک سال میں لطیفۂ نفس اور دو سال میں دیگر لطائف، تاکہ طالب درجۂ کمال تک پہنچ جائے اور باقی نصف سلوک کے جو کمالات باقی رہتے اُن کی پانچ سال میں تسلیک فرمایا کرتے تھے۔

اِس کے بعد ایک شخص عرض گزار ہوا کہ آپ کی خدمت میں تو لطیفۂ قلب ایک سال میں طے ہو جاتا ہے اور دوسرے مقامات بھی اسی طرح جلدی حاصل ہو جاتے ہیں۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ میں خود اِس معاملے میں حیران ہوں کہ یہاں اتنی دیر کیوں نہیں لگتی۔ سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ یہ خدائے ذوالمنن کی نظرِ عنایت ہے کہ جس نے میرے نزدیک دُور دراز راستے کو قریب کر رکھا ہے۔

اِس کے بعد فرمایا کہ اِس مسافت کو طے کرنے کی مدت دَس سال ہی مقرر ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر مقام کا رنگ توجہ کی کثرت اور پیروں کی عنایت کے باعث تھوڑی مدت میں حاصل ہو جائے۔ پھر فرمایا کہ حضرت شیخ محمد عابد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اکثر طالبین کو تھوڑے عرصے میں راہِ سلوک طے کروادی تھی۔ اچانک نادرشاہی فساد رُونما ہو گیا اور اُن طالبین کا باطن مکدّر ہو گیا۔ اور یوں محسوس ہونے لگا کہ گویا وہ نسبت ہی سے خالی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مرشدی و مولائی شہید نور اللہ مرقدہٗ المجید سالک پہ ایک مقام سے دوسرے کی توجہ نہیں ڈالتے تھے جب تک اس مقام میں طول و عرض ایک جگہ جمع نہ ہو جائیں اور اسی لیے راہِ سلوک طے کرنے کی مدت دَس سال مقرر فرماتے تھے۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ (یہ ہیں پورے دس)

۱۳۰

۲۳ شعبان المعظم ۱۲۳۱ھ ــــــ جمعۃ المبارک

محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہ السامی کے مکتوب کا درس ہو رہا تھا۔ وہ مکتوب پڑھا جا رہا تھا جو انہوں نے بزرگ صاحبزادوں یعنی خواجہ خورد اور خواجہ کلاں کے لئے تحریر فرمایا تھا اور اس میں عقائد بیان فرمائے تھے۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ یہ مکتوب علمِ عقائد کے بارے میں بڑا نفع بخش ہے اس کو علیحدہ لکھ کر لوگوں میں تقسیم کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھی اور الرحمٰن الرحیم کا مطلب بیان فرمایا کہ رحمٰن وہ جو سوال کرنے پہ عطا فرماتا ہے اور رحیم وہ ہے جو سوال نہ کرنے پہ ناراض ہوتا ہے۔

۲۳۱

۲۴ شعبان المعظم ۱۲۳۱ھ ــــــ ہفتہ

حضورِ والا کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے اذکار و اشغال کا ذکر کیا اور کہا کہ حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے لئے اپنی زبان میں ذکر مقرر فرمایا ہوا تھا۔ پس مرشدِ برحق نے فرمایا کہ ہر شخص اپنے محبوب کو اپنی زبان میں یاد کرتا ہے اور اپنی زبان اور بول چال کے مطابق اپنے لئے الفاظ مقرر کر لیتا ہے کیونکہ ہندیوں کے لئے ہندی اصطلاح ہے اور سندھیوں کے لئے سندھی اصطلاح ہے۔ بلبلِ شیدا گلِ رعنا کے چہرے کو دیکھ کر اس کے عشق میں مبتلا ہے اور اپنی زبان میں نغمہ سرا ہوتی ہے اور قمری شمشاد کی خوبصورتی اور قدو قامت کی محبت میں گرفتار ہو کر دل و جان سے نعرے مارتی ہے۔

مرغانِ چمن بہر صباحی
خوانند ترا باصطلاحی

۱۳۲

۲۵ر شعبانُ المعظّم ۱۲۳۱ھ ——— اتوار

محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ حضرت خواجۂ خواجگان، پیرِ پیران، خواجہ بہاء الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت فرمائی تھی۔ کہ میرے جنازے کے ساتھ چلنے والے قرآنِ کریم اور دُرود پاک نہ پڑھیں، ان کی بے ادبی نہ ہو۔ ہاں یہ شعر ضرور پڑھیں:۔

مفلسانیم آمدہ در کوئی تو — شیئً للہ از جمال روئی تو

دست بکشا جانب زنبیلِ ما — آفریں بر دست و بر بازوئی تو

اس کے بعد آپ کے حضور ذکرِ خفی کی بات چل نکلی۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ جب دِل کی جانب توجہ کی جاتی ہے تو وہ ذاکر ہو جاتا ہے اور انتظار پیدا ہو جاتا ہے اس کے بعد لطیفۂ رُوح کی طرف توجّہ کی جاتی ہے۔ اس میں بھی ذِکر جاری ہو کر توجہ الی اللہ پیدا ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ عالمِ امر کے جملہ لطائف میں سے ہر لطیفہ میں یہی حاصل ہوتا ہے۔ جس کا خلاصہ انتظار و توجّہ ہے۔ اس کے بعد انتظار کم ہو جاتا ہے اور توجّہ کمزور اور مُردہ سی ہو جاتی ہے۔ اِس کا مطلب انتظار و توجّہ کا رخصت ہو جانا نہیں ہے بلکہ اس وقت اِن کا ادراک نہیں ہوتا، بایں وجہ اس حالت کو ذکرِ خفی یا دِ حقیقی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس کے بعد لطیفۂ نفس، عناصرِ ثلاثہ، پھر عنصرِ خاک، اِن کے بعد ہیئتِ وحدانی میں اسی طرح ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہئے مرحمت فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

۱۳۳

۲۶ر شعبانُ المعظّم ۱۲۳۱ھ ——— پیر

حضور کی مجلسِ عالی میں حاضر ہوا۔ مُرشدِ گرامی قدر نے فرمایا کہ:۔

معارفیکہ حضرت مجدد الف ثانی رضی
اللہ تعالیٰ عنہ را مکشوف شدہ
اند، سہ قسم اند، یک قسم از
کسے نفرمودہ اند، و در سلک
تحریر و تقریر منتظم نہ نمودہ
اند و یک قسم خاص با اولاد امجاد
خود بیان ساختہ اند و یک
قسم علی العموم بیاران و متوسلان
خود ارشاد کردہ و ہم تحریر
و تسطیر نمودہ اند چنانچہ
سہ جلد مکاتیب شریف و
ہفت رسائل مملو ازانست۔

(ص۔ ۱۲۳)

جو معارف حضرت مجدد الف ثانی رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے مکشوف ہوئے
ان کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کے
معارف وہ ہیں جو کسی سے بیان نہیں
فرمائے اور نہ تحریر و تقریر کی لڑی میں
پروئے۔ دوسری قسم کے معارف وہ ہیں
جو خاص اپنی اولادِ امجاد ہی سے بیان
فرمائے اور تیسری قسم کے معارف اپنے
دوستوں اور متوسلین سے بیان کئے
اور ضبطِ تحریر میں بھی لائے چنانچہ آپ
کے مکتوبات امام ربانی کی تینوں جلدیں
اور سات رسائل ان معارف سے
بھرے پڑے ہیں۔

مرشدِ برحق نے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کے احوال اور حصولِ نسبت کے بارے میں بیان فرمایا کہ سب سے پہلے یہ اپنے والدِ ماجد سے خاندان عالیشان چشتیہ میں بیعت ہوئے اور اس خاندان کی اجازت و خلافت پائی، بلکہ والدِ بزرگوار سے دوسرے طریقوں یعنی سہروردیہ، کبرویہ، قادریہ، شطاریہ اور مداریہ کی اجازت بھی حاصل کی، اس کے بعد خواجہ فانی فی اللہ۔ باقی باللہ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے سلوک کو بڑے کمال کے ساتھ انجام تک پہنچایا اور خلافت پائی۔

روزی در مسجد مبارک حلقہ

ایک روز مسجد مبارک میں صبح کے

صبح می نمودند کہ حضرت شاہ سکندر
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خرقہ جناب حضرت
غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بامرِ
جدِّ بزرگوار خود عارف و کاشفِ
اسرارِ خفی وجلی حضرت شاہ کمال کیتھلی
قدس سرہٗ آوردہ بہ سرِ ایشاں انداختند
ایشاں در بحرِ انوارِ نسبتِ قادریہ غرق
شدند۔ دراں وقت بخاطر ایشاں
گذشت کہ من خلیفۂ خاندانِ نقشبندیہ
ام الحال کہ نسبتِ قادریہ مرا
احاطہ نمودہ است مبادی
کبرائی ایں طریق رنجیدہ شوند
فی الحال مشاہدہ نمودند کہ
حضرت غوث الاعظم
مع حضرت شاہ کمال کیتھلی
و حضرت خواجہ بہاء الدین
نقشبند مع اکابران تا بحضرت
خواجہ باقی باللہ و حضرت خواجہ
معین الدین چشتی و
حضرت شیخ شہاب الدین
سہروردی و حضرت شیخ نجم الدین

وقت حلقہ کئے ہوئے تھے کہ
شاہ سکندر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت
غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا خرقہ
اپنے جدِّ امجد، واقفِ اسرارِ خفی
وجلی حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس
سرہٗ کے حکم سے لا کر ان کے سر
پر ڈال دیا۔ اسی وقت یہ (حضرت
مجدد الفِ ثانی) نسبتِ قادریہ کے
انوار کے سمندر میں غرق ہو گئے
اس وقت حضرت مجدد الفِ ثانی علیہ
الرحمہ کے دل میں خیال آیا کہ میں
تو خاندانِ نقشبندیہ کا ایک
خلیفہ ہوں اور اس وقت نسبت قادریہ
نے میرا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اس صورتِ حال
سے کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے طریقے کے
اکابر ناراض ہو جائیں۔ اسی وقت آپ
نے دیکھا کہ حضرت غوثِ اعظم مع شاہ
کمال کیتھلی اور حضرت خواجہ بہاء الدین
نقشبند سلسلہ نقشبندیہ کے خواجہ
باقی باللہ تک اکابر کو لے کر اور حضرت
خواجہ معین الدین چشتی، حضرت شیخ

کبریٰ ہمہ ہا تشریف آوردند
وحضرت خواجہ می فرمودند
کہ ایشاں من اند و حضرت
غوث الاعظم می فرمودند
کہ ایشاں را در ایام طفولیت زبان
خود کمال کیتھلی چشانیدہ بود،
پس ایشاں از من اند۔ و
حضرت خواجہ معین الدین چشتی
فرمودند کہ ایشاں و آبائی و
اجدادِ ایشاں متوسل سلسلہ
من اند بہمیں نہج ہمہ بزرگوار
ارشاد می کردند۔ آخر الامر ہمہ
اکابران در مقبول ساختن ایشاں
اتفاق نمودند و ہر یک از نسبت
شریفہ خود سرفراز فرمود خلیفہ
خوگر دانید، ایشاں در مراقبہ
صبح تا بوقتِ ظہر ایں احوال ،
مشاہدہ نمودند و بایں ،
دولتِ عظمیٰ سرفراز شدہ
پس دریں طریق مجددیہ
نسبت ہر خاندان شریف

شہاب الدین سہروردی اور حضرت
شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہم
تمام بزرگ تشریف فرما ہو گئے۔ خواجہ
بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا
کہ یہ میرے ہیں۔ حضرت غوثِ اعظم
رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کو بچپن میں
شاہ کیتھلی نے اپنی زبان چوسنے کا
موقع دیا تھا۔ پس یہ میرے ہیں
حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے
فرمایا کہ یہ اور ان کے آباؤ اجداد
میرے سلسلے میں منسلک ہیں۔ لہٰذا
یہ میرے ہیں۔ غرضیکہ ہر ایک
بزرگ نے یہی ارشاد فرمایا۔ آخرکار
ہر بزرگ انہیں اپنی بارگاہ کا
مقبول بنانے پر متفق ہو گئے،
اور اپنی نسبتِ عالی سے انہیں
سرفراز کر کے اپنا خلیفہ ٹھہرایا
حضرت مجدد الفِ ثانی اس روز
صبح سے ظہر تک مراقبہ میں رہ
کر ان احوال کا مشاہدہ فرماتے
رہے اور اس دولتِ عظمیٰ سے

جلوہ گرست گویا چہار دریائے بے پایاں موج خیز اند دو دریائے نسبت نقشبندیہ و یک بحر نسبت قادریہ دیک لجہ الیست کہ نصف آں از چشتیہ و نصف دیگر از سہروردیہ و کبرویہ است نسبت نقشبندیہ غالب است بر جمیع نسبتہا، پس ازاں قادریہ باز چشتیہ، باز سہروردیہ،

(ص ۱۲۳-۱۲۴)

سرفراز ہوئے۔ اسی لئے سلسلہ عالیہ مجددیہ میں ہر سلسلے کی نسبت جلوہ گر ہے گویا چار بے پایاں دریا طغیانی پر آئے ہوئے ہیں۔ اُن میں سے دو دریا نسبت نقشبندیہ کے، ایک نسبت قادریہ کا اور ایک دریا ایسا ملا جلا ہے کہ اس میں نصف نسبت چشتیہ ہے اور باقی نصف میں نسبت سہروردیہ و کبرویہ وغیرہ ہیں، نسبت نقشبندیہ باقی تمام نسبتوں پر غالب ہے۔ اس کے بعد قادری، پھر چشتی اور پھر سہروردی نسبت ہے۔

۱۳۴

۲۷ شعبان المعظم ۱۲۳۱ھ منگل

محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ کے حضور کفر طریقت کا ذکر چل پڑا۔ پس مرشد برحق نے فرمایا کہ کفر طریقت یہ ہے کہ امتیاز اٹھ جائے، غیریت مٹ جائے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے۔ اسی کے بارے میں شیخ منصور حلاج علیہ الرحمہ نے یوں فرمایا ہے:۔

كَفَرْتُ بِدِيْنِ اللّٰهِ وَالْكُفْرُ وَاجِبٌ
لَدَيَّ وَعِنْدَ الْمُسْلِمِيْنَ قَبِيْحٌ

یہ بھی فرمایا کہ منصور حلاج نے زنجیروں میں جکڑے ہوئے، طوق پہنے ہوئے پانچ سو رکعت پڑھی تھیں اور فرماتے تھے کہ نمازِ عشق کی دو رکعت ہوتی ہیں، جن کے لئے خون کے سوا اور کسی چیز سے وضو کرنا درست نہیں۔

یہ بھی فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ مجھے رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے دو قسم کا علم حاصل ہوا ہے۔ ایک وہ علم ہے جسے میں نے دُنیا والوں پر ظاہر کیا ہے اور دوسرے کو چھپا کر رکھا ہے، اگر اس علم میں سے ذرا سا بھی ظاہر کر دوں تو لوگ میری گردن اڑا دیں گے۔ اکثر صوفیہ نے اس علمِ ثانی کو وحدت الوجود کا علم اور ہمہ اوست کے اسرار کہا ہے۔ علمائے کرام نے کہا ہے کہ اس سے منافقین کے حالات مراد ہیں جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ان سے بیان فرمائے تھے۔ حضرت مجدد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ وہ مذکورہ باتوں کے علاوہ اور ہی اسرار ہیں

اس کے بعد مرشد برحق نے فرمایا کہ وہ توحید وجودی کے اسرار ہوں یا توحید شہودی کے یا دیگر مقامات کے، بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت خاص کا حصہ تھا جو انہیں مرحمت فرمایا گیا۔ اس کے بعد مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھا:۔

جاں من و جانانِ من ! ! ، دیں من و ایمانِ من !
سُلطانِ من سُلطانِ من ، چیزی بدہ درویش را

اس کے بعد آپ کے حضور مخزالعارفین حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آیا۔ آپ نے فرمایا کہ چشت اہلِ بہشت کہتے ہیں کہ ان جیسا ولی اُمتِ محمدیہ میں دوسرا کوئی پیدا نہیں ہوا ہے۔ کیونکہ ہر پیغمبر کو ایک خصوصیت مرحمت فرمائی گئی تھی اور اُن میں سے ہر خصوصیت نے ان میں ظہور کیا تھا۔ (یعنی اس خصوصیت میں سے انہیں تھوڑا بہت حصہ ضرور ملا تھا)

اسی دوران میں ایک آدمی ہادیٔ سالکین، رہبر عارفین، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار

کاکی اوشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزارِ پُرانوار پہ حاضری دے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا
آپ نے دریافت فرمایا کہ مزارِ مقدس سے کاک وغیرہ قسم کی کسی چیز کا تبرک لائے ہو۔
اس شخص نے نفی میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا کہ غلطی کی کہ تبرک کی کوئی چیز نہ لائے۔ دوبارہ
جاؤ اور کوئی چیز لے کر آؤ کیونکہ بزرگوں کے تبرک میں بھید پنہاں ہے۔ اور بڑے فائدے
ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ نقل ہے کہ ایک شخص ان کے مزار سے کاک (روٹی) لایا تھا۔ اس
کے گھر میں ایک پرندہ مرا پڑا تھا۔ اس کاک سے تھوڑا سا حصہ پانی میں بھگو کر اس پرندے
کے منہ میں ڈال دیا تو خدا کی قدرت سے وہ پرندہ زندہ ہو کر اُڑ گیا۔

۱۳۵

۲۸ شعبان المعظم ۱۲۳۱ھ ——— بدھ

حضور فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ اس وقت ایمان کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے ارشاد
فرمایا کہ ایمان کی تین قسمیں ہیں۔ ایک عوام کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بغیر دیکھے دل وجان
سے گرویدہ ہو کر ایمان لائے ہیں ——— دوسرا ایمان اولیاء اللہ کا ہے کہ وہ مشاہدے
والے ہیں۔ ان کا ایمانِ شہودی ہوتا ہے کیونکہ ظلمانی حجاب کو یہ حضرات پھاڑ چکے ہوتے
ہیں، جو بے صبری، بے قناعتی، بے توکلی اور خیالِ غیر سے عبارت ہے اور نورانی حجاب
کو طے کر کے مرتبۂ شہود تک پہنچے ہوتے ہیں، جو صفات وشیونات اور اعتباراتِ ذاتیہ
سے عبارت ہے۔ تیسرا ایمان اکابر کا ہوتا ہے کہ یہ بزرگ مرتبۂ شہود سے بھی آگے گزر گئے
ہوتے ہیں۔ اور کمالِ وصال سے پیوستہ ہوتا ہے۔ ان کا ایمان بھی ایمان غیبی کے رنگ میں
ہوتا ہے کیونکہ مشاہدے کی کمالِ اتصال کے مرتبہ میں گنجائش نہیں۔

اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ ایک شخص اپنا ہاتھ پیٹھ کے پیچھے لے جائے تو
غیب ہے اور جب اپنے سامنے لے آئے تو مشاہدہ ہو جائے گا اور آنکھ کی پتلی پر رکھ
لے تو پھر غیب ہو جائے گا۔ پس وصل بے فصل کے مرتبہ میں بھی غیب متحقق ہے۔ اسی

لئے تو کہتے ہیں کہ جو خاص الخاص حضرات ہیں وہ عوام کی طرح ہوتے ہیں اور اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ میں یہی رمز پوشیدہ ہے۔

اس کے بعد آپ کی خدمت میں اکابر کی دعاؤں کی قبولیت کا ذکر آیا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ حضرت فرید الدین گنج شکر نور اللہ مرقدہ الاطہر جب بیمار ہوئے تو حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ سے فرمایا کہ بابا نظام الدین! مرض کے دفع ہونے اور میری بیماری کے دُور ہونے کی خاطر دعا کرو۔ انہوں نے دعا کی لیکن کوئی اثر ظاہر نہ ہوا۔ اُن کے حضور عرض گزار ہوئے کہ میرے جیسے پست ہمّت کی دعا اتنی اُونچی بارگاہ تک نہیں پہنچی۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تمہاری دعا کی قبولیت کے لیے دعا کرونگا۔ پس انہوں نے دُعا کی اور وہ مقبول ہو گئی۔

۱۳۶

۲۹ شعبانُ المعظّم ۱۲۳۱ھ ــــ جمعرات

محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق اپنی زبان گوہر فشاں سے ارشاد فرما رہے تھے کہ میرا دل خلوت (تنہائی) پسند اور جلوت سے نالاں ہے لیکن گوشہ تنہائی میں بیٹھنا کس طرح میسر آئے جبکہ لوگ استفادے کی غرض سے میرے نزدیک آتے ہیں پس مَیں اپنی سعادت اِسی میں سمجھتا ہوں کہ خلوت سے جلوت کی طرف آ جاؤں۔ حالانکہ میرا حال اس شعر کے مصداق ہے:۔

جہانی تنگ می خواہم کہ در وی[1]
ہمیں جای من و جای تو باشد

---

[1] مَیں اِتنی تنگ دُنیا چاہتا ہوں کہ اس میں اتنی ہی جگہ ہو کہ بس میری اور تیری گنجائش ہو۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اس سے پہلے میں ہر دم دلِ پُر الم سے آہیں بھرتا تھا اور صبر و شکیبائی کے دامن کو تار تار کر رہا تھا۔ اب آہیں بھرنا (بوجہ جلوت) جاتا رہا، لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے اور مجھے مجھ سے لے جاتی ہیں۔

آہے چو گرد باد زجای بُرد مرا
از کوی دوست آہ کجا می بُرد مرا[1]

اس کے بعد فرمایا کہ عشق ہونا چاہیئے کیونکہ عشق کے بغیر بھید نہیں کھلتے۔ یہ عشق ہی تو ہے جو معشوق تک پہنچاتا ہے، ہر گلی کوچے میں تشہیر کرتا ہے۔ یہ عشق ہی تو ہے جو گھر بار سے جدا کرتا ہے۔ یہ عشق ہی تو ہے جو اپنوں اور بیگانوں میں رُسوا کرتا ہے

چوں نیست ترا عشق بہ تحقیق ز تقلید
چاکے بگریبان زن و خاکی بسر افگن[2]

۱۳۷

۲۰ شعبان المعظم ۱۳۳۱ھ ____ جمعۃ المبارک

حضور والا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق اس وقت حافظ شیراز کے دیوان کا مطلع پڑھ رہے تھے:۔

الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا!!
کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا[3]

اور فرمایا کہ نسبتِ قلب سے ظہور کیلئے ہے۔ پھر اسی غزل کا یہ دوسرا شعر پڑھا۔

---

[1] آہیں بگولے کی طرح مجھے اپنی جگہ سے لیجاتی ہیں، افسوس! مجھے کوئے یار سے کہاں لے جاتی ہیں۔

[2] اگر تحقیقی طور پہ تیرے پاس عشق نہیں تو تقلید کے طور پر اپنا گریبان چاک کر اور سر پر خاک ڈال دے۔

[3] اے ساقی پیالہ لا اور اُسے گردش دے کہ عشق پہلے آسان دکھائی دیتا ہے لیکن مشکلات میں پھنسا ہے۔

بُبُوی نافۂ کآخر صبا زاں طرّہ بکشاید!
ز تابِ جعدِ مشکینش چہ خوں افتاد در دلہا

پھر دلِ فیض منزل سے ایک آہ نکالی۔ اس وقت حاضرینِ مجلس کی حالت عجیب اور احوال غریب ظاہر ہوئے۔ اس کے بعد نماز کا ذکر آیا۔ مرشدِ گرامی قدر نے فرمایا کہ ایک آدمی جب افتتاحی تکبیر (تکبیر تحریمہ) کہہ کر نماز میں داخل ہوتا ہے اور قیام کرتا ہے تو وہ جانتا ہے کہ میں جسم اور دل کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں کھڑا ہوں۔ جب رکوع کرتا ہے تو جانتا ہے کہ میں جسم اور دل کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے حضور جھکا ہوا ہوں اور جب سجدے میں جاتا ہے تو جانتا ہے کہ میں جسم اور قلب کے ساتھ بارگاہِ کبریا میں سجدہ ریز ہوں۔

مَیں نے جسم وجان کے ساتھ تیرے لئے سجدہ کیا اور میرا دل تجھ پہ ایمان لایا۔

اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکتوبات شروع کئے گئے اور درمیان میں آپ نے بڑے بلند پایہ معارف بیان فرمائے۔ جب مکتوبات کا پڑھنا بند کیا گیا تو الفاظ یہ کہ گواہی دو ہم مسلمان ہیں مرشدِ برحق نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ہدایت اور اس کتاب (مکتوبات امام ربّانی) کی ہدایت کے ساتھ۔

۱۳۸

غرّہ رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ ــــــ ہفتہ

محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ ان دنوں مرشدِ گرامی قدر پہ ضعف و ناتوانی کا غلبہ تھا اور موسم گرما کی شدت تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو مخدومِ عالم بننا چاہتا ہے اسے چاہئیے کہ اپنے پیر و مرشد کی خدمت کرے۔

لہ اس خوشبوئے مشک نافے کی قسم جو زلفوں سے بادِ صبا اڑا کر لائی۔ اسکے گیسو کی چمک نے کتنے ہی دلوں میں خون بہادیا۔

ع ہر کہ خدمت کرد اُو مخدوم شد[1]

یہ خدمت ہی ہے جو ادنیٰ سے اعلیٰ مقام تک پہنچا دیتی ہے اور ادب ایسی چیز ہے جو خاک نشین کو افلاک نشین کر دیتی ہے۔

ع خدمت ترا بہ کنگرہ کبریا کشد[2]

اس کے بعد فرمایا کہ آجکل جبکہ بڑھاپے کو پہنچ گیا ہوں. جسم میں ناتوانی اور قلب میں بہت ضعف ہے اور زہد و ریاضت اور مجاہدہ اذکار و اشغال میں کمی واقع ہو گئی ہے حالانکہ اس سے پہلے جامع مسجد کے حوض کا پانی پی کر قرآن کریم کے دس پارے پڑھتا اور دس ہزار نفی و اثبات کا ذکر کرتا۔ اس قوت کے باعث نسبت کا ظہور ہوتا جس کے انوار سے جامع مسجد بھر جاتی تھی بلکہ جس گلی کوچے سے گزرتا وہ انوار سے بھر جاتا اور جس مزار پہ جاتا۔ اس صاحب مزار کی نسبت پست ہو جاتی اور میری نسبت غالب آتی۔ اس وقت میں اُس بزرگ کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی نسبت کو پست کر لیتا تھا۔

۱۳۹

۲ رمضانُ المبارک ۱۲۳۱ھ ـــــ اتوار

محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ ذکر کرنا چاہیئے اور کوشش کرنی چاہیئے کیونکہ بغیر چلنے کے راستہ طے نہیں ہوتا۔ یہ بھی فرمایا کہ ما سوا سے کلی انقطاع کرنا چاہیئے اور کمینی دنیا سے پوری طرح انحراف کرنا (منہ موڑنا) چاہیئے تاکہ فیض الہٰی کا دریا دل میں طغیانی پہ آئے اور انوار کا غیر محدود سمندر جوش دکھائے۔ میرے مرشد و امام حضرت مرزا شہید نور اللہ مرقدہ المجید فرماتے ہیں کہ جب میں گھر میں جاتا ہوں اور اہلِ خانہ

---

[1] جس نے خدمت کی وہ مخدوم ہوا۔

[2] تیری خدمت کنگرۂ کبریا (قربِ الٰہی) تک کھینچ کر لے جاتی ہے۔

کسی ضروری کام کے لئے مجھ سے کوئی چیز طلب کرتے ہیں تو حق سبحانہٗ وتعالیٰ مرحمت فرما دیتا ہے لیکن ایک بھی دینار آنے سے باطن کا معاملہ پہلے جیسا نہیں رہ جاتا اور نسبت کے راستے میں بھی فتور دیکھتا ہوں۔ واللہ باللہ ثم باللہ۔

اس کے بعد آپ کے حضور فنا کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ جب دل کو ماسوائے حق کا شعور نہیں رہتا تو سمجھئے کہ فنا حاصل ہو گئی اور جب اس بے شعوری کا شعور بھی نہ رہے تو فناء الفناء میسر آ گئی۔

یہ بھی فرمایا کہ جناب عارف آگاہ، حضرت خواجہ باقی باللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ وارضاہ عنا فرماتے ہیں کہ بے شعوری میں بھی ایک شعور ہوتا ہے۔ اس کلام فیض نظام کا معنی یہ ہے کہ خلق سے بے شعوری اور خالق کا شعور ہوتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اس کلام کا دوسرا معنی جو مجھ پر ابھی القاء ہوا، یہ ہے کہ بے شعوری میں بھی شعور داخل ہوتا ہے یعنی ہر نفع یا ضرر جو مخلوق کی جانب سے پہنچتا ہے اُسے وہ خالق کی طرف سے جانتا ہے اور دوسرے کا خیال درمیان سے اُٹھ گیا ہوتا ہے، اسی لئے وہ نفع و نقصان پہنچانے والا صرف اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے لیکن اس بے شعوری کے باوجود اس شخص کو یہ شعور ہوتا ہے کہ درمیان میں واسطہ موجود ہے، چنانچہ ایک شخص سالک کو حلوہ کھلاتا ہے یا طمانچہ مارتا ہے تو سالک دیکھتا ہے کہ اس فعل کا حقیقی فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن اس شخص (ظاہری فاعل) کو بھی دیکھتا اور جانتا ہے کہ یہ اس فعل کا واسطہ ہے اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ:-

کارِ صوفیہ دیدن ست و کارِ علماء دانستن فقراء از حق بینند و علماء از او سبحانہٗ می دانند۔ (ص ۱۲۸)	صوفیہ کا کام دیکھنا ہے اور علماء کا کام جاننا ہے۔ فقراء حق سے دیکھتے ہیں اور علماء حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے جانتے ہیں۔

۱۴۰

۳ رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ ——— پیر

اپنے فیض گنجور کے حضور حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ:۔

امروز روزِ عرس جناب قرۃ عین الرسول حضرت زہرائی بتول ست رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ بعد ازاں امر پنجتن شبیر برنج برائے نیاز ایشاں فرمودند۔ (ص ۱۲۸)	آج رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ کی ٹھنڈک حضرت فاطمۃ الزہرا بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عرس کا دن ہے۔ اس کے بعد کھیر پکانے اور ان کی نیاز دلانے کا حکم فرمایا گیا

اس کے بعد ایک شخص حضور فیض گنجور میں عرض گزار ہوا کہ ولایت افضل ہے یا امامت اور ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے؟ مرشد برحق نے فرمایا کہ ولایت عام ہے اور امامت خاص۔ ہر امام ولی ہے لیکن ہر ولی درجہ امامت تک نہیں پہنچتا۔ کیونکہ ولایت تو حضور مع اللہ سے عبارت ہے اور امامت ایک ایسا منصب ہے جس سے ہر کسی کو سرفراز نہیں فرمایا جاتا بلکہ کامل افراد ہی کو مرحمت فرمایا جاتا ہے، جیسا کہ چاروں خلفاء بارہ امام اور اکابر اولیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ؔلہ اس عبارت کو دیکھنے سے بخوبی واضح ہو رہا ہے کہ بزرگانِ دین میں عرس منانا اور اکابر کی نیاز دینا ہمیشہ معمول رہا اور وہابیت کے منظرِ عام پر آنے سے پہلے اِن اُمور کا منکر کوئی نہیں تھا۔ وہابی حضرات کا یہ کہنا کہ ایسے امور کے مروج مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) ہیں، درست نہیں بلکہ یہ محض پروپیگنڈہ ہے، ورنہ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۲۳۱ھ میں ایسا کیوں فرماتے جبکہ امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کی ولادت بھی اس ارشادِ گرامی کے اکتالیس سال بعد ۱۲۷۲ھ میں ہوئی تھی۔

اس کے بعد آپ کی محفل میں نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی جامعیت کا ذکر آیا مرشدِ برحق نے فرمایا کہ تمام ظاہری اور باطنی کمالات اجمال کے طریقے پر سرورِ کون و مکان صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو حاصل تھے لیکن تفصیل کے ساتھ تمام کمالات کا ظہور ایک خاص زمانہ اور خاص افراد پر موقوف رہا ہے چنانچہ نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے کہ اُعْطِیْتُ بِمَفَاتِیْحِ کُنُوْزِ الْاَرْضِ (مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں مرحمت فرمائی گئی ہیں) حالانکہ فخرِ دو عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے زمانۂ اقدس میں اکثر ممالک فتح نہیں ہوئے تھے اور وہ آپ کے خلفاء کے زمانے میں زیرِ تسلط آئے اور کتنے ہی ممالک صحابۂ کرام کے بھی بعد سلاطینِ عظام کے ہاتھوں فتح ہوئے تھے جیسا کہ سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمۃ نے ہندوستان کو فتح کیا تھا۔ پس اس کمال کا ظہور اِن حضرات پر موقوف رہا ہے۔

اسی طرح نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو تمام علوم مجملاً حاصل تھے خواہ وہ توحید وجودی ہو یا علم کلام، یا جزئیات کا علم اور مسائل فقہ ہوں، لیکن توحید وجودی کے علم کا ظہور محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذریعے، علم کلام کا امام ابوالحسن اشعری اور امام ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے سبب اور مسائل فقہ کی جزئیات کے علم کا ظہور امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم پر موقوف رہا۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد امت میں سے جس سے بھی کسی کمال کا ظہور ہوا وہ فخرِ دو عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم ہی کا کمال ہے اور وہ کمال ظاہر ہونے سے پہلے بھی سرورِ کون و مکاں صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو حاصل تھا یہاں اجمال و تفصیل (بلحاظ ظہور) کے سوا اور کوئی فرق نہیں ہے۔

۱۴۱

۴ رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ ——— منگل

بندہ حضورِ والا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت مجلس شریف میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملاقات کی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے وطن کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ عراق کا رہنے والا ہوں۔ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ملکِ عراق کے لوگوں میں نفاق ہوتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ درست ہے، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وَمِنْ اَهْلِ الْعِرَاقِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ۔ یہ سن کر امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خاموش ہو گئے اور امام صاحب کے واپس لوٹ جانے کے بعد انہیں یقین ہو گیا کہ نعمان بن ثابت (امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) یہی تھے اور جو گفتگو ان سے سرزد ہوئی تھی اس پر افسوس کا اظہار کیا اور آپ کی بہت تعریف کرتے رہے۔

راقم الحروف عفی عنہ (شاہ رؤف احمد مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہے کہ قرآن کریم میں تو یہ آیا ہے کہ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ (اہلِ مدینہ سے بعض لوگ نفاق کی طرف لوٹ گئے ہیں) چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اہلِ مدینہ سے تھے اسی لئے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے الزامی طریق سے یہ جواب دیا تھا کہ اگر آپ کا خیال درست ہے تو قرآنِ کریم میں بعض اہلِ عراق کا نفاق کی جانب لوٹنا واقع ہوا ہوگا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تو بعض اہلِ مدینہ کا نفاق کی جانب لوٹنا بیان فرمایا ہے لیکن آپ اس بات کو اہلِ عراق پر چسپاں کر رہے ہیں تو چاہیئے کہ قرآن کریم میں اہلِ مدینہ کی جگہ اہلِ عراق لکھ دیا جائے

——— یہ بھی فرمایا کہ :۔

امام شافعی روزی بمزار پر انوار ایشاں   امام شافعی ایک روز امام اعظم کے مزار

رفتہ بودند۔ وقت نماز آمد۔ نماز بلا رفع یدین بطور ایشاں خواندند و فرمودند کہ مرا شرم می آمد کہ در حضور ایشان خود را دخل دہم و اجتہادِ خود اظہار نمایم۔ (ص۔ ۱۲۹)

پُر انوار پہ حاضر ہوئے۔ نماز کا وقت آگیا تو انہوں نے حنفی طریقے کے مطابق بغیر رفع یدین کے نماز ادا کی اور فرمایا کہ اِن کی بارگاہ میں دخل دینے اور اپنے اجتہاد کو پیش کرنے سے مجھے شرم آتی ہے۔

اس کے بعد آپ کے حضور توحید وجودی کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ یہ ایسا احوال ہے جو لطیفۂ قلبی کی سیر کے وقت ظاہر ہوتا ہے اور جنہوں نے اسے مقاماتِ قرب کی انتہا سمجھا ہُوا ہے وہ حضرت مجدّد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے بیان فرمودہ مقاماتِ عالیہ سے بے خبر ہیں۔ انہوں نے دائرہ ظلال سے باہر قدم ہی نہیں رکھا اور تشبیہ کو تنزیہ سمجھ بیٹھے ہیں۔ پس وہ مخلوق کو خالق اور ممکن کو واجب قرار دے بیٹھے ہیں، جیسا کہ فرمایا گیا ہے :۔

اے معنربی آں یار کہ بی نام ونشاں بُود
از پردہ بروں آمد و با نام ونشاں شد [۱]

وہ نہیں جانتے کہ (جس چیز کو انہوں نے دیکھا ہے وہ) واجب تعالیٰ کے اسماء و صفات کے ظلال میں سے ایک ظل ہے نہ کہ عَین اللہ تعالیٰ عزّ اسمہٗ۔ مثلاً آئینے میں آفتاب کا فرض جلوہ گر ہو اور اس کی کرنیں اور شعاعیں پوری آب و تاب کے ساتھ اس میں موجود ہوں (یہ درست ہے) لیکن پھر بھی یہ آفتاب کا ظل ہے۔ اِس گروہ (توحید وجودی والے) نے آفتاب کو تو دیکھا نہیں ہے، اسی لئے ظِل کو عین آفتاب سمجھ بیٹھے ہیں اور آئینے

---

[۱] اے مغربی! وہ یار کہ بے نام نشاں تھا۔ پردے سے باہر آکر نام ونشاں والا ہو گیا ہے۔

پر ان کی نظر ہی نہیں جاتی۔ حالانکہ آئینہ بھی عینِ ظلِ آفتاب نہیں ہے بلکہ اس کا اپنا وجود ہوتا ہے اور آفتاب کا ظل اس کے اندر ہے۔ چنانچہ حافظِ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:۔

عکسِ روئے تو چوں در آئینۂ جام اُفتاد[1]
عارف از خندۂ می در طمعِ خام اُفتاد

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ اولیائے کرام میں سے ہر ایک جس مقام تک پہنچا، وہ یہی سمجھا کہ مقصودِ اصلی یہی ہے اور اس سے آگے کچھ نہیں، مثلاً اندھوں کے ایک گروہ کو ہاتھی مل گیا۔ کسی اندھے کا ہاتھ ہاتھی کی ٹانگ پر پڑا، تو سمجھا کہ ہاتھی ستون کی طرح ہوتا ہے۔ کسی کے سونڈ ہاتھ آئی تو سمجھا کہ ہاتھی گویا لاٹھی کے مانند ہوتا ہے۔ کسی کے ہاتھ اس کے دانت آئے تو گمان کیا کہ ہاتھی خشک لکڑی (ڈنڈے) کی طرح ہوتا ہے۔ غرضیکہ کسی کا ہاتھ اس کے کان، پیٹھ یا پیٹ آیا تو اس نے اسی شکل سے ہاتھی کو تعبیر کیا اور دُوسرے لوگوں کی تعبیرات کا (اپنے مشاہدے کی بنا پر) انکار کیا۔

دوسری مثال یوں سمجھئے کہ اندھوں کی جماعت ایک درخت کے پاس پہنچی، کسی کے اس کا پتا ہاتھ آیا۔ کسی کے شاخ، کسی کے جڑ اور کسی کے پھل۔ پس ہر ایک نے اس کا ذائقہ چکھ کر دیکھا تو ہر کسی کو علیحدہ ذوق اور علیحدہ کیفیت حاصل ہوئی۔ جس نے پتے کو چکھا اس نے پتے کا ذائقہ بیان کیا جس نے اس کا پھل چکھا اس نے پھل کا ذائقہ بیان کیا۔ علیٰ ہٰذا القیاس ہر ایک نے اپنے چکھنے کے مطابق اس درخت کا ذائقہ بیان کیا اور دُوسرے کے بیان کردہ ذائقے کا انکار کیا اور کہا کہ درخت کا ذائقہ تو وہ ہے جو مَیں نے خود چکھا ہے نہ کہ وہ جو تُو نے بیان کیا ہے۔ پس۔

---

[1] تیرے چہرے کا عکس جمشید کے جام میں جا پڑا۔ عارف شراب کے ہنسنے سے خام طمع میں جا پڑا۔

جناب حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
می فرمایند کہ ایں ہمہ مکشوفات
اولیای کرام نشانی از مطلوب دارند
و درست و بجا ہستند لیکن ذات
اُو سبحانہ' وراء انیست چرا کہ
حق تعالیٰ بے نہایت است پایانے
ندارد و ہمچنیں معرفت اُو ہم
بے پایاں ست نہایتے ندارد۔
و درانجا کہ سید البشر علیہ و علیٰ
آلہٖ صلوات اللہ علیک الاکبر می
فرماید مَاعَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ
دیگری را چہ یارا کہ بہ نہایتِ
آں برسد۔

(ص۔ ۱۳۰)

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ
عنہ فرماتے ہیں کہ اولیائے کرام کے یہ
تمام مکشوفات مطلوب کی نشانی ہیں اور
سب درست و بجا ہیں لیکن حق تعالیٰ
کی ذات اِن سے بھی وراء ہے، اِس
لئے کہ وہ بے نہایت ہے اور کوئی حد
نہیں رکھتا، پس اسی طرح اُس کی
معروفت بھی بے پایاں ہے۔ اور
اس کی کوئی انتہا نہیں اور اس جگہ پر
تو حبیب سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وآلہ وسلم بھی مَاعَرَفْنَاكَ حَقَّ
مَعْرِفَتِكَ فرماتے ہیں تو دوسرے حضرات
میں یہ طاقت کہاں کہ اُس کی نہایت
تک پہنچ جائیں۔

ہر نقاب رُوئے جاناں را نقاب دیگر ست
ہر حجابی را کہ طے کردی حجاب دیگر ست [1]

راقم الحروف عفی عنہ' کہتا ہے کہ ہر کسی نے معرفتِ الٰہی سے اپنے حوصلے اور استعداد کے موافق حصّہ پایا ہے، یہ نہیں کہہ سکتے ہر ایک نے پورا عرفانِ الٰہی حاصل کیا ہے اس معنی میں ایک شخص نے کیا خوب ہندی دوہرا (شعر) کہا ہے۔

---

[1] رُوئے جاناں کے ہر نقاب کے لئے دُوسرا نقاب ہے۔ ایک حجاب کو طے کرو تو دُوسرا حجاب آجاتا ہے۔

مصری[1] کا پربت بھیو چیونٹی پہنچی آئے
اُن مکھ اپنا بھر لیو پربت لیو نہ جائے

اور یہ فارسی شعر بھی اِسی مضمون کی تائید میں ہے:-

داماں[2] نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار
گل چیں بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

اور اسی کے مصداق عربی کا یہ شعر ہے:-

وان[3] قمیصا خیط من نسج تسعة
وتسعین حرفا عن معالیه قاصر

۱۴۲

۵ رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ ـــــ بُدھ

محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ ایک شخص نے مرشد برحق سے مراقبات کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں سب سے پہلے مراقبۂ احدیت کی تلقین کیا کرتا ہوں اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک اللہ کے مفہوم کا لحاظ رکھنے سے عبارت ہے کہ میں اس پر ایمان لایا ہوں کہ وہ بے مثل اور لاثانی ہے اور کمال کی تمام صفات سے موصوف و متصف اور نقصان و زوال کی تمام صفات سے منزّہ (پاک) ہے۔

اس کے بعد مراقبۂ معیت کی تلقین کرتا ہوں اور یہ اس بات سے عبارت ہے کہ اللہ

---

[1] مصری کا پہاڑ بنا اور ایک چیونٹی اس کے پاس آگئی۔ چیونٹی نے اس پہاڑ سے اپنا منہ بھر لیا لیکن پہاڑ کو نہیں لے جاسکتی۔

[2] نگاہ کا دامن تنگ ہے اور تیرے حسن کے پھول بہت ہیں۔ تیری بہار کا گلچیں دامن کا گلہ کرتا ہے۔

[3] اگر ننانویں حروف کے دھاگوں سے بھی قمیص بنی جائے تب بھی اس کی بلندی کو بیان کرنے سے قاصر ہوگی۔

تعالیٰ کی معیت کا قلب و رُوح اور تمام لطائف نیز سارے جسم کے ساتھ لحاظ رکھے بلکہ ہر مُوئے تن کے ساتھ بلکہ ذرّاتِ عالم کے ہر ذرّے کے ساتھ لحاظ رکھے۔

اِس کے بعد آپ کے حضور آنجناب کے والدِ محترم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذِکر مبارک آیا مرشدِ برحق نے فرمایا کہ میرے والدِ محترم سخت مجاہدہ کرنے والے بزرگ تھے۔ گھاس پھُونس کو جوش دے کر کھا لینا ان کی خوراک تھی اور جنگل میں جا کر ذِکر جہر کیا کرتے تھے خاندانِ قادریہ میں بیعت تھے لیکن چشتیہ اور شطاریہ نسبت بھی رکھتے تھے۔ متواتر چالیس روز سویا نہیں کرتے تھے اور اکثر اولیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ارواحِ طیبہ کا مشاہدہ کیا تھا۔

بعد ازاں آپ کے حضور اس بات کا ذِکر آیا کہ آیا حضرت عارف آگاہ، خواجہ باقی باللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مجدّد الفِ ثانی قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہ السّامی سے استفادہ نسبت کا کیا تھا؟ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ بات درست نہیں ہے۔ ایسا ہو بھی کس طرح سکتا ہے جبکہ خود حضرت مجدّد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا ہے کہ ایک عید کے روز میں حضرت خواجہ باقی باللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پُر انوار پہ حاضر ہو کر عرض گزار ہُوا کہ آج کے دِن بڑے اپنے چھوٹوں کو عیدی عطا فرمایا کرتے ہیں میں بھی یہی امید لے کر آپ کے حضور حاضر ہُوا ہوں۔ حضرت خواجہ نے توجہ فرمائی اور ایک نئی نسبت القا کی، جو مزہ ہی اور رکھتی تھی، جس کی کیفیت ہی علیحدہ تھی اور اسرار

ے حضرت مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے کتنے ہی مشائخ سے بھی بلند مرتبے پہ فائز ہو گئے تھے لیکن انہیں اپنا بڑا ہی شمار کرتے رہے۔ اس واقعہ سے معلوم ہُوا کہ شاگرد یا مرید خواہ کتنے ہی بلند مقام پہ فائز ہو جائے لیکن جن سے استفادہ کیا ہے ان بزرگوں کی بارگاہ کا خود کو نیاز مند شمار کرے اور اُن کے زمرے میں اپنے آپ کو کمترین سمجھے، یہی طریق ادب۔ تقاضائے تعظیم اور اکابر کا معمول ہے کیونکہ با ادب با نصیب بے ادب بے نصیب۔

ہی جدا تھے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ جب حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے
انہیں اپنی وفات کے بعد بھی نئی نسبت عطا فرمائی تو خود اپنی زندگی میں کس طرح حضرت
مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نسبت اخذ کرتے۔

۱۴۳

۶ رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ ــــ جمعرات

غلام اس قبلۂ خاص و عام کی مجلس میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ صوفیہ
میں سے ایک شخص کا انتقال ہوگیا۔ بارگاہِ خداوندی سے اس پہ عتاب نازل ہوا کہ تو ہی تھا
جو مجھے لیلیٰ کا درجہ دیتا تھا اور ظاہری معشوق کی طرح ہماری جانب خال و خط کی نسبت
کرتا تھا۔

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ میں امیروں کی ملاقات کرنے، دنیا طلب کرنے، گانے
باجے سننے اور ہمہ اوست کہنے سے بیزار ہوں۔ حالانکہ ہمہ اوست تو احوال کی بات ہے
لیکن اس زمانے کے صوفیہ اسے قال میں لے آئے ہیں اور حقیقت تک نہ پہنچنے کے
باعث اس بات کو چرب زبانی کے ذریعے بڑھا چڑھا کر بیان کرنے اور الحاد و زندقہ
میں گرفتار ہوتے ہیں۔ نعوذ باللہ عن ذالک ــــ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے
لگا کہ سب خدا ہے، غیر ہے کہاں۔ میں نے اُسے مجلس سے باہر نکال دیا ــــ ایک
اور آدمی جب گدھے کی آواز سُنتا تو جل و علا کہتا۔ استغفر اللہ عن ذالک نعوذ باللہ۔ یہ
کیسا کمال یا حال ہے کہ کلامِ الٰہی کے سراسر خلاف کیا جاتا ہے۔ اگر یہ بات حق ہوتی تو پیغمبر خدا
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پہ نازل ہوتی۔ یہ پیغام کس کی طرف سے آیا ہے؟ رَبَّنَا ظَلَمْنَا[1]
اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ٥

---

[1] اے رب ہمارے! ہم نے اپنی جانوں پہ ظلم کیا اور اگر تو ہمیں معاف نہ کرے اور ہم پہ رحم نہ فرمائے
تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں ہوں گے۔

۱۴۴

۷ رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ ـــ جمعۃ المبارک

حضورِ والا کی خدمت میں حاضر ہؤا۔ اس وقت رویتِ باری تعالیٰ کا ذکر آگیا۔

مرشدِ برحق نے فرمایا کہ اس واجب الوجود ذات کی رویت کا اس سرائے میں امکان نہیں ہے۔ واقعۂ معراج کے دوران بھی سرورِ کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دیدارِ الٰہی سے مشرف ہونے کے بارے میں علمار کا اختلاف ہے، حالانکہ آپ اس جہان سے باہر نکل گئے تھے، لامکان میں پہنچے اور قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنیٰ کے مقامِ قرب سے مشرف فرما گئے تھے، دریں حالات دوسری کسی ہستی کے متعلق اس امر کی تصدیق کس طرح کی جا سکتی ہے۔

مرشدِ گرامی قدر نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے تین بار کلامِ الٰہی کو لحن آواز اور صوت وحروف کے بغیر سُنا ہے اور ایسے کلام کے استماع سے تین دفعہ مشرف ہوا ہوں ایک بار مدرسہ میں اور دو بار اسی مکان کے اندر جس میں آجکل سکونت پذیر ہوں۔

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ ایک رات مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے دُلہن جیسے کپڑے پہنائے گئے، زیورات سے سجایا گیا اور مجھ سے محبوبانہ باتیں صادر ہو رہی ہیں جب مَیں خواب سے بیدار ہؤا تو میری حالت ہی دِگرگوں تھی کہ جس طرح مَیں نے خواب میں گفتگو کی تھی۔ بیداری میں بھی اُسی طرح کر رہا تھا۔

مرشدِ گرامی قدر نے یہ بھی فرمایا کہ اکثر اوقات مجھے غیب سے آواز آتی ہے۔ کبھی فرشتوں کے ذریعے الہام ہوتا ہے کبھی اپنے مشائخ عظام کی آواز آتی ہے اور کبھی سرورِ کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بارگاہ کا فرمان سنائی دیتا ہے۔ ایک روز مَیں نے مکان کی وسعت کے لئے دعا کی تو آواز آئی کہ تو اہل وعیال تو رکھتا نہیں ہے پھر وسیع مکان کا کیا کرے گا۔ تیرے رہنے کے لئے یہی مکان کافی ہے۔ ایک روز میں بارگاہِ خداوندی سے

طلب گار ہوا کہ ہمسایہ کا مکان مجھے عطا فرما دیا جائے۔ الہام ہوا کہ تو ہمسایہ کو تکلیف دینا اور اُسے گھر سے بے گھر کرنا چاہتا ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ ایک روز حج کے قصد سے سفر کا ارادہ کیا تو الہام ہوا کہ تو اسی جگہ رہ کیونکہ خلقِ خدا کو تجھ سے فائدہ پہنچ رہا ہے۔

۱۴۵

۸ رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ ——— ہفتہ

محفلِ فیض منزل میں حاضر ہوا۔ ایک شخص رعشے کی بیماری میں مبتلا تھا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ اس آیۂ مبارکہ کو اکثر پڑھا کرو بلکہ دوگانہ (نوافل) کے اندر قیام، رکوع اور سجود میں بھی یعنی رَبِّ اِنِّی مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ——— حضور پُرنور میں شعر کا ذکر بھی آیا۔ مرشدِ برحق نے یہ رباعی پڑھی۔

ما را بنود دلے کار آید ازو[1]	جز نالہ کہ در وی ہزار آید ازو
چنداں گریم کہ کوچہ ہا گل گردد	نی روید و نالہ ہای زار آید ازو

۱۴۶

۹ رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ ——— اتوار

غلام اس قبلۂ انام کی محفل میں حاضر ہوا۔ حضورِ پُرنور میں تراویح کا ذکر آیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بیس (۲۰) رکعت تراویح ثابت نہیں ہیں۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ عبداللہ بن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیس (۲۰) رکعت تراویح کی روایت کا ثبوت سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچایا ہے۔ اس کے بعد مشکوٰۃ شریف منگائی گئی تو اس کے حاشیے پر یہ مسئلہ لکھا ہوا تھا۔ اس کی عبارت مجلس میں پڑھی گئی۔ اس کے

---

[1] ہمارے پاس ایسا دل نہیں جس سے کوئی کام نکل سکے۔ ہاں نالے تو اس سے ہزاروں نکلتے ہیں۔
میں اس قدر روتا ہوں کہ گلی کوچوں میں کیچڑ ہو جاتی ہے۔ بانس اگتے ہیں تو اُن سے نالہ ہائے زار نکلتے ہیں۔

بعد حضور پُر نور میں ممکنات کا ذکر آیا کہ آیا یہ وہم ہے یا ان کا وجود حقیقی ہے۔ مرشد برحق نے خواجہ میر درد کی یہ رباعی پڑھی۔

اے درد تنگنا میں آ کر دیکھا   عالم ہستی میں جو دل لگا کر دیکھا
مانند حباب الٹ گئی صف کی صف   اللہ جدھر بصر آنکھ اٹھا کر دیکھا

مرشد گرامی قدر نے یہ بھی فرمایا کہ علم الٰہی کے صفحے پر ممکنات کی شکلیں بھی موجود تھیں جن سے اعیان ثابتہ مراد ہے۔ جب حق تعالیٰ نے چاہا کہ ان علمی صورتیں کو منصۂ ظہور پہ لائے تو ہر صورت کو جس زمانے میں چاہا وجود کے اطوار و آثار اس پہ مرتب فرمادیے۔ اپنے صفحۂ علم کو کہ جس میں عین ثابتہ کے اندر صورت موجود تھی آئینہ عدم کے سامنے رکھا تو اس آئینے میں وہ عین ثابتہ منعکس ہوا اور خارج میں صورت پیدا کی اور اس کے لیئے وجود کے اطوار و آثار بنائے۔ یہ بھی فرمایا کہ نطفہ سے جما ہوا گوشت اور اس سے ہڈیاں اور گوشت بنا کر صورت پیدا کرنا۔ بچہ بنانا، جوان کرنا اور بڑھاپے تک پہنچانا یہ وجود کے اطوار ہیں اور ہنسنا، رونا اور کلام کرنا وغیرہ امور وجود کے آثار ہیں۔

۱۴۷

۱۰ رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ ــــــ پیر

بندہ حضور نیض گنجور میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ صوفی کو چاہیئے وہ اپنے اخلاق و اعمال اور ترک دنیا میں سرور کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مطابقت پیدا کرے جس طرح کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ دس سال تک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہے لیکن اس عرصے میں آپ نے اُف تک نہ کہی اور کوئی فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے برائی کرتا۔ آپ اس سے نیکی ہی کرتے اور راتوں کو قیام فرماتے یہاں تک کہ دونوں قدم مبارک سوج جاتے تھے۔ ایک روز سرور کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سونے چاندی کے ستر ہزار سکے آئے لیکن آپ نے

وہ سارے ہی غریبوں میں تقسیم فرما دیئے۔

۱۴۸

۱۱ رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ ـــــ منگل

محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ حلقہ کے وقت ذکر نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اپنے پیرو مرشد کی جانب متوجہ ہو کر بیٹھنا چاہیئے کیونکہ مرشد کی توجہ ذکر سے زیادہ مفید ہے۔ مرشد برحق نے یہ بھی فرمایا کہ حلقہ میں ایک شخص پر توجہ ڈالنا تمام اہل حلقہ کے اندر اثر کرتا ہے کیونکہ توجہ مسہل کی طرح ہے اور تاثیر جو نزدیک والوں میں ہوتی ہے باقوتی (مقوی) کے مانند ہے۔ پس مسہل کے بعد باقوتی مفید ہوتی ہے۔

۱۴۹

۱۲ رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ ـــــ بدھ

جناب عالی کے حضور حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ میرے خدا نے اللہ تعالیٰ کے سچے وعدے ہیں:۔

خاک[1] نشینی ست سلیمانیم
عار بود افسر سلطانیم

۱۵۰

۱۳ رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ ـــــ جمعرات

محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشد گرامی قدر نے وصیت فرمائی کہ میرے جنازے کے سامنے خوش الحانی اور دلکش آواز میں یہ رباعی پڑھی جائے:۔

مفلسانیم[2] آمدہ در کوی تو ! شیئاً للہ از جمالِ روی تو
دست بکشا جانبِ زنبیلِ ما ! آفریں بر دست و بر بازوی تو

---

[1] میرے لئے زمین پر بیٹھنا ہی سلیمانی ہے۔ میرے لئے بادشاہی تاج باعث شرم ہے۔

[2] تیرے کوچے میں ایک مفلس آیا ہے۔ خدا کے لئے اپنے خوبصورت چہرے کا صدقہ عطا فرما۔ میری زنبیل کی جانب ہاتھ بڑھا۔ تیرے دست و بازو پہ آفرین ہے۔

اور فرمایا کہ خواجۂ خواجگان، پیرِ پیران، خواجہ بہاء الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حکم فرمایا تھا کہ یہی رباعی ان کے جنازے کے ساتھ پڑھی جائے ــــــ اس کے بعد آپ کے حضور حیا کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ حیا کی چند قسمیں ہیں :۔

اوّل : کوئی شخص گناہوں سے بایں سبب اجتناب کرے کہ اُسے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہو کیونکہ وہ اُن سب کاموں کو دیکھتا ہے جو چھپا کر کیے جائیں یا ظاہر کر کے اور ظاہر و مخفی کاموں کا جاننے والا ہے۔

دوم : معاصی سے اس لیے اجتناب کرے کہ فرشتے دیکھتے ہیں اور اس بات سے اُسے حیا محسوس ہوتی ہو۔

سوم : گناہ کرنے سے بایں وجہ حیا محسوس ہو کہ فرشتے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں اعمال پیش کرتے ہیں ــــــ پس حیا خواہ کسی وجہ سے ہو وہ ایمان کا ایک شعبہ (حصّہ) ہے ــــــ اس کے بعد آپ کے حضور عشق و محبت کا ذکر چل پڑا۔ مرشدِ گرامی قدر نے یہ اشعار پڑھے :۔

دارم دلی اما چہ دل صد گونہ حرماں در بغل　　چشمی و خوں در آستیں صد اشک و طوفاں در بغل

روزی قیامت ہر کسی در دست گیرد نامہ　　من نیز حاضر می شوم تصویرِ جاناں در بغل[1]

۱۵۱

۱۴ رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ ــــ جمعۃ المبارک

غلام قبلۂ انام کے حضور حاضر ہوا۔ اس وقت مدارا اور مداہنت کا تذکرہ آیا۔ مرشدِ برحق

---

[1] میں دل تو رکھتا ہوں لیکن کیسا دل! جس کی بغل میں سینکڑوں حسرتیں ہیں۔ آنکھ اور خون آستین میں اور آنسوؤں کا طوفان بغل میں رکھتا ہوں　　قیامت کے روز ہر ایک اپنے ہاتھوں میں نامۂ اعمال لئے ہوئے ہوگا لیکن میں بغل میں اپنے محبوب کی تصویر لے کر حاضر ہوں گا۔

نے فرمایا کہ مدارا دنیا کو دین کے لئے صرف کرنا ہے اور مداہنت دین کو دنیا کے لئے برباد کرنے کا نام ہے حیاذاً باللہ سبحانہٗ من ذالک

اس کے بعد حضور پُر نور میں سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ذکرِ پاک آیا آپ نے فرمایا کہ ہر پیغمبر کے لئے ایک دعا ایسے مستجاب ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ وہ اللہ جل سبحانہٗ سے جو مانگیں مرحمت فرمایا جائے گا۔ تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی دعا کو اسی جگہ صرف کر چھوڑا ہے لیکن میں نے دنیا میں وہ دعا نہیں مانگی اگرچہ رنج وغم اٹھائے ہے اور مشکلات کے زہر جیسے کڑوے گھونٹ پیئے ہیں، بلکہ میں نے اپنی دعا کو عقبیٰ پر موقوف کر دیا تھا جو شفاعتِ کبریٰ کے رنگ میں ظاہر ہو گی۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے ایسی بشارت دی ہے کہ اگر اس کا اظہار کروں تو میری امت کے لوگ اطاعت وعبادت کو بھی چھوڑ بیٹھیں گے ———— مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مبارک تمام جہان کے لئے رحمت ہے۔ کفار کو کفر کا اور فساق کو فسق کا دنیا میں عذاب دیا جانا موقوف ہو گیا ہے۔ آپ کے بعد مسخ اور فسخ نہیں رہا اور شیطان کے منہ پر فرشتہ ہر وقت طمانچہ مارتا رہتا تھا۔ یہ بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کے بعد موقوف ہو گیا۔ خزانہ قارون جو اس کے سر پہ لادا ہوا تھا وہ بھی اس کے سر سے اونچا کر دیا گیا ہے۔

اس کے بعد آپ کی خدمت میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کا ذکر آیا۔ پس مرشدِ برحق نے فرمایا کہ خبر فیض اثر مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ (جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے واقعی میرا دیدار کیا کیونکہ شیطان میری شکل اختیار نہیں کر سکتا) یہ اس صورت کے بارے میں ہے جس کے ساتھ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں محوِ استراحت ہیں۔ علاوہ بریں اور بھی کتنی ہی شکلیں اور صورتیں ہیں جن میں

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو دیکھا جاتا ہے مثلاً کسی نے کوئی نیک عمل کیا ہے یا سنّت کو زندہ کیا ہے یا بدعت کو مٹایا ہے تو اس کے لئے آپ اسی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں یہ بھی مرشدِ برحق نے فرمایا کہ فخرِ دو عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی اصلی صورت کو خواب میں دیکھنے کے اندر شیطان کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ حق یہ ہے کہ جس نے آپ کو خواب میں دیکھا اس نے واقعی آپ ہی کو دیکھا۔

لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم جو کچھ خواب میں ارشاد فرمائیں اُسے آپ کی حیات مبارک کے ارشاداتِ عالیہ کے مطابق کرنا چاہیئے۔ اگر اس کے موافق ہے تو اس پر عمل کرنا چاہیئے اور اگر مخالف ہو تو اس سے اجتناب کرنا چاہیئے کہ اس فرمانے میں شیطان کے دخل کا خوف ہے نہ کہ آپ کے دیکھنے میں جبکہ شیطان نے تو نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی مبارک زندگی میں بھی ایک روز آپ کے لب و لہجہ میں چند فقرے بتوں کی تعریف میں کہہ دیئے تھے اور صحابۂ کرام ان کے سننے سے حیران و ششدر رہ گئے تھے جبکہ کافر بڑے خوش ہوئے کہ پیغمبرِ خدا نے بھی ان کے دین کی تائید کر دی۔ اس واقعہ کے بعد سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم بہت مغموم ہوئے تو بارگاہِ ایزدی سے جبرئیل امین علیہ السّلام نے نزول فرمایا اور بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوئے کہ ہر پیغمبر کے کلام میں شیطان کو دخل ہے لیکن اس کے بعد اللہ جل مجدہٗ نے آگاہ فرمایا کہ یہ شیطان کا کلام تھا جو اس نے تمہارے کلام سے ملا دیا تھا اور کافروں کی تعریف میں اس نے چند فقرے کہہ دیئے تھے۔

اس کے بعد مرشدِ برحق نے فرمایا کہ ایک شخص خواب میں فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ نے اس سے ارشاد فرمایا کہ فلاں جگہ خزانے کی ایک دیگ دفن ہے اسے نکال لے اور اس میں سے خمس ادا کرنا تیرے لئے معاف کیا جاتا ہے۔ جب وہ شخص بیدار ہوا تو اس نے بتائی ہوئی جگہ میں واقعی دیگ پائی۔ قاضی سے خمس کی معافی کا فتویٰ لیا تو قاضی نے جواب دیا کہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا دیکھنا برحق

ہے لیکن خمس معاف نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے جسم ظاہری کے ساتھ بیداری کی حالت میں صحابہ کرام کی جماعت پر جو حکم جاری فرمایا تھا وہی نافذ ہے اور وصال کے بعد خواب میں رُوح کا حکم بیداری کے حکم کا ناسخ نہیں ہوگا

۱۵۲

۱۵ رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ ـــــ ہفتہ

محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ جب میں اپنے اُوپر نظر ڈالتا ہوں کہ میرے اندر کیا کمال ہے جس کے باعث ایک دنیا میری جانب رجوع کر رہی ہے تو اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا۔ جب اپنی اطاعت و عبادت کو دیکھتا ہوں تو ایک بھی روزہ یا نماز بارگاہِ خداوندی میں قبول ہونے کے لائق نہیں دیکھتا اور جب اپنے وجود کا مشاہدہ کرتا ہوں تو اپنے آپ کو بانس کی طرح اندر سے خالی پاتا ہوں۔ مَیں تو کچھ بھی نہیں ہوں جو کچھ میرے اندر ہے وہ اُسی کی جانب سے ہے :-

اُو بجز نائی و ما جز نے نیم	اُو دمی بے ما و ما بے وی نیم
نے کہ ہر دم جلوہ آرائی کند	فی الحقیقت از دم نائی کند

۱۵۳

۱۶ رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ ـــــ اتوار

حضور فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی تواضع کا ذکر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم صف کے ایک کنارے پر کھڑے ہوتے دعوت قبول کر لیتے اور پہلے خود سلام کرتے تھے۔ اس کے بعد مرشد گرامی قدر نے درود پاک

لہ وہ صاحب نے (بانسری والا) ہے اور ہم نَے کے سوا کچھ نہیں۔ وہ ہمارے بغیر موجود ہے اور ہم اس کے بغیر کچھ نہیں ہیں نَے جو ہر دم رونق دکھاتی رہتی ہے حقیقت میں وہ سب کچھ صاحب نَے کے دم سے کرتی ہے۔

وِرد شروع کر دیا۔ اس کے بعد بڑے ذوق وشوق سے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر یوں سینۂ بے کینہ پر رکھ لیتے جیسے کوئی معانقہ کرتا ہے۔

راقم الحروف عفی عنہٗ (شاہ رؤف احمد مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہے کہ عشاق (اہلِ محبت) کے دلوں میں سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی شکل وصورت ہر وقت نقش رہتی ہے. چونکہ آپ دل وجان سے محبوب رب العالمین کے اسم مبارک کے اور امام المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات والاصفات کے عاشق ہیں لہٰذا جب بھی فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسمِ گرامی سنتے ہیں تو تڑپنے لگتے ہیں اور بار بار درُود شریف پڑھنے لگتے ہیں اور:۔

ہر چند کہ دریں ایام بہ سبب تقاضائے عمر شریف کہ بہفتاد و پنج رسیدہ است ضعفے کمال عاید حال ست و علاوہ آں قلتِ غذا کہ در شب و روز از پاؤ آثار تناول می فرمایند توانائی کجا ست لیکن بوقت ایں چنیں تذکرہ قوتے کمال در بدن مبارک می آید. پس ایں شعر	اگرچہ آج کل عمر شریف کے تقاضا کے باعث کہ پچھتر سال کو پہنچ چکی ہے حالت بہت کمزور ہو گئی ہے اور اس کے علاوہ غذا اتنی کم کہ رات دن میں پاؤ آثار سے کم ہی تناول فرماتے ہیں تو توانائی کہاں سے آئے لیکن اس تذکرہ کے وقت جسم مبارک میں کمال قوت آ گئی چنانچہ یہ شعر پڑھا اور کتنے ہی لوگوں پہ توجہ فرمائی۔

ہر چند[1] پیر خستہ دِل و ناتواں شدم
ہر گاہ یادِ رُوئے تو آمد جواں شدم

---

[1] اگرچہ میں خستہ دِل بوڑھا اور ناتواں ہوں لیکن جب بھی آپ کے رُوئے انور کی یاد آتی ہے نوجوان ہو جاتا ہے۔

۱۵۴

۱۷ / رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ ——— پیر

محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ فیض طلب خاں نے اخراجات خانقاہ کے لیے نقد بھیجا تھا۔ مرشد برحق ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میں تو اللہ تعالیٰ کے وعدے پر بیٹھا ہوں۔ میرا امیروں سے کیا تعلق۔ اس کے بعد کسی فاحشہ عورت کے گھر کا کھانا آیا اور بازار سے کسی دوسرے امیر نے بھی کھانا بھیجا تو آپ نے محتاجوں میں وہ کھانا تقسیم فرما دیا اور خود اس میں سے ایک لقمہ بھی نہ کھایا، کیونکہ مرشد برحق کی مبارک عادت ہی یہ ہے کہ کسی کے گھر کا کھانا مطلقاً نہیں کھاتے بلکہ وہی کھاتے ہیں جو اپنے گھر میں پکتا ہو اور دیگر صوفیہ کو بھی (باہر سے آیا ہوا کھانا) کھانے کے لئے نہیں دیتے۔

۱۵۵

۱۸ / رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ ——— منگل

محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے ارشاد فرمایا کہ آج حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت شیخ الشیخ مولانا محمد عابد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا دن ہے اور امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم بھی آج کے روز ہی زخمی ہوئے تھے۔ اس کے بعد آپ نے فاتحہ کی غرض سے کھانا پکانے کا حکم فرمایا۔

۱۵۶

۱۹ / رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ ——— بدھ

حضور فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ مرشد گرامی قدر نے فرمایا کہ رمضان المبارک کے مہینے میں بڑا فیض وارد ہوتا ہے اور بہت سی برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔ پس اس مہینے میں عبادت و اطاعت کے اندر خوب کوشش کرنی چاہیئے۔ اس مہینے کے دو متبرک عشرے گزر چکے ہیں اور آخری عشرہ ہی باقی ہے۔ خانقاہ کے لوگوں کو چاہیئے کہ اعتکاف کریں کیونکہ پیغمبر خدا

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کام ہمیشہ کیا تھا اور کبھی ترک نہیں فرمایا تھا۔ ایک بار ایسا نہ ہوسکا تھا تو اس کی قضا ادا فرمائی تھی جس کو اعتکاف میسر نہ آئے تو وہ تنہائی اختیار کرے سے اور کثرت سے ذکرِ قلبی، وقوفِ قلبی، خواطر کی نگہداشت، ذکرِ نفی واثبات اور تہلیل لسانی اختیار کرے کہ اس طریقۂ شریفہ (عالیہ نقشبندیہ مجددیہ) میں اُنکے علاوہ دیگر اوراد و وظائف نہیں ہیں۔

اس کے بعد اس فقیر سے ارشاد فرمایا کہ مجدد الف ثانی کا ایسا معنی جس پر کسی معترض کا اعتراض واقع ہی نہ ہو، یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا (بیشک اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر ایک شخص مبعوث فرمائیگا جو اُن کے لیے اُن کا دین تازہ کرے گا) پس ہر صدی میں مجدد پیدا ہوتا ہے چنانچہ حضرت جنید بغدادی اور حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ ہر صدی میں مجدد ہوتے ہیں اور انہوں نے دین کی تجدید کی ہے۔ مجدد اور محی الدین کا معنی ایک ہے پس گیارہویں صدی میں اللہ تعالیٰ نے انہیں بھیجا کہ اس صدی میں دین کی تجدید کریں:

و آنکہ مجدد الف ثانی نزد ایشاں و نزد توابعانِ ایشاں اینست کہ واسطۂ فیض ولایت دریں ہزار دوم وجود مبارک ایشاں ست۔ چنانچہ ایشاں ارقام فرمودہ اند کہ بہ من مکشوف ساختند کہ حضرت امیر المومنین اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب و جناب سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہما واسطۂ فیضِ ولایت مطلقاً اند	اور مجدد الف ثانی کا جو مطلب خود ان کے اور اس سرکار کے پیروکاروں کے نزدیک ہے وہ یہ ہے کہ اس دوسرے ہزار سال میں آپ کا وجود مبارک واسطۂ فیض ہے چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر مکشوف ہوا کہ امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب اور جناب سیدۃ النساء فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما مطلقاً واسطۂ فیض ہیں خواہ وہ

اگرچہ اولیای امم سابقہ باشند و بعد از ایشان تا آئمہ اثنا عشر ہمیں منصب قائم است۔ پس حضرت محی الدین جیلانی قدس سرہ نیز ازیں دولت عظمیٰ سرفراز شدہ اند و بعد از ایشان بر سر الف ثانی حق سبحانہ مرا ہم ازیں منصب نائب ایشان فرمودہ و سرفراز بایں خلعت نمودہ است، لہٰذا دریں ہزار دوم ہر کس کہ بدرجہ ولایت میرسد واسطہ فیض او من باشم بجز توسل من ہیچ ولی بولایت نخواہد رسید۔ (ص۔ ۱۳۸، ۱۳۹)

گزشتہ امتوں کے اولیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم ہی کیوں نہ ہوں اور اُن کے بعد بارہ اماموں تک یہ منصب قائم ہے حضرت محی الدین عبد القادر جیلانی قدس سرہ بھی اس دولت عظمیٰ سے سرفراز فرمائے گئے ہیں اور ان کے بعد اللہ جلّ مجدہٗ نے مجھے بھی اس منصب سے ان کے نائب کے بطور نوازا اور اسی خلعت سے سرفراز فرمایا ہے۔ پس ان دوسرے ہزار سالوں میں جو بھی درجہ ولایت تک پہنچیگا اس کے لئے واسطہ فیض میں ہوں اور میرے وسیلے کے بغیر کوئی ولی منصب ولایت تک نہیں پہنچے گا۔

پس ان کے توسل کے بغیر کوئی پہنچا بھی نہیں ہے اور اس دوسرے ہزار سال کے اندر میں بھی اُن کے ساتھ شریک ہوں۔

۱۵۷

۲۰ رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ ـــــ جمعرات

محفل فیض منزل میں حاضر ہوا، مرشد برحق نے فرمایا کہ آج صبح ہی سے اکیسویں رات کے برکات ظاہر ہیں اور شب قدر کا احتمال ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ماہ رمضان المبارک کے اس آخری عشرۂ متبرکہ میں شب قدر ضرور ہوتی ہے جس کی تاریخ میں اختلاف ہے لیکن اس عشرہ کی طاق تاریخوں میں سے ہوتی ہے یعنی طاق رات ہوتی ہے جیسے اکیسویں، تئیسویں،

پچیسویں، ستائیسویں، انتیسویں. یہ فیوض و برکات سے لبریز ہوتی ہیں اور جفت راتیں طاق راتوں سے فیوض و برکات حاصل کرتی ہیں لیکن دونوں جانب سے یعنی اگلی اور پچھلی رات سے. پس اس متبرک عشرہ کی ہر رات کو زندہ رکھنا چاہیئے۔

۱۵۸

۲۱ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ ــــ جمعۃ المبارک

کمترین اُس قبلۂ انام کے حضور حاضر ہوا. مرشدِ برحق نے فرمایا کہ علم الیقین دل کے اندر یقین کے پیدا ہونے کا نام ہے اور عین الیقین توجہ الی اللہ سے حاصل ہوتا ہے اور حق الیقین توجہ سے سالک کے اضمحلال و استہلاک میں ہے اور فقیر کے نزدیک صوفیہ کے سہ مقامات کا بیان یہی ہے۔

۱۵۹

۲۲ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ ــــ ہفتہ

حضور فیض گنجور میں حاضر ہوا. مرشدِ گرامی قدر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کیا بیان کروں جبکہ جس جگہ کی جانب توجہ کرتا ہوں تو اثر اس مقام سے ظاہر ہونے لگتا ہے بعدہٗ یہ شعر پڑھا۔

دو[۱] زبان داریم گویا ہمچو نے !
یک زبان پنہاں ست در لبہای وے

اور اسی مجلس میں آپ نے یہ شعر بھی پڑھا۔

مانند[۲] مرغاں باش ہاں بر بیضۂ دل پاسباں
گر بیضۂ دل زائدت مستی و شور و قہقہہ

---

[۱] بانسری کیطرح ہماری بھی دو زبانیں ہیں. ایک زبان اس کے ہونٹوں کے اندر چھپی ہوئی ہے۔

[۲] تو پرندوں کے مانند اپنے دل کے انڈے کا پاسبان ہو جا ورنہ دل کا انڈا بڑھ کر مستی، شور اور قہقہہ ہو جائیگا۔

۱۶۰

۲۳ رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ ـــــ اتوار

محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ ایک شخص نے خبر اِنَّمَا طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهٗ شَيْئٌ کے بارے میں پوچھا۔ مرشد برحق نے ارشاد فرمایا کہ یہ حدیث امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دلیل ہے کہ جب تک کہ اوصاف ثلاثہ کے اندر تبدیلی نہ آئے۔ دوسری حدیث قلتین ہے جس سے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دلیل پکڑتے ہیں۔ اس شخص نے گزارش کی کہ اوصاف ثلاثہ میں تبدیلی آنا کیا حدیث سے ثابت ہے۔ مرشد گرامی قدر نے فرمایا ہے کہ علماء جو کچھ فرماتے ہیں قرآن و حدیث ہی سے تو فرماتے ہیں اپنے گھر سے تو نہیں کہتے۔

۱۶۱

۲۴ رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ ـــــ پیر

محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشد برحق نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے شیخ الشیخ یعنی جناب شیخ محمد عابد رضی اللہ تعالیٰ عنہ رمضان المبارک کے مہینے میں لوگوں کو تعلیم طریقہ کی اجازت مرحمت فرمایا کرتے تھے میں نے بھی اپنا معمول یہی بنایا ہوا ہے۔ پس انشاء اللہ تعالیٰ اس مہینے کی ستائیس تاریخ کو میں چند لوگوں کو اجازت دوں گا۔ اس کے بعد چند ٹوپیاں تیار کرنے کا حکم فرمایا۔

یہ بھی فرمایا کہ خطرات اور آرزوں سے دل کا تصفیہ ہونے اور اخلاق ذمیمہ سے نفس کا تزکیہ ہونے کے بعد آدمی اجازت کے قابل ہو جاتا ہے لیکن اس بارے میں چند دیگر قیود بھی ہیں، (۱) بازاری آدمی نہ ہو ـــــ (۲) سوم چہلم وغیرہ میں نہ جاتا ہو ـــــ (۳) امیروں اور طریقے کے مخالفوں سے ملاقات نہ رکھتا ہو ـــــ (۴) صوفیہ کے دس مقامات اُسے حاصل ہوں یعنی صبر، توکل، قناعت وغیرہ۔

خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ فرماتے ہیں کہ غرض نسبت ایسی ہونی چاہیئے کہ پاس

بیٹھنے والوں کو گھبرا دے اور ان پر اثر انداز ہو جائے۔ ایسا شخص ہی طریقے کی اجازت کے قابل ہے ـــــــ اس کے بعد حضور پُر نور میں سماع اور اہلِ سماع کا ذکر آیا۔ کہ اس بارے میں طریقۂ چشتیہ اور طریقۂ سہروردیہ کا اتحاد و ارتباط ہے لیکن چشتیہ خاندان والے کہتے ہیں کہ طریقۂ سہروردیہ میں ہر چیز اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا سبب اور وسیلہ ہے ماسوائے سماع کے مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ شیخ الشیوخ خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۶۶۱ھ/۱۲۶۲ء) غزلیں سنا کرتے تھے ایک روز اس شعر پر:-

مستاں انچہ شراب ناب خوردند
از پہلوی دل کباب خوردند[1]

وجد میں آگئے اور حالت یہ ہو گئی کہ گویا جسم مبارک ہے ہی نہیں، صرف کپڑے ہیں جو لوٹتے اور تڑپتے ہیں۔ قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہ السامی

۱۶۲

۲۵ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ ـــــــ منگل

بندہ محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ حضور فیض گنجور میں مقامات ثلاثہ یعنی علم الیقین عین الیقین اور حق الیقین کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے ارشاد فرمایا کہ سالک کے دل سے انوار و اسرار مکشوف ہوں۔ یہ علم الیقین ہے اور عین الیقین یہ ہے کہ دل میں حضوری پیدا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک اللہ کی جانب نگرانی حاصل ہو جائے۔ چنانچہ جس طرح سر میں دو آنکھیں ہیں۔ اسی طرح ایک آنکھ دل میں پیدا کرے اور مقام کانّکَ تراہ سے حصہ چکھے۔ حق الیقین یہ ہے کہ اس حضوری میں اتنا مضمحل، مستہلک اور فانی ہو جائے

---

[1] دیوانوں نے جس قدر خالص شراب پی گویا اسی قدر پہلوئے دل سے کباب کھائے۔

کہ اس کے اندر اسم مبارک اللہ کا مفہوم پیدا ہونے لگے اور وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ موصوف (بلحاظ عکس) ہونے لگے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

۱۶۳

۲۶ رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ ——— بدھ

حضورِ والا میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ جو لوگ حق تعالیٰ کی طلب میں یہاں آئے ہوئے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ ہمیشہ ذکر، نگہداشت خواطر اور وقوف قلبی میں مشغول رہیں اور ایک لحظہ و لمحہ بھی توجہ الی اللہ سے غافل نہ رہیں۔ اپنے دن رات کے تمام اوقات کو آباد رکھیں۔ روزانہ قرآن کریم کے دو پارے پڑھیں اور صبح و شام سو سو بار سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰه پڑھیں اور سو بار کلمۂ توحید ——— سو بار تسبیح (سُبحان اللہ) ——— سو بار تحمید (الحمد للہ) پڑھیں۔ سوتے وقت ایک ہزار بار سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پہ درود بھیجیں اور صبح و شام اپنے پیرانِ کبار کی ارواح کے لئے فاتحہ پڑھیں اور حق تعالیٰ سے عاجزی کے ساتھ دُعا مانگیں کہ الٰہی! سورۂ فاتحہ کی برکت اور پیرانِ شجرہ کے واسطے سے جو تو نے اپنے ان خاص بندوں کو عنایت کیا وہ مجھے بھی عطا فرما ———
فقیر نے اپنے حالات پر مشتمل ایک درخواست آپ کی خدمت میں پیش کی تھی۔ اُس کی پشت پر آپ نے جو دستِ خاص سے رقم فرمایا اُسے تبرک کے طور پر پیش کرتا ہوں؛

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت سلامت! یہ بندۂ ناچیز اتنی لیاقت کہاں رکھتا ہے کہ کوئی شخص طریقہ کی طلب میں یہاں تشریف لائے۔ یہ ذات ستّار کی ستّاری اور عزیزوں کی عیب پوشی ہے کہ اس ناشائستہ کی جانب توجہ فرماتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ان سب کو بہتر جزا مرحمت فرمائے۔ یہ کمترین جو سگِ کوئے مجدد ہے، یہی چاہتا ہے کہ اُس

سرکار کے صاحبزادے اس بے رنگ اور بے کیف نسبت کو حاصل کرنے کے لئے یہاں تشریف نہ لائیں۔ بہر حال آنجناب کی تشریف آوری کو غنیمت شمار کرتا ہوں، لیکن کام آہستہ ہوتا ہے لہٰذا معذور سمجھیں اور پورے طریقے کی نسبت خدائے ذوالمنن سے طلب کرتے رہیں۔

۱۶۴

۲۷ رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ ــــــ جمعرات

محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے زبان گوہر فشاں سے ارشاد فرمایا کہ خواجہ حسام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خواجۂ بیرنگ (باقی باللہ) قدس سرہ العزیز نے تعلیم طریقہ کی اجازت دی لیکن انہوں نے قبول نہ کی اور عرض گزار ہوئے کہ مجھ سے یہ کام نہیں ہوگا۔ میں تو اس کام کی لیاقت ہی نہیں رکھتا۔ اس کے بعد مرشدِ گرامی قدر نے فرمایا کہ انہوں نے اچھا کیا۔ خواجہ حسام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سوچ درست تھی کہ اس کام کو قبول نہ کیا کیونکہ اس کے سبب آدمی خلوت سے محروم ہو جاتا ہے اور رات دن مخلوقِ خدا کے ساتھ مشغول رہنا پڑتا ہے

۱۶۵

۲۸ رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ ــــــ جمعۃ المبارک

حضور فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ مرشدِ گرامی قدر نے دوستوں سے گفتگو کی اور قرآنِ کریم و مثنوی مولانا روم کا درس دیا، جن کے دوران اپنی زبان گوہر فشاں سے حقائق بلند اور معارف ارجمند لٹائے اور سامعین کو نسبت شریفہ کی گہرائی میں غوطے دیئے۔ حق یہ ہے کہ آپ کا وجود فیض نمود اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہے۔

ذاتِ مبارک حضرت ایشاں مجدد مائۃ	مرشدِ برحق کی ذاتِ مبارک تیرھویں صدی
سیزدہم ست و ایضاً ملہم بمنصب	کی مجدد ہے۔ نیز الہام ہوا کہ منصب

قیومیت گردیدہ اند و خلفاء آنحضرت در اکثر اقالیم رسیدہ اند عالم از فیض و نسبت شریفہ مملو شدہ است زاد اللہ ارشادہ الی یوم القیامۃ۔ (ص - ۱۴۲)	قیومیت پہ فائز کئے گئے ہیں اور آپ کے خلفاء اکثر ممالک میں پہنچے۔ دنیا آپ کے فیض اور نسبت شریفہ سے بھری پڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت تک یہ ہدایت بڑھائے۔

۱۶۶

۲۹ رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ ــــ ہفتہ

محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ معارف مجددیہ بیان فرما رہے تھے جو بڑے ہی بلند پایہ ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ امت میں سے کسی نے یہ مقامات بیان نہیں فرمائے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ مقامات اور ان کے اسرار کے بارے میں اور اکابر متقدمین کے مکشوفات و مقامات میں ایسا اختلاف ہے جیسے یہ ترکیب واقع ہوئی ہے کہ اس میں سیبویہ اور اخفش کا اختلاف ہے۔

۱۶۷

عید الفطر ۱۲۳۱ھ ــــ اتوار

روزگانہ عید الفطر کے بعد یہ غلام حضور پرنور میں حاضر ہوا۔ حضرت ایشان قبلہ در دو جہان جن پہ میرا قلب و روح فدا ہے۔ انہوں نے اس نالائق راقم الحروف (حضرت شاہ رؤف احمد نقشبندی مجددی علیہ الرحمہ) کو کلاہ اور تعلیم طریقہ کی اجازت سے سرفراز فرمایا۔ سب سے پہلے پیران نقشبندیہ قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہم کی ارواح کے لئے فاتحہ پڑھی۔ اس کے بعد اکابر قادریہ کی ارواح کے لئے فاتحہ پڑھی گئی نور اللہ مرقدہم بعد ازاں مرشدان چشتیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی ارواح کے لئے اور تینوں طریقوں کی اجازت مرحمت فرما کر بہت دعائیں دیں اور ارشاد فرمایا کہ طریقہ انیقہ نقشبندیہ کے پیران

عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ارواح طیبہ کے لئے صبح و شام فاتحہ پڑھتے رہنا اور اُن حضرات سے مطلب طلب کرتے رہنا اور جو شخص بھی طریقہ طلب کرنے کی غرض سے تمہارے پاس آئے تو ان طریقوں میں سے جس طریقے کا وہ طالب ہو اسی طریقے کی اُسے تعلیم دینا۔ جو طریقۂ نقشبندیہ کا طالب ہو اُسے اسم ذات، نفی و اثبات اور وقوف قلبی کی تلقین کرنا اور طریقۂ قادریہ یا طریقۂ چشتیہ کے طالب کو تعلیم دینا کہ ذکر جہر متوسط کیا کرے کیونکہ طریقت میں مطلق ذکر جہر بدعت ہے لیکن میں نے اسے ذکر لسانی سے استنباط کیا ہے جس کی مرشدنا شہید نور اللہ مرقدہ المجید نے مجھے تعلیم فرمائی تھی اور سالک کے دل پر توجہ و ہمت ڈالتے رہنا۔ سب سے پہلے حصولِ ذکر کے لئے توجہ ڈالنا اور اس کے بعد حضوری و جذبات و واردات کے لئے ڈالتے ہیں۔

اس کے بعد جامع معقول و منقول، حاوی فروع و اصول یعنی جناب مولوی عظیم صاحب کو کلاہ اور طریقہ کی اجازت سے مشرف فرمایا ——— پھر شبیر غازی سمرقندی، اور خوجم قل سمرقندی کو اجازت سے بہرہ مند فرمایا (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) اور ان بزرگوں کے حق میں بڑی دعائیں کیں۔

خاتمۂ کتاب

یہاں شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وہ ملفوظات عالیہ پیش کیے گئے ہیں جو دن اور تاریخ کے ساتھ مقید نہیں ہیں۔ وباللہ التوفیق

۱۶۸

ایک روز مرشدِ برحق نے مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہ شعر پڑھے :۔

بادہ از ما ہست شد نی ما ازو	قالب از ما ہست شد نی ما ازو
ما چو زنبوریم قالب ہا چو موم	خانہ خانہ کرد قالب را چو موم
بادہ در جوشش گدائی جوشِ ما	چرخ در گردش گدای ہوشِ ما

مرشدِ گرامی قدر نے یہ بھی فرمایا کہ میری بیعت خاندان قادریہ میں ہے لیکن ذکر و شغل میں نے طریقہ نقشبندیہ کے مطابق کیا ہے اور طالبین کو بھی طریقہ نقشبندیہ کے مطابق راہِ سلوک طے کرواتا ہوں کیونکہ میں نقشبندیہ مجددیہ ہوں اور اکابر چشتیہ بھی میرے پیر ہیں۔ ان کے بعد جس طریقے (سلسلے) کے اکابر بھی قبول فرمائیں وہ میرے لئے باعثِ فخر اور نعمت عظمیٰ ہے
خاندانِ قادریہ کا ایک شخص آپ کی خدمت میں طریقہ انیقہ نقشبندیہ حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ حضرت خواجہ خواجگان، پیر پیران، خواجہ بہاء الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں کہ ہمارے طریقے میں سماع نہیں ہے ——— ہمارے طریقے میں ذکر جہر نہیں ہے ——— ہمارے طریقے میں وجد نہیں ہے ——— ہمارے طریقے میں تواجد نہیں ہے ——— اور ہمارے طریقے میں آہ و نعرہ نہیں ہے ——— ہمارے طریقے میں حضور و یاد داشت اور بے خطرگی ہے ——— حضور کا مطلب

طریقے میں ذکرِ جہر نہیں ہے ——— ہمارے طریقے میں وجد نہیں ہے ——— ہمارے طریقے میں تواجد نہیں ہے ——— اور ہمارے طریقے میں آہ و نعرہ نہیں ہے ——— ہمارے طریقے میں حضور و یادداشت اور بے خطرگی ہے ——— حضور کا مطلب اسمِ مبارک اللہ کے مفہوم کی جانب دِل کی نگرانی کرنا ہے چنانچہ جس طرح سر کی دُو آنکھیں ہیں اسی طرح ایک آنکھ دِل میں پیدا ہو جائے جو محبوبِ حقیقی کے نظارۂ جمال میں حیران رہے۔

اس کے بعد اس شخص نے مردِ حق آگاہ، مجاہد فی سبیل اللہ، فانی فی اللہ، محبوبِ الٰہی حضرت مولانا شاہ درگاہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر آپ کے حضور شروع کر دیا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ وہ ان کے پیر تھے اور دستِ مبارک سے میری جانب اشارہ کیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں رامپور گیا تھا لیکن ان سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ ان کے مرشد اولیائے حقانی سے تھے گرمیوں کے دن تھے کہ میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے مجھے تربوز عنایت فرمایا۔ میں نے کہا کہ میں تو آپ کے پاس محبت کی گرمی کے لئے آیا ہوں اور حرارتِ محبت کی طلب رکھتا ہوں۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ اس جگہ اپنی بیعت کا حال بیان کر دینا مناسب ہے اور وہ اختصار کے ساتھ یوں ہے کہ یہ ناچیز لڑکپن میں جب بلوغت کے قریب پہنچا تو ارادت کے ہاتھ سے اُن (حضرت شاہ درگاہی) کے دامن کو پکڑ لیا۔ عقیدت اور کمال محبت کیساتھ خاندانِ قادریہ مجددیہ میں ان کے دستِ مبارک پر بیعت ہوا اور کمرِ ہمت باندھ کر کم و بیش بارہ سال حضور فیض گنجور میں عمر گزاری اور طریقہ جنیدیہ کے مطابق جو ان کی خانقاہ کا معمول تھا، اپنی طاقت اور امکان کے مطابق ریاضت و مجاہدہ کرتا رہا اور ان کی توجہ سے ذوق و شوق، استغراق و بیخودی، آہ و نعرہ، توحید وجودی کے اسرار اور قلبی ولایت کے دوسرے حالات حاصل ہو گئے۔ خرقۂ خلافت سے نوازا گیا اور طریقۂ قادریہ، نقشبندیہ،

چشتیہ، سہروردیہ، کبرویہ اور مداریہ کی اجازت سے مشرف فرمایا گیا اور چند حضرات کو احقر نے داخلِ سلسلہ بھی کیا۔

آنجناب (حضرت شاہ درگاہی علیہ الرحمہ) کے وصال کے بعد طلب کا شعلہ بھڑک اٹھا اور آتشِ عشق دوچند ہو گئی۔ وجہ یہ تھی کہ مذکورہ جملہ احوال لطیفۂ قلب کے احوال ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے نہایت ہے اور اس کی راہ کا کوئی کنارا نہیں ہے۔ پس ایسے شخص کا تلاش کرنا ضروری ہے جس کی توجہ کے باعث مزید ترقی ہو۔ میں نے چاہا کہ طریقۂ مجددیہ کے خلفاء میں سے کوئی ایسا شخص مل جائے جو پوری طرح طریقۂ مجددیہ رکھتا ہو تاکہ اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اس شرف والی نسبت کو مکمل کروں اور درجۂ کمال تک پہنچاؤں۔ چنانچہ عنایت الٰہی سے جو کچھ میں چاہتا تھا وہ میں نے پالیا اور مصداقِ حضرت مرزا شہید نور اللہ مرقدہ المجید:

اے برائی سجدۂ عشق آستانی یافتم
سر زمینی بود منظور آسمانی یافتم[1]

توفیق مرحمت فرمانے والی ذات نے مجھے مرشدِ برحق (شاہ غلام علی دہلوی علیہ الرحمہ) کی بارگاہ میں پہنچا دیا اور جو دلی مراد تھی وہ خدائے ذوالمنن نے مرشدِ کامل کے ذریعے پوری فرما دی۔ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا کی ہدایت کے لئے قائم و دائم رکھے۔

مرشدِ برحق نے ابتداء میں مراقبۂ احدیت صرفہ کے ذریعے راہِ سلوک طے کرنے کے لئے فرمایا اور خاندان نقشبندیہ مجددیہ میں ان کے ہاتھ پر بیعت ہو گیا۔ مرشدِ گرامی قدر نے فرمایا کہ اسم ذات (اللہ) سے جذب پیدا ہوتا ہے اور نفی و اثبات سے سلوک میسر آتا ہے جو تہذیبِ اخلاق کا نام ہے اور مراقبات کے ذریعے باطنی نسبت میں قوت پیدا ہوتی ہے اور قرآن مجید کی تلاوت سے انوار زیادہ ہونے میں اور درود شریف پڑھنے سے سالک کو سچے

---

[1] سجدۂ عشق کے لئے مجھے آستانے کی ضرورت تھی، میں زمین ڈھونڈتا تھا لیکن مجھے آسمان مل گیا ہے۔

خواب اور حقیقی واقعات پیش آتے ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ اذکار و اشغال اور مراقبے کرنا مقربین کا طریقہ ہے اور کثرت سے نماز و نوافل پڑھنا ابرار کا راستہ ہے جیسا کہ حضرت نظام الدین اولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے۔

یہ بھی فرمایا کہ کھانا بسم اللہ سے شروع کرنا مسنون ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور کھانا رکھا جاتا تو آپ بسم اللہ کہتے اور فرمایا ہے جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اسے چاہیئے کہ بسم اللہ کہے، اگر بسم اللہ کہنا بھول جائے تو یوں کہے ،، بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلِہٖ وَاٰخِرِہٖ۔ اس کو مسند احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے ——— اور فرمان رسالت ہے کہ جس کھانے پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے وہ شیطان کے لئے حلال ہو جاتا ہے۔ اس کی مسند احمد اور مسلم نے روایت کی ہے ——— ایک مرتبہ لوگ بارگاہِ رسالت میں عرض گذار ہوئے کہ یا رسول اللہ! ہم کھانا کھاتے ہیں لیکن سیر نہیں ہوتے۔ فرمایا شاید تم علیحدہ علیحدہ کھانا کھاتے ہو۔ جواب دیا۔ ہاں ایسا ہی ہے۔ فرمایا مل جل کر کھانا کھایا کرو اور اس پر بسم اللہ پڑھ لیا کرو۔ اس کو مسند احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اس جگہ بسم اللہ پڑھنے سے حق سبحانہٗ تعالیٰ کے نام سے مدد طلب کی جاتی ہے کہ کھانے سے شہوانی اور نفسانی قوت پیدا نہ ہو بلکہ ایسی توانائی پیدا ہو جو عبادت میں کام آئے اور اطاعت کی قوت پیدا کرے۔ یہ بھی فرمایا کہ فقراء ہر لقمہ کے شروع میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد اللہ کہتے ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ دوستوں کے ساتھ مل جل کر کھانا زیادہ برکت دیتا ہے اور اس صورت میں چاہیئے کہ ہر ایک دوسرے پر ایثار کرے اور جو چیز زیادہ اچھی ہو وہ دوسرے کو کھلائے۔ یہ نہ ہو کہ بہتر چیز آپ کھائے یا حرص کے تحت دوسروں سے زیادہ کھا جائے۔

منقول ہے کہ ایک آدمی نے کسی شخص کو بغداد کے بازار میں دلالوں کے اندر دیکھا

کہ وہ بھی دلالی کرتا ہے۔ پوچھا کہ میں نے تو آپ کو فلاں شہر میں دیکھا تھا کہ آپ زاہد تھے۔ آپ کے ساتھ کیا واقعہ گزرا ہے کہ یہاں تک پہنچے اور اس مصیبت میں مبتلا ہوئے۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے ایک روز مچھلی پکائی اور چاہا کہ اس کا اچھا حصہ میں کھاؤں اور باقی حصے دوسروں کو دوں۔ اس خیال سے مجھ پہ یہ وبال آیا ہے کہ یہاں آیا اور اس مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔

یہ بھی فرمایا کہ کھانا تین انگلیوں سے کھانا چاہیئے کہ مسنون ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے وکان یاکل بثلث اصابع ویلعقھن اذا فرغ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تین انگلیوں سے کھانا کھاتے تھے اور کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹ لیتے تھے۔ اسے بزاز نے روایت کیا ہے ——— وقال ان یلعق الاصابع برکۃ یعنی اگر انگلیوں کو چاٹا جائے تو اس میں برکت ہے۔ اس کی طبرانی نے روایت کی ہے ——— یہ بھی فرمایا کہ برکت کا معنی بڑھنا ہے اور اس جگہ توفیق کی زیادتی مراد ہے کہ اس کھانے کے ذریعے عبادت و اطاعت کی زیادہ توفیق ملے گی۔

یہ بھی فرمایا کہ جو یہ چاہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت زیادہ ہو جائے تو اُسے چاہیئے کہ احادیث پر عمل کرے اور جو جزئی مسائل احادیث میں نہیں ملتے اُن میں اس مذہب کے مطابق عمل کرے جو وہ رکھتا ہے یعنی اگر حنفی ہے تو مسائل حنفیہ کے مطابق عمل کرے اور اگر شافعی ہے تو مسائل شافعیہ کے مطابق اور ایسا نہ ہو کہ اس کے مذہب میں کوئی مسئلہ خواہ حدیث صحیح کے مخالف ہی کیوں نہ ہو، اُسی پر عمل کرتا رہے اور کہے جیسا کہ بعض عوام الناس کہتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد اسی مذہب پہ تھے، ہم اس کے خلاف کیوں کریں۔ حالانکہ جاننا چاہیئے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت پر مامور ہیں نہ کہ ان مذاہب میں سے کسی مذہب کی متابعت پر، پس جو مسئلہ حدیث کے مطابق ہو اس پر عمل کرنا چاہیئے اور جو حدیث کے مخالف ہو اس کی پیروی نہیں کرنی چاہیئے اور جزئی مسائل

ہیں مذہب حنفی کی پیروی اولیٰ ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ ایک مرتبہ خواجہ باقی باللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام کے پیچھے فاتحہ پڑھ رہے تھے کہ حضرت امام ابو حنیفہ کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کو دیکھا کہ فرماتے ہیں۔ کہ ہمارے مذہب میں بڑے اولیاء کبار اور صوفیائے ذوی الاقتدار ہوئے ہیں لیکن وہ جملہ حضرات امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ احادیث پر عمل کرنا اس وقت ہے جب کوئی شخص علم حدیث میں مہارت تامہ رکھتا ہو ورنہ مذہب کا اتباع کرنا ضروری ہے اور مذہب حنفیہ کی پیروی اختیار کرنا بہتر ہے کہ جم غفیر اسی پر ہے اور امت محمدیہ کا تین چوتھائی اسی مذہب پر ہے اور باقی ایک چوتھائی دوسرے تین مذاہب پر۔ چنانچہ ثقہ حضرات اور دوسرے ممالک کے لوگوں مثل روم وغیرہ کے معلوم کرنے سے یہی بات معلوم ہوتی ہے جبکہ وہ یہاں آتے ہیں اور اس مذہب کے اتباع کی یہ بھی دلیل ہے کہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی اور حضرتین (خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اسی مذہب پر ہوئے ہیں اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید نور اللہ مرقدہ المجید نے علم حدیث میں سند جید رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو حنفی المذہب لکھا ہے ——— یہ بھی فرمایا کہ لوگوں نے اس شعر سے عین وجود کا غلط مطلب سمجھا ہے:۔

ہرچہ[1] پیش تو پیش ازیں رہ نیست
غایت فہم تست اللہ نیست

یعنی وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ تیرے سامنے ہے اور جو تیرے فہم وادراک میں آتا ہے۔ مقصود حقیقی وہی ہے اور اس سے آگے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ اور جو کچھ تیرے فہم میں ہے اس سے پہلے جو مقصود ہے، وہ اللہ نہیں ہے ——— حالانکہ اس شعر کا مطلب

---

[1] جو کچھ تیرے سامنے ہے کیا اس سے آگے راہ نہیں ہے؟ یہ تیرے فہم کی انتہا ہے اللہ تو نہیں ہے۔

تو یہ ہے کہ تو جو یہ سمجھا ہے کہ جو کچھ تیرے فہم میں ہے، اُس سے آگے کوئی راستہ ہی نہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف تیرے فہم کی حد ہے اور اللہ جلّ مجدہٗ کی ذات تو تیرے فہم سے وراء بلکہ وراء الوراء ہے۔

یہ بھی فرمایا کہ حدیث شریف میں جو یہ آیا ہے کہ مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ فَلَیْسَ مِنَّا۔ یہاں غنا سے قلبی غنا مراد ہے یعنی جو قرآنِ کریم کے ذریعے ما سوا سے مستغنی نہ ہو وہ ہم میں سے نہیں ہے ———— یہ بھی فرمایا، حدیث شریف میں آیا ہے کہ کھانے پینے کے بعد یہ دُعا پڑھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ[1] یہ اِس وجہ سے ہے کہ اسلام اللہ جلّ شانہٗ کی بہت بڑی نعمتوں میں سے ہے۔ پس اس نعمتِ عظمیٰ کے ذریعے اس کا شکر بطریقِ اَولیٰ ادا کرنا چاہیئے ———— اور فرمایا کہ صوفیہ کا قول ہے کہ زمانہ ایک دِن ہے اور ہمارے لیئے اس دِن کا روزہ ہے

یہ بھی فرمایا کہ مقاماتِ صوفیہ کے کمال کی انتہا ذوق و شوق اور توحیدِ وجودی کا منکشف ہونا ہے اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ تجلّی ذاتی برقی ہو جاتی ہے، چنانچہ کہا ہے۔

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی[2]
بازارِ خویش و آتشِ خود تیز می کنی

لیکن خاندانِ عالی شان نقشبندیہ مجددیہ کا کمال دائمی تجلّی ذاتی ہے جو سالک کو کمالات کے وقت حاصل ہوتی ہے ———— مرشدِ گرامی قدر نے یہ شعر بھی پڑھا۔

کار کن کار، بگذار گفتار[3]
کہ بجز کار ہیچ ناید کار

---

[1] اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔

[2] تو اپنا جلوہ بھی دکھاتا ہے اور (سامنے آنے سے) پرہیز بھی کرتا ہے (یوں) اپنے بازار کو گرم اور ہماری آگ کو تیز کرتا ہے

[3] کام کر اور باتیں بنانا چھوڑ دے کیونکہ کام کے سوا کوئی چیز کام نہیں آئے گی۔

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ خرقہ کی تین قسمیں ہیں :۔

اوّل : خرقۂ بیعت کہ مرید کرتے وقت شیخ عنایت کرتا ہے۔ مرید کو یہ خرقہ دوسری جگہ جائز نہیں ہے ۔

دوم : خرقہ تبرک ہے اور اس کا متعدد مقامات سے حاصل کرنا روا ہے ۔

سوم : خرقۂ اجازت ہے۔ یہ بھی متعدد شیوخ سے لینا جائز ہے ۔

مرشدِ گرامی قدر نے یہ رباعی بھی پڑھی :۔

آنی تو کہ بے تو زیستن نتوانم[1] | دانی تو کہ بے تو زیستن نتوانم
فی الجملہ اگر نہ بینمت می میرم | جانی تو کہ بے تو زیستن نتوانم

اور مرشدِ برحق نے یہ اشعار بھی پڑھے :۔

ناقص ست ار مددی کشتہ بقاتل نہ رسد[2] | سینہ بر خنجر اُو زن کہ شہادت اینست
من و شوخی کہ استیلاء حسنش در صفِ محشر | شکایت شکر سازد بہ زبانہا دادخواہاں را
نہفتہ دِل چہا نمی خواہد | آرزو باخدا نصیب کند
کسی نماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی | مگر تو زندہ کنی خلق را و باز کشی
از قتلِ من مترس کہ دیوانیانِ حشر | مجرم کنند بہرِ تو صد بے گناہ را

---

[1] تُو وہ ہے کہ تیرے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ تو جانتا ہے کہ تیرے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔
حقیقت ہے کہ اگر تجھے نہ دیکھوں تو مرتا ہوں۔ تو جانتا ہے کہ تیرے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔

[2] مقتول ناقص ہے اگر اس کی مدد قاتل کو نہ پہنچے۔ اس کے خنجر پہ سینہ رکھ دے کیونکہ شہادت یہی ہے۔
میں اور وہ شوخ کہ جس کے حسن کا غلبہ محشر کی صف میں داد خواہوں کی زبان پر شکایت کو شکر بنا دیتا ہے۔
خفیہ طور پہ دِل کیا خواہش نہیں کرتا ۔ باخدا ہونے کی آرزو پوری ہو جائے ۔
کوئی زندہ نہ رہا جسے تو تیغِ ناز سے قتل کرے۔ مگر یہ کیا مخلوق کو زندہ کر کے پھر قتل کرے ۔
میرے قتل کرنے سے نہ ڈر کیونکہ محشر کے محاسب تیری جگہ سیکڑوں بے گناہوں کو مجرم قرار دیدیں گے۔

۱۶۹

ایک روز مجلس شریف میں اقطاب کا ذکر آیا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ کارخانۂ ہستی اور اس کے ماتحت جتنی چیزیں ہیں ان کے اجراء کا کام اللہ تعالیٰ قطبِ مدار کو عطا فرماتا ہے اور رشد و ہدایت کی ذمہ داری نیز گمراہوں کو ہدایت دینا قطبِ ارشاد کے سپرد کیا جاتا ہے ——— اس کے بعد فرمایا کہ حضرت بدیع الدین شاہ مدار قدس سرہ قطبِ مدار تھے اور بڑی شان کے مالک تھے۔ انہوں نے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! مجھے بھوک نہ لگے اور میرا لباس پرانا نہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس دعا کے بعد باقی تمام عمر میں انہوں نے کھانا نہیں کھایا اور ان کا لباس پرانا نہ ہوا بلکہ اسی لباس نے وصال تک کفایت کی۔

۱۷۰

ایک روز مرشدِ برحق نے فرمایا کہ بعض بزرگانِ دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اقوال کا نام شریعت ہے۔ آپ کے احوال کو طریقت کہتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہی مقصود ہو جائیں۔ لیکن حضرت مجدد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے نزدیک شریعت کا مقام آخری دونوں چیزوں سے اعلیٰ ہے۔ شریعت کی جانب اڑنے کے لئے طریقت و حقیقت دو پر و بال ہیں جن کے ذریعے اڑا جاتا ہے۔ طریقت و حقیقت دونوں صفاتی تجلّی سے نشو و نما حاصل کرتی ہیں جبکہ شریعت کی نشو و نما ذاتی تجلّی سے ہوتی ہے۔

۱۷۱

ایک روز حضور پرنور میں حضرت مجدد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے مکتوبات قدسی

آیات کا ذکر آیا تو مرشدِ برحق نے فرمایا کہ تمام اولیائے امت کے معارف اِن کے کلام میں مندرج ہیں اور جو معارف ان کے ساتھ مخصوص ہیں وہ اولیائے کرام میں سے کسی کے کلام میں بھی نہیں پائے جاتے۔

یہ بھی فرمایا کہ ایک روز میں مکتوبات شریف کا مطالعہ کرنے کی غرض سے اِن کی جانب متوجہ ہُوا تو فوق الفوق سے مجھ پہ ایک فیض فائز ہونے لگا۔ اس کے بعد جب حضرت شاہ ولی اللہ[1] رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام کی جانب بغرضِ مطالعہ متوجہ ہُوا تو ملکوت کے اسرار دِل پر وارد ہوئے اور احیاء العلوم کا مطالعہ کیا تو ملکوت کے فیض دِل میں آنے لگے۔

۱۷۲

ایک روز کسی شخص نے آپ کے سامنے یہ کہا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تمام اولیائے ہند کے برابر ہیں تو مرشدِ برحق نے تبسم فرمایا اور فرمانے لگے کہ تمام اولیائے زمین کے برابر —— مرشد گرامی قدر نے یہ بھی فرمایا کہ ایک روز مَیں نے بُو علی سینا کی کتاب کے تقریباً ایک صفحے کا مطالعہ کیا کہ میرے دِل پہ ایک ظلمت چھانے لگی۔ مَیں نے کلمۂ شہادت پڑھا اور اس کا ازالہ کیا —— مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ ا

---

[1] آپ کا اسم گرامی قطب الدین احمد ہے لیکن ولی اللہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۳ء کو مظفر نگر (یو۔پی) کے قصبہ پھلت میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان علمی و روحانی حیثیت سے امتیازی مقام رکھتا تھا۔ اپنے والدِ محترم شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۱۳۱ھ) سے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں خلافت پائی۔ علم وفضل میں خوب نام پیدا کیا۔ گرانقدر تصانیف اور اولادِ امجاد کو باقیات صالحات میں چھوڑا۔ افسوس! حالات کی ستم ظریفی کہ جو گھرانہ متحدہ ہندستان میں دین کی بڑھ چڑھ کر خدمت کر رہا تھا وہابیت کی علمبرداری بھی اسی گھر کے حصے میں آئی۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ۱۱۷۶ھ میں وصال ہُوا۔

حضرت شیخ مجدد قلم ربانی اند۔ (ص۔ ۸۴۹) | حضرت شیخ مجدد اللہ تعالیٰ کی قلم ہیں۔

مرشدِ کامل نے فرمایا کہ ابو سعید اپنے پہلے پیر سے اپنی چشتیہ نسبت لے کر آئے تھے اور اپنے ہاتھ کی دو انگلیوں سے اشارا کیا اور رؤف اتنی نسبت چشتیہ لے کر آئے اور اپنی تین انگلیاں کے ساتھ اشارا کیا اور پھر فرمایا کہ شاید رؤف میں ان سے زیادہ ہو۔

۱۷۳

ایک روز بوقتِ خلافت عمامہ باندھنے اور خرقہ پہنانے کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ عمامہ عنایت کرنا حدیث سے ثابت ہے چنانچہ طبرانی میں روایت آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کسی کو والی (گورنر) نہیں بناتے تھے مگر اس کے سر پر عمامہ باندھتے اور دائیں جانب تک شملہ لٹکا دیتے تھے ــــــ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابن ابی شیبہ میں روایت وارد ہے کہ غدیر کے روز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سر پہ عمامہ باندھا تھا اور اس کا شملہ پیچھے کی جانب لٹکایا تھا بنا نہ اور ابی یعلی الموصلی سے روایت وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۳۲ھ / ۶۵۲ء) کے سر پہ عمامہ باندھا اور شملہ پیچھے کی جانب چار انگشت یا بالشت کے قریب رکھا اور فرمایا کہ یہ طریقہ معرب سے زیادہ قریب اور احسن ہے۔

۱۷۴

ایک روز حضور پُرنور میں یہ راقم سطور عرض گزار ہوا کہ رامپور سے خط آیا ہے، جس کے ذریعے معلوم ہوا کہ بندہ کے رہائشی مکان کی دیوار بارشوں کی زیادتی کے باعث گر گئی

ہے۔ مرشدِ برحق نے فرمایا الحمدللہ کہ تمہارا ظاہر و باطن فانی ہوگیا۔ یہاں تمہارے وجود کو فنا حاصل ہے اور وہاں تمہارے مکان کو۔

۱۷۵

ایک روز حضور فیض گنجور میں لقمہ کی احتیاط کا ذکر آیا۔ مرشدِ کامل نے فرمایا کہ میں کسی کے گھر کا کھانا نہیں کھاتا۔ ایک روز اتفاق سے چند لقمے کھالیے تھے تو عالمِ مشاہدہ میں حضرت مرشدی و مولائی شہید نور اللہ مرقدہ المجید کی روحِ طیب کو دیکھا کہ آپ قے کر رہے ہیں پھر بندہ کی جانب مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ ہر کس و ناکس کے گھر کا کھانا نہیں کھانا چاہیئے لقمہ کے بارے میں احتیاط ضروری ہے کیونکہ یہ درویشی کے لوازمات سے ہے۔

۱۷۶

ایک روز مرشدِ برحق نے فرمایا کہ میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزارِ پُر انوار پر حاضر ہوا۔ حضرت خواجہ مزارِ مبارک سے باہر نکلے۔ ایک دو قدم میری جانب بڑھے، مجھ سے معانقہ فرمایا اور مجھ پہ بڑی شفقت فرمائی۔ —— یہ بھی فرمایا کہ ایک روز میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزارِ مبارک پر گیا حضرت نظام الدین اپنے مزار سے باہر تشریف فرما ہوئے۔ میں عرض گزار ہوا کہ میرے بدن پر توجہ فرمایئے۔ ابھی لفظ بدن پورا نہیں ہوا تھا بلکہ حرف ب اور د ہی ادا ہوئے تھے کہ انہوں نے پوری قوت کے ساتھ توجہ فرمادی۔

۱۷۷

ایک روز کوئی شخص خاندانِ نقشبندیہ میں بیعت ہوا۔ مرشدِ گرامی قدر نے فرمایا

کہ ہمارے امام طریقت یعنی خواجۂ خواجگان، خواجہ بہاءالدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے طریقے میں مجاہدہ نہیں ہے، ہم ذکر جہر نہیں کرتے، چلّے کاٹنے نہیں بیٹھتے۔ سماع نہیں سنتے کہ بدعت ہے ——— اس کے بعد فرمایا کہ چلّہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے اور ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چلّہ کاٹا تھا لیکن ایک حدیث شریف سے چلّے کا مفہوم برآمد ہوتا ہے کہ :——— مَنْ اخلص اللّٰہ اربعین صباحًا ظھرت من قلبہ ینابیع الحکمۃ (جس شخص نے چالیس دن اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص کے ساتھ گزارے اس کے دل سے حکمت چشمے پھوٹ نکلتے ہیں۔

راقم (شاہ رؤف احمد مجدّدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) لکھتا ہے کہ صاحب فتوح الاوراد نے دوسری حدیث بھی نقل کی ہے، جو یہ ہے :——— من انقطع الی اللّٰہ اربعین صباحًا مخلصًا متعاھدًا لنفسہ لخفۃ المعدۃ یفتح اللّٰہ علیہ علوم الدینیۃ۔ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے چالیس روز اخلاص کے ساتھ گزارے اور اپنے نفس سے معاہدہ کرے کہ معدہ کو ہلکا رکھے گا۔ (یعنی برائے نام کھائے گا) تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دینی علوم (کا دروازہ) کھول دے گا۔ اخلص اللّٰہ اور انقطع الی اللّٰہ کے الفاظ سے اس جانب اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے اخلاص اور انقطاع اصول کا (بنیادی) درجہ رکھتے ہیں مرشد برحق نے اس حدیث کا ذکر نہیں فرمایا تھا۔ شاید یہ ضعیف ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس کے بعد مرشد کامل نے فرمایا کہ بزرگان چشت اہل بہشت کے وصایا میں چلّے کی قید وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا ہے کہ سالانہ ایک چلّہ کاٹنا چاہیئے۔ اور ہر کسی کے گھر کا کھانا نہ کھائیں اور ہر ایک کو کھانا کھلائیں، فاقے کی رات کو اپنی معراج سمجھیں۔ قرض نہ لیں، اپنے مشائخ کے عرس کریں۔ اور اپنے مشائخ کی رعایت کے باعث اُن

کے قرابت دلروں کا احترام و اکرام کریں۔

۱۷۸

ایک روز حضورِ پرنور میں رویتِ باری تعالیٰ کا ذکر آیا۔ مرشدِ گرامی قدر نے فرمایا۔ کہ علمائے کرام نے لکھا ہے کہ جنت میں اہلِ ایمان کو ہفتے میں ایک بار اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا کرے گا لیکن جو حضرات روزانہ صبح و شام مراقبہ کرتے ہیں اور حضورِ مع اللہ کی دولت سے مالا مال ہیں انہیں دو دفعہ یعنی ہر روز صبح و شام دیدارِ باری تعالیٰ کا شرف حاصل ہوا کرے گا اس کے بعد مرشدِ کامل نے فرمایا کہ جس کو اس دنیا میں قلب کی حضوری و آگاہی دائمی طور پر حاصل ہو گئی ہے ان کے بارے میں یہ اُمید ہے کہ انہیں دائمی دیدار سے نوازا جائیگا۔

۱۷۹

مرشدِ گرامی قدر نے پیر کے روز ۱۲، ذیقعد ۱۲۳۱ھ کو اس غلام (شاہ رؤف احمد مجددی علیہ الرحمہ) پر عناصرِ ثلاثہ کی توجہ فرمائی اور اسم مبارک الباطن کا مراقبہ تلقین فرمایا۔

۱۸۰

ایک روز حضورِ فیض گنجور میں حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ذکر آیا مرشدِ برحق نے فرمایا کہ جو کمال یہ رکھتے تھے امت میں ایسا باکمال دوسرا نظر نہیں آتا۔ ایک روز یہ حضرت خضر علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملے۔ انہوں نے فصاحت بیانی، سخن طرازی، نکتہ سنجی اور شعر گوئی کی ان سے استدعا کی۔ چنانچہ حضرت خضر علیہ السّلام نے جواب دیا کہ یہ کمال تو مجھ سے شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لے لیا۔ یہ غمگین و پریشان

اپنے مرشدِ کامل یعنی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ نے افسردگی کا سبب پوچھا تو انہوں نے سارا ماجرا کہہ سنایا حضرت نظام الدین اولیاء نور اللہ مرقدہ نے نگاہ عنایت سے اپنی زبان مبارک اُن کے منہ میں ڈالی اور انہوں نے زبان کا لعاب چوس لیا۔ (بس پھر کیا تھا) اللہ تعالیٰ نے انہیں شکرستانِ سخنوری کا طوطیٔ فصاحت بیاں اور گلستانِ نکتہ سنجی کا بلبلِ ہزار داستان بنا دیا۔ اس کے بعد مرشدِ برحق نے یہ شعر پڑھا۔

منکشف سلاسل زلف نما بر لسنہ الصبا
فتراک دستہ سنبل دا کردہ فی دامانہ

۱۸۱

ایک روز حضورِ عالی میں نفس رحمانی کا ذکر آیا۔ مرشدِ کامل نے فرمایا کہ سالک پر جو نفحات الٰہیہ وارد ہوتے ہیں، انہیں نفسِ رحمانی سے تعبیر کیا جاتا ہے ——— ایک شخص بارگاہِ مرشد میں عرض گذار ہوا کہ برد یقین کیا چیز ہوتی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ایک مقام ہے جو کمالات نبوت کے دوران حاصل ہوتا ہے اور اس کا معنی ٹھنڈک ہے یعنی اس مقام پہ یقین کی ٹھنڈک اور راحت حاصل ہوتی ہے اور محتاجِ استدلال چیزیں کشفی ہو جاتی ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے عقیدے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی رسالت نیز قیامت کا آنا، منکر نکیر کے سوالات، صراط، میزان اور جنت و دوزخ وغیرہ دلائل سے ثابت ہیں لیکن یہاں حجت و برہان کی ضرورت نہیں رہتی اور یقین خود ہی دلائل و براہین کا مرتبہ حاصل کر جاتا ہے۔ اسی کو اس خاندانِ عالی شان نقشبندیہ مجددیہ امیں بردِ یقین کا نام دیتے ہیں۔

۱۸۲

ایک روز حضور فیض گنجور میں ذکر آیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس میں رحمت کے فرشتوں کا نزول نہیں ہوتا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ صوفیہ علمِ اعتبار رکھتے ہیں اور ہر ایک آیت اور حدیث سے عبرت حاصل کرتے ہیں اسے لئے اس کو اپنے مقصد کے مطابق ڈھالتے اور اسے اپنے مدعا پر دلیل بناتے ہیں۔ پس میں بھی اس حدیث کا اپنے طور پر یہ مطلب لیتا ہوں کہ جس خانۂ دل میں حرص کا کتا یا ماسوی اللہ کی تصویر ہو اس پہ رحمتِ الٰہی کا فیض نازل نہیں ہوگا اور نہ اللہ تعالیٰ کے انوار کا ورود ہوگا۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا :۔

اوّل[1] بروب خانہ دگر میہماں طلب
آئینہ شو وصال پری طلعتاں طلب

۱۸۳

ایک روز آپ کے اخلاص مندوں میں سے ایک شخص فوت ہوگیا اور اسے خانقاہ میں دفن کیا گیا۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ جو شخص یہاں دفن ہوگا جب تک وہ بخشا نہ جائے میں بارگاہِ خداوندی میں اس کی مغفرت کے لئے عرض گزار ہی رہوں گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ قبل ازیں یہاں ایک عورت کو دفن کیا گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ آگ کے شعلے اس کی قبر سے نکل رہے ہیں۔ میں نے اس کے سر کی جانب کھڑے ہو کر توجہ اور ہمت کی نیز ایک ہزار کلمہ طیبہ کا ثواب اس کے لئے بخشا۔ پھر مشاہدہ کیا کہ اس کی قبر میں سر کی جانب سے آبِ رحمت اٹھا اور پوری قبر

---

[1] پہلے گھر کی صفائی کرو اور مہمان کو اس کے بعد بلاؤ۔ پری جیسی خوبصورت ہستیوں کے وصال کی خاطر آئینہ جیسے بنو۔

زندگی سنوار اور نورانی ہو گئی ۔

۱۸۴

ایک روز مرشدِ کامل نے فرمایا کہ جو شخص آدھی رات کے بعد ہزار بار "یارب یارب" کہے اس کی ہر مشکل آسان ہو جائے گی خواہ کسی قسم کی ہو۔ جو مانگے وہی پائے گا اور جو دعا کرے قبول ہو گی ـــــــــ یہ بھی فرمایا کہ :

شبے گفتم یا رسول اللہ ، آوازِ لبیک شنیدم۔ و روزے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مرا عبد اللہ فرمودند۔ روزے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مرا مژدہ دادند کہ تو عبدِ مومن ہستی ، حق تعالیٰ چنیں فرماید۔ (ص ۔ ۱۸۱ ، ۱۸۲)	ایک رات میں نے کہا ، یا رسول اللہ ! میں نے لبیک کی آواز سنی ، ایک روز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے عبد اللہ کہا ۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز مجھے خوشخبری سنائی کہ تو عبدِ مومن ہے ۔ چنانچہ حق تعالیٰ ایسا ہی فرماتا ہے ۔

۱۸۵

ایک روز حضورِ والا میں حضرت ماموں صاحب اور خاندانِ مجددیہ کے سراج ، دودمانِ احمدیہ کے چراغ ، بارگاہِ خداوندی کے مقبول یعنی حضرت شاہ سراج احمد نور اللہ مرقدہٗ کا ذکر آیا۔ مرشدِ کامل نے اُن کی شان میں فرمایا کہ سبحان اللہ ! ان کی ذات کے کیا کہنے وہ ہمارے لئے باعثِ فخر تھے ۔ اگرچہ نسبت فقط دِل میں رکھتے تھے لیکن مقربین بارگاہ الٰہیہ سے تھے اور قرب کی راہ اسی طریقے پر منحصر نہیں ہے جس کے ذریعے طالبین کو راہِ سلوک طے کروائی جاتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی جانب جانے کے اتنے راستے ہیں جن کا کوئی

شمار نہیں ہے۔

اس کے بعد ایک حکایت بیان فرمائی کہ کوئی عارف تھا جو اپنے استاد کی وفات کے بعد اس کے مزار پہ گیا اور وہاں بیٹھ کر توجہ اور انوار کا القا کرنے لگا کہ استاد کی وفات کے بعد اس کا حق ادا کروں اور قبر میں مردے کو نسبت سے منوّر کردوں۔ اس کا استاد مزار سے باہر آگیا اور بہت ناراض ہو کر کہا کہ اے کمینے! کیا تو یہی جانتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کے قرب کی راہ وہی ہے جو تو نے مجھ سے حاصل کی ہے۔ جا اللہ تعالیٰ بے نہایت ہے اور اس تک پہنچنے کے راستے بھی بے شمار ہیں۔ جس راستے سے میں نے بارگاہِ خداوندی کا قرب حاصل کیا ہے اس کے بارے میں تجھے کیا خبر۔

۱۸۶

ایک روز آپ کے حضور نماز میں خشوع کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے فرمایا کہ علماء کے نزدیک نماز کے اندر خشوع یہ ہے کہ قیام میں سجدہ گاہ پہ، رکوع میں دونوں قدموں پہ اور سجدوں میں ناک کے اوپر نگاہ رکھی جائے لیکن صوفیہ کے نزدیک خشوع یہ ہے کہ نمازی اس درجہ منہمک ہو جائے کہ دیدارِ پروردگار کے شوق میں اپنے دائیں بائیں کی خبر بھی نہ رہے چنانچہ نقل ہے کہ نماز میں حضرت امیرالمؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسمِ مبارک کے گرد ایک سانپ آکر لپٹ گیا لیکن انہیں کوئی خبر ہی نہ ہوئی۔ اور

لہ اس سے معلوم ہوا کہ امتِ محمدیہ ہمیشہ یا رسول اللہ کہتی رہی ہے اور بزرگانِ دین کا بھی ہمیشہ سے یہی معمول رہا ہے۔ کیوں نہ ہو، آخر حبیبِ پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے کون مستغنی ہو سکتا ہے جبکہ انہیں رحمتِ دو عالم بنایا گیا ہے۔

ٹہ آپ کا اسمِ گرامی علی بن حسین بن علی المرتضیٰ ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ولادت باسعادت مدینہ منورہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کی حالت میں تھے کہ آپ کے گھر میں آگ لگ گئی۔ سارا گھر جل گیا یہاں تک کہ آگ مصلّے تک آ پہنچی لیکن انہیں خبر تک نہ ہوئی، حالانکہ لوگ آوازیں دے رہے تھے کہ امام صاحب آگ لگ گئی ہے آگ لگ گئی ہے۔ جب نماز کے بعد امام صاحب سے پوچھا تو فرمایا مجھے آخرت کی آگ کا خیال آیا ہوا تھا۔

۱۸۷

ایک روز مرشدِ کامل نے خانقاہ کے صوفیوں سے کثرتِ ذکر و نوافل اور تہجد و اشراق کے لیے فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ جان کی بازی لگانی چاہیئے تاکہ معاملہ گوشش سے آغوش تک آجائے اور یہ بھی فرمایا کہ میں تو کسی کو نہیں دیکھتا جس نے آستانۂ محبت پر سرِ نیاز جھکایا ہوا ہو۔

۱۸۸

ایک روز یہ بھی فرمایا کہ اگلے اکابر طالبین سے خدمت کے لیے بھی فرماتے تھے کیونکہ خدمت باطنی ترقی کا ذریعہ ہے اور ثوابِ آخرت کا وسیلہ و سبب بھی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک شخص نے اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر گزارش کی کہ مجھے کسی خدمت کا حکم فرمائیے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کے اندر ۳۳ھ (۶۵۳ء) میں ہوئی لیکن احمد صالح ۳۸ھ (۶۵۸ء) بتلاتے ہیں۔ حادثہ کربلا میں شہزادگان حسین میں سے صرف آپ ہی زندہ رہے تھے۔ اس لیے جملہ حسینی سید آپ ہی کی اولاد ہیں۔ نہایت عالم و فاضل اور عابد و زاہد تھے۔ امت کے امام، تابعین کے سردار اور گلشنِ رسول کے سدا بہار گل ہیں۔ امتِ محمدیہ کا آپ گراں قدر سرمایہ اور ہدایت کے لیے روشنی کا مینار ہیں۔ آپ کا وصال ۹۹ھ (۷۱۷ء) میں ہوا جبکہ دارا شکوہ نے سالِ وفات ۹۵ھ (۷۱۳ء) لکھا ہے۔

شیخ نے فرمایا کہ سارے کام دوسرے طالبین کے سپرد کر دیئے گئے ہیں لہٰذا اب ایسی کوئی خدمت باقی نہیں جو تمہارے سپرد کی جائے، مگر یہ کہ جنگل سے ساگ سبزی وغیرہ لے آیا کرو اور یہ کام روزانہ کرتے رہنا۔ وہ شخص روزانہ جنگل جاتا اور اپنے سر پہ ساگ سبزی کی گٹھڑی رکھ کر لاتا۔ ایک روز خواب میں دیکھتا ہے کہ قیامت آگئی اور یوم جزا ہے۔ آگے آگ کا دریا ہے جسے عبور کر کے لوگ جا رہے ہیں۔ اس شخص نے اپنے سر سے گٹھڑی اتاری، اُس آگ کے دریا میں ڈالی اور اس پہ بیٹھ کر بخیر و خوبی اُس آگ کے دریا کو عبور کر گیا۔

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ یہ راستہ مجاہدوں کا ہے۔ بہت زہد چاہیئے اور بڑی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ حضرت ناصر الدین عبید اللہ احرار قدس سرہ نے تیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی تھی، پھر اس مقام تک پہنچے کہ دنیا کے پیشوا ہوئے اور ولایت میں درجۂ کمال حاصل کیا۔ پس جانبازی کے بغیر کمال حاصل کرنا محال ہے۔

حضرت خواجہ ناصر الدین باقی باللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ جو ماسوی اللہ سے منہ پھیرنے والے تھے۔ شب بیداری کرتے اور فرماتے یا الٰہی! رات کو کیا ہو گیا ہے کہ اتنی جلدی گزر جاتی ہے افسوس! یہ تو ذرا سی دیر بھی تو ٹھہرنے کا نام نہیں لیتی، ذرا توقف نہیں کرتی۔

۱۸۹

۱۸۹

ایک روز مرشدِ برحق نے فرمایا کہ اپنے وطن سے سنہ ۱۱۷۴ھ میں دہلی تشریف آیا تھا اور اس وقت میری عمر سترہ یا اٹھارہ سال تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی ولادت باسعادت سنہ ۱۱۵۶ھ میں ہوئی تھی۔ اس بندہ راقم الحروف نے آپ کی ولادت کو نظم کر دیا ہے تاکہ آپ کے مریدوں کو اس میں اشتباہ واقع نہ ہو۔

چو نجم چرخِ ہدیٰ حضرتِ غلام علی	شدہ ظہور فگن در جہاں جہاں بشگفت
سنِ ولادِ شریفش چو جُستِ رافت دل	مہ سپہر ہدایت شدہ طلوع بگفت

لہ جب آسمانِ ہدایت کا ستارا یعنی حضرت غلام علی دنیا میں جلوہ فگن ہوئے تو دنیا کی کلی کھل گئی۔ جب ان کی ولادت شریفہ کے سن کی رافت کو تلاش ہوئی تو دل نے کہا کہ کہدو کہ آسمانِ ہدایت کا چاند طلوع ہوا۔

۱۹۰

ایک روز نسبت کمالات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ نسبت نقشبندیہ مجددیہ اپنی کمال لطافت اور بیرنگی کے باعث احاطۂ ادراک میں نہیں آتی۔ جو اس کمال سے مشرف ہوتے ہیں وہ بھی خود کو محروم اور لاحاصل ہی پاتے ہیں۔ اس مقام کمال تک پہنچنے والوں کا انجام بھی جہالت نکارت ہے۔ حضرت قبلہ مرزا صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ واللہ ثم واللہ! میں اپنے آپ کو سنگریزے کی طرح کمال سے خالی پاتا ہوں جو لوگ میرے نزدیک آتے ہیں، توجہ حاصل کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہر توجہ سے کثیر فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمان جھوٹ نہیں بولتا۔ اسی لئے شاید نسبت کا کوئی اثر میرے اندر موجود ہو۔

مرشدِ برحق دعا میں چند کلمات کا اضافہ کر کے الحمد شریف کو یوں پڑھا کرتے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اِيَّاكَ نَعْبُدُ بِهِدَايَتِكَ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ بِعِنَايَتِكَ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ بِكَمَالِ فَضْلِكَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ وَهُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ٥

اور آپ یہ دعا بھی پڑھا کرتے تھے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ اَضْعَافَ مَا سَبَّحَ لَكَ الْمُسَبِّحُوْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَضْعَافَ مَا حَمِدَ لَكَ الْحَامِدُوْنَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَضْعَافَ كَبَّرَ لَكَ الْمُكَبِّرُوْنَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَضْعَافَ مَا هَلَّلَ لَكَ الْمُهَلِّلُوْنَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اَضْعَافَ مَا مَجَّدَ لَكَ الْمُمَجِّدُوْنَ وَالشُّكْرُ لِلّٰهِ اَضْعَافَ

مَا شَكَرَ لَكَ الشَّاكِرُوْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَافَانِيْ مِمَّا ابْتَلَى الْخَلْقَ بَعْضُهُمْ بِالْاَمْرَاضِ الْبَاطِنَةِ كَالشِّرْكِ وَالنِّفَاقِ وَالْحَسَدِ وَالْكِبْرِ وَالْبُغْضِ وَالْغِيْبَةِ وَالْبِدْعَةِ وَبَعْضُهُمْ بِالْاَمْرَاضِ الظَّاهِرَةِ كَالْبَرَصِ وَالْجُذَامِ وَالْحُمّٰى وَالصُّدَاعِ اَللّٰهُمَّ كُنْ لِّيْ كَمَا كُنْتَ لِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ ارْفَعْ عَنْ قُلُوْبِنَا الْحُجُبَ وَالْاِسْتَارَ السَّاتِرَةَ الْحَاجِبَةَ عَنْ مُشَاهَدَةِ جَمَالِكَ الْمُبَارَكِ يَا اللّٰهُ اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ لَكَ وَاَمِتْنِيْ لَكَ وَاحْشُرْنِيْ لَكَ وَاجْعَلْنِيْ لَكَ كَمَا جَعَلْتَ مُحَمَّدًا لَكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

---

[1] تمام تعریفیں اس خدا کے لئے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ بڑا مہربان ہے رحم کرنیوالا انصاف کے دن کا مالک، ہم تیری ہی عبادت کرتے تیری ہدایت کیساتھ اور تجھ سے ہی مدد چاہیں تیری عنایت کیساتھ، ہمیں اپنے کمال فضل سے سیدھے راستے پر چلا، ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام فرمایا اور وہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے آل و اصحاب ہیں۔ ان لوگوں کے راستے پر نہ چلانا جن پر غضب ہوا یا بہک گئے، یاالٰہی! ایسا ہی کر۔

[2] اللہ پاک ہے اپنی تعریف کیساتھ۔ اللہ پاک ہے عظمت والا اور اپنی تعریف کیساتھ۔ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے تمام گناہوں کی معافی چاہتا اور اسی کی جانب رجوع ہوتا ہوں اور اللہ تعالیٰ درود بھیجتا ہے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے جملہ آل و اصحاب پر اپنی مخلوق کی گنتی، اپنی رضا، اپنے عرش کے وزن اور اپنے کلمات کی گنتی کے برابر۔ اللہ کے لئے پاکی ہے دوگنی اس سے جتنی تسبیح بیان کرنیوالوں نے بیان کی۔ حمد ہے اللہ تعالیٰ کے لئے دوگنی اس سے جتنی حمد کرنیوالوں نے بیان کی۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے، اس کیلئے دوگنی تکبیر ہے اس سے جو بڑائی ہے کرنیوالوں نے کی۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، پس اس سے دوگنی تہلیل جو تہلیل بیان کی گئی۔ ہم میں نہ کوئی طاقت ہے اور نہ قوت مگر اللہ کیساتھ اور اس سے دوگنی کبریائی اس کیلئے جو بیان کی گئی ہے شکر ہے اللہ کا اور دوگنا اس سے جو شکر ادا کرنیوالوں نے کیا۔ سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے بچایا ان چیزوں سے جن میں مخلوق مبتلا ہے، بعض ان میں سے باطنی امراض میں جیسے شرک نفاق حسد کبر بغض، غیبت اور بدعت اور بعض ظاہری امراض میں جیسے برص، جذام، بخار اور سردرد۔ اے اللہ! میرے لئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

مرشدِ برحق نے یہ بھی فرمایا کہ مرشدی مولانا حضرت مرزا صاحب قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صوفی کو چاہیے کہ اس بات کا خیال رکھے کہ لوگ اسے جو ایذا پہنچاتے ہیں اس کا اثر دل میں کتنی دیر رہتا ہے۔ اگر ایک دو گھڑی رہے تو خیر ہے اور اگر پوری رات رہے تو اسے از سرِ نو توبہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ اس کے باطن میں نسبت کے نور نے ابھی بالکل اثر نہیں کیا ہے۔

۱۹۱

ایک روز مرشدِ کامل نے کمالاتِ نبوت کی نسبت اور اس اونچے مقام کی بے رنگی کے بارے میں کہ ادراک کا دامن وہاں پہنچنے سے کوتاہ ہے اور اس منزل تک پہنچنے کے لیے جہالت اور نکارت کے سوا کوئی اور راستہ نہیں ہے، یہ شعر پڑھے۔

بس بے رنگست یار دل خواہ ای دل | قانع نشوی بہ رنگ ناگاہ اے دل
اصل ہمہ رنگہا ازاں بے رنگست | من احسن صبغۃ اللہ اے دل

۱۹۲

ایک روز مرشدِ برحق نے یہ دعائے ماثورہ پڑھی:۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ وَحُبَّ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) البیابی (مہربان) ہو جا حبیب اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہوا اے اللہ! ہمارے دلوں سے وہ حجاب اور پردے ہٹا دے جنہوں نے تیرے مبارک جمال کے مشاہدے سے روکا ہوا ہے اے اللہ! الٰہی مجھے اپنے لئے زندہ رکھ، اپنے لئے موت دینا اپنے لئے محشور کرنا اور مجھے اپنے لئے ایسے بنا دے جیسے تو نے سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے لئے بنایا۔

[1] اے دل! وہ دل پسند یار بڑا بے رنگ ہے۔ جلدی میں کہیں رنگ پہ قناعت نہ کر جانا۔
تمام رنگوں کی اصل یہی بے رنگی ہے۔ اے دل! اللہ کے رنگ سے خوب صورت کس کا رنگ ہے۔

مَنْ یُحِبُّکَ وَ حُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّکَ اور فرمایا کہ پہلے جملے اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ سے مراقبہ کی جانب اشارہ معلوم ہوتا ہے اور دوسرا جملہ رابطہ (شغلِ برزخ) سے کنایہ معلوم ہوتا ہے اور تیسرے جملے سے ذکر کی رمز مفہوم ہوتی ہے۔ جیساکہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو تعلیم دینے کی غرض سے ارشاد فرمایا ہے۔

۱۹۳

ایک روز مرشدِ کامل نے فرمایا کہ ایک روز اپنے خیال میں خانۂ کعبہ جارہا ہوں کہ وہاں صاحبِ خانہ کو تلاش کروں اس کے بعد بیت المقدس جاتا ہوں کہ وہاں صاحبِ خانہ کو تلاش کروں، پھر اسی کی تلاش میں بیت المعمور جاتا ہوں۔ پھر عرشِ اعظم پہ صاحبِ عرش کو ڈھونڈنے جاتا ہوں۔ پھر اور اوپر چلا جاتا ہوں یہاں تک کہ اپنے محبوب کو پالیتا ہوں اور سراپا چشم ہوکر اس کی گردِ پا سے ملتا ہوں اور اپنی پیشانی کو اس کے حضور سجدے کرنے کے لیے اس طرح وقف کر دیتا ہوں کہ خود فانی ہوجاتا ہوں، پھر باقی ہوجاتا ہوں، پھر فانی ہوجاتا ہوں اور اسی طرح اپنے دلِ مہجور کو تسلی دیتا ہوں۔ پھر مرشدِ برحق نے یہ شعر پڑھا

زنا توانی خود ایں قدر خبر دارم[2]
کہ از رخش نتوانم کہ دیدہ بردارم

۱۹۴

ایک روز حضورِ پُرنور میں حضرت شاہ اشرف جہانگیر قدس سرہٗ کا ذکر آیا۔ مرشدِ برحق نے

---

[1] اے اللہ! مجھے اپنی محبت نصیب فرما اور اس کی محبت جو تجھ سے نسبت رکھتا ہے اور ایسا عمل میرے لیے لازم کردے جو مجھے تیری محبت کے نزدیک کر دے۔
[2] اپنی ناتوانی کے بارے میں اتنی ہی خبر رکھتا ہوں کہ اس کے رخسار سے اپنی نگاہ اٹھا نہیں سکتا۔

فرمایا کہ ایک شخص نے از راہِ تمسخر ان سے کہا کہ آپ کا نام جہانگیر ہے۔ انہوں نے غصّے سے فرمایا کہ میں جہانگیر نہیں ہوں بلکہ جانگیر ہوں (یعنی جان لینے والا)۔ وہ شخص اسی وقت مر گیا ——
ایک روز راستے میں ان پہ اژدہا نے حملہ کر دیا۔ انہوں نے اپنی لاٹھی زمین پہ ڈال دی جو حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عصا کی طرح اژدہا بن گئی اور اس نے اپنے حریف کو ہلاک کر دیا۔

۱۹۵

۱۴ محرم الحرام ۱۲۳۱ھ کو مرشدِ گرامی قدر نے راقم سطور کو کمالاتِ نبوت کا مراقبہ تلقین فرمایا اور اس سے پہلے چند روز عنصرِ خاک پہ توجہ فرماتے رہے اور یہ فقیر اس کا اثر اپنے اندر محسوس کرتا رہا۔ چنانچہ یہ گزارش آپ کے حضور پیش کر دی گئی ہے۔ محرم کے آخر میں مرشدِ کامل کی طبیعت بخار کے باعث ناساز ہو گئی۔ بخار بڑھتا ہی جاتا تھا۔ راقم الحروف جب بھی حاضر ہوتا تو دیکھتا کہ شدتِ مرض کے اندر بھی اللہ تعالیٰ کے ذوق و شوق میں مصروف ہیں۔ شدتِ بخار کے باعث جتنا بھی اضطراب بڑھتا اسی قدر آپ کو لذت اور راحت محسوس ہوتی تھی۔ کبھی فرطِ اشتیاق میں دونوں بازوؤں کو کشادہ کر کے اپنے خیال میں محبوبِ حقیقی کو آغوش میں لیتے اور کبھی اپنے آپ کو اس کی بارگاہ میں حاضر جان کر لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ فَقَدْ طَالَ مَا قَضَيْتَ[1] کے الفاظ زبان پہ لاتے اور بے ہوش ہو جاتے۔ کبھی کبھی اس مرض میں یہ شعر پڑھتے۔

لولاك لما قتلت والله[2]

والله لما قتلت لولاك

---

[1] میں تیری بارگاہ میں دل و جان سے حاضر ہوں تو نے اپنا فیصلہ لمبا کر دیا ہے۔

[2] اگر تو نہ ہوتا تو خدا کی قسم میں قتل نہ ہوتا۔ خدا کی قسم میں قتل نہ ہوتا اگر تو نہ ہوتا۔

۱۹۶

ایک روز اسی مرض میں فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائیگا میں بیمار پڑا تھا تو نے میری عیادت کیوں نہ کی۔ بندہ عرض کریگا کہ الٰہی! تیری بلند بالا ذات تو مرض اور سقم سے پاک ہے۔ اللہ جل مجدہٗ فرمائے گا کہ فلاں شخص بیمار ہوا تھا، اگر تو اس کی مزاج پرسی کے لئے جاتا تو مجھے پالیتا کیونکہ میں اُس کے پاس تھا۔ مرشدِ کامل نے فرمایا کہ دیکھو بیماری میں کیسی عجیب نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی مریض کے پاس ہوتا ہے پھر آپ بڑے ذوق و شوق کے ساتھ یہ شعر زبان پر لائے :-

دمیؒ کہ یار گزارد قدم بخانۂ ما
سزد کہ کعبہ شود سنگِ آستانۂ ما

حیف ہے مریض پر جو مرض سے شفا چاہتا ہے اور اسی وجہ سے اس کے حصے میں ملامت آتی ہے اور اپنے محبوب کی ہمنشینی سے محروم ہوجاتا ہے لیکن دعائے صحت کرنا سنت کے اتباع میں ہے۔ آپ نے بیماری کے ایام میں صحتِ مرض کے لئے دعا نہ فرمائی اور نہ کسی کو دعا کرنے کا حکم دیا۔ ہر چند کہ لوگوں نے ختمِ بخاری اور ختم حضرات خواجگان قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہم کے لئے اجازت طلب کی تھی۔ مگر آخری روز کہ بخار کی پانچویں باری تھی۔ فرمایا آج میرے دل میں آتا ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں شفا کی دعا کروں۔ پس دعا کا ثمرہ ظاہر ہوا اور پھر بخار نہ آیا۔

۱۹۷

ایک روز اسی دوران میں فرمایا کہ ۸ صفر بروز ہفتہ یعنی صحت یاب ہونے کے ایک

لہ جتنی دیر یار کے قدم میرے غریب خانے میں رہیں۔ سزاوار ہے کہ میرا سنگِ آستانہ کعبہ ہو جائے۔

دو روز بعد میرے دل میں آتشِ دوزخ کا خوف طاری ہُوا کہ بے حد مغموم ہو گیا دیکھا کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دوزخ کی آگ سے نہ ڈرو کیونکہ جس کو میری محبت ہے وہ دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا۔

ابتدائے مرض میں جبکہ بخار کا ابھی پہلا دن تھا تو معارف آگاہ، جامع علومِ عقلی و نقلی یعنی مولوی بشارت اللہ صاحب حاضر خدمت ہوئے جو مرشدِ برحق کے اجل خلفاء سے ہیں۔ مرشدِ کامل ان کے آنے سے بہت خوش ہوئے اور اپنے دولت خانہ سے حضرت قبلہ مرزا صاحب کے مزارِ پرانوار تک ان کے استقبال کے لئے گئے۔ پھر انہیں اپنے دولت کدے پر لائے اور بہت نوازشات فرمائیں اور کہا کہ خدا کا شکر ہے، تم یہاں سے جتنی نسبت لے گئے تھے اس سے زیادہ لائے ہو۔ میں تم سے راضی ہوں اور اپنی کلاہِ رضا بھی انہیں مرحمت فرمائی حالانکہ قبل ازیں کسی کو آپ نے اپنی کلاہِ رضا عنایت نہیں فرمائی تھی۔

۱۹۸

۱۰ صفر ۱۲۳۱ھ کو مرشدِ گرامی قدر نے مولوی محمد عظیم صاحب اور مولوی شبیر محمد صاحب کو کمالاتِ اولوالعزم کے مراقبے کی تعیین فرمائی نیز اس نالائق کار۔ بندۂ گنہگار کو بھی اسی کمالاتِ اولوالعزم کے مراقبے کی تلقین فرمائی گئی۔

۱۹۹

۱۹ صفر المظفر ۱۲۳۱ھ ـــــــــ بدھ

یہ غلام حضورِ فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ مرشدِ برحق اس وقت صحیح بخاری شریف کا درس دے رہے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں سبحان اللہ اور الحمد للہ وغیرہ پڑھتا ہوں اور ان کا ثواب سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی روح پر فتوح کی نذر کر دیتا ہوں ایک روز سہواً مجھ سے یہ چیزیں ترک ہو گئیں تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے

اور فرمایا کہ ہمارا ہدیہ کیوں نہیں بھیجا اور اسی شکل و صورت میں آپ کا مشاہدہ کیا تھا جیسا
کہ ترمذی شریف نے روایت کیا ہے ــــــ آپ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
کے کھڑے ہونے کی جگہ بھی بتائی یعنی دالانی چبوترے کے نیچے، مرشدِ کامل جہاں استقامت
رکھتے ہیں گویا مغربی زینے کے متصل دو انگشت اور ایک چپہ مغرب کی جانب۔

یہ بھی فرمایا کہ دوسرے روز بھی سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا
کہ آپ تشریف لائے ہیں۔ میں نے حدیث مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ کے بارے میں پوچھا
کہ کیا یہ صحیح ہے۔ میری بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
نے فرمایا کہ اسی طرح ہے۔ پس عارفِ آگاہ، مولوی بشارت اللہ بہرائچی سلمہ اللہ تعالیٰ نے
آپ سے اس حدیث کی اجازت چاہی تو مرشدِ کامل نے اجازت عطا فرما دی۔

فرمایا کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے شوق میں محوِ گریہ و
زاری تھا۔ یہاں تک کہ ہلاک ہونے تک نوبت پہنچ گئی اور ایسا عمل ظاہر سنت کے لحاظ سے
ممنوع ہے۔ جس کے باعث میرے دل میں ظلمت بھی آئی۔ اچانک مجھے نیند آ گئی اور میں نے
میر روح اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھا جو مرزا صاحب قبلہ قدس سرہٗ کے دوست تھے
کہ وہ آئے اور کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمہارے انتظار میں بیٹھے ہیں۔
میں بڑے شوق میں لپک کر حاضرِ بارگاہ میں ہو گیا تو سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
وسلم نے مجھ سے معانقہ فرمایا۔ معانقے تک تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی شکل و
صورت میں تھے لیکن معانقے کے بعد دیکھا تو آپ حضرت سید امیر کلال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
کی شکل میں ہو گئے۔ اس کے بعد مرشدِ برحق نے یہ شعر پڑھا۔

شویم گرد[1] و بدنبالِ توسنش افتم
دگر برای چہ روز ست خاکساری ما

---

[1] میں گرد و غبار بن کر اس کے گھوڑے کے پیچھے دوڑوں میری خاکساری اور کس روز کے لئے ہے۔

۲۰۰

فرمایا کہ ایک روز میں نمازِ عشاء سے پہلے سو گیا۔ دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
تشریف فرما ہوئے اور نمازِ عشاء سے پہلے سونے سے منع فرمایا کہ ایسا کرنے والے پر وعید
فرمائی ــــــ اس کے بعد مرشدِ کامل نے راقمِ سطور کو ۱۲۳۲ھ کے ماہ صفر کے آخر میں
جمعۃ المبارک روز بعد نمازِ جمعہ رامپور جانے کی اجازت مرحمت فرمائی اور پیرانِ عظام نقشبندیہ،
قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ کی ارواح کے لیے علیحدہ علیحدہ فاتحہ پڑھی اور دوبارہ چاروں طریقوں
کی اجازت مرحمت فرمائی اور رخصت کیا۔ اس وقت مجھ ناچیز پر حقیقتِ قرآنی کی وظلیہ نگرانی تھی
جب رامپور میں آیا تو سات ماہ تک اپنے غریب خانہ پر رہا اور اپنے اوقات کو ذکر و مراقبہ سے
معمور رکھا۔ صبح و عصر کے بعد حلقہ ہوتا اور طالبین کو توجہ دیتا۔ اس عرصے کے اندر مرشدِ برحق
کے مکتوباتِ گرامی اس کمترین درویشاں کے نام آتے رہے جن میں بندہ کے باطنی حالات اور
یارانِ طریقت کے ورود کے متعلق استفسار فرمایا جاتا۔

پھر اسی سالِ مذکور کے ماہِ شوال میں پروانہ بھیج کر راقمِ سطور کو طلب کیا گیا۔ چنانچہ
حکمنامے کو سر آنکھوں پر رکھ کر دہلی تشریف گیا اور مرشدِ کامل کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا۔ مرشدِ
برحق بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ میں تیرے باطن کی ترمیم کرتا ہوں۔

چند روز کے بعد اخوت پناہ، عرفان دستگاہ، مولوی بشارت اللہ بہرائچی و سراپا نور
مرزا عبد الغفور و معرفت نشان شیخ خلیل الرحمن سلمہم اللہ تعالیٰ اور سب کی اس خاکِ پا راقم
الحروف کو لطیفۂ قلب سے توجہ فرمائی اور کئی ماہ تک۔ بندہ کو بھی حقیقتِ کعبہ تک ان
تینوں احباب کے ساتھ رکھا اور توجہ فرماتے رہے۔ اس کے بعد مولوی بشارت اللہ صاحب
کو بہرائچ کی طرف رخصت فرمایا۔ مرزا عبد الغفور صاحب کو خورجہ کے لئے رخصت کیا
اور اکیلے اس بندہ ناچیز کو حقیقتِ کعبہ سے آخری مقامات تک توجہات فرمائیں جو

سلوک مجددیہ کی لطیفین بلا تعین کے نام سے موسوم ہیں اور ہر مقام کے مراقبے تلقین کیئے اور اس درجہ اُونچی بشارتوں سے اس بندۂ ناچیز کو سرفراز فرمایا جن کی لیاقت نہیں رکھتا۔ اپنی کلاہِ رضا سے سرفراز کر کے حلقہ اور برادران طریقت و پیران باسلیقہ کو دینے کا حکم فرمایا۔

دو ماہ تک خانقاہِ مرشدِ کامل کی مسجد میں حلقہ و توجہ کا اہتمام کرتا رہا اور مراقبۃ الوصول کے نام سے ایک رسالہ بھی لکھا، جس کے اندر مراقبات کا بیان ہے اور ہر مقام کے حالات و اسرار اپنے کشف اور اپنے فہم کے مطابق سپردِ قلم کیئے ہیں۔ یہ رسالہ مرشدِ برحق کی خدمت میں پیش کیا۔ مرشدِ گرامی قدر بہت خوش ہوئے اور اپنی زبان مبارک سے ایسی بشارتیں سنائیں کہ ان عالی قدر الفاظ کو اپنے قلم سے لکھتے ہوئے شرم آتی ہے کیونکہ میں ان کی لیاقت نہیں رکھتا ——— اس کے بعد مرشدِ کامل نے جمادی الثانی ۱۲۳۲ھ میں بندہ کو شہر کوئٹہ اور سرونج کی جانب رخصت فرمایا کہ وہاں طالبین کو طریقہ (نقشبندیہ مجددیہ) کی تلقین کی جائے۔ بندہ نے مرشدِ برحق کے قدم چومے اور کوئٹہ کی جانب روانہ ہوگیا۔ و صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔ ربنا لا تؤخذنا ان نسینا و اخطانا ربنا ولا تحمل علینا اصراً کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکفرین۔ اَللّٰھُمَّ اغفرلنا وارحمنا وعافنا وارزقنا واصبرنا ولوالدینا ولجمیع المومنین و المومنات والمسلمین والمسلمات۔ وصل علی نبیك المصطفیٰ وآلہ بدور التقی واصحابہ نجوم الھدیٰ وسلم تسلیما کثیراً کثیراً برحمتك یا ارحم الرّٰحِمِیْنَ۔

عرضِ مترجم

الحمد للہ حمداً کثیراً کہ یہ سراپا معصیت اور بے کمالی کا مرقع آج درالمعارف جیسے علم و عرفان کے جواہر پارے کو فارسی سے اُردو کا لباس پہنانے میں کامیاب ہو گیا یہ خدائے ذوالمنن کا کرم، رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظرِ عنایت اور بزرگانِ دین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا فیضان ہے کہ اس مجموعے کا اُردو ترجمہ اچھوتے انداز میں آ رہا ہے اور مزید کتنی ہی معلومات اپنے دامن میں سمیٹ کر لا رہا ہے۔

ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنا کبھی دشوار گزار کام ہے اس کا اندازہ صرف وہی حضرات کر سکتے ہیں جنہیں اس مرحلے سے گزرنا پڑا ہو۔ کیونکہ ہر زبان کا اپنا ادب اور اپنا اسلوبِ تحریر و تقریر ہے، اس لئے مترجم کے لئے کتنے ہی مقامات پر الفاظ کو چھوڑ کر مفہوم کا ساتھ دینا ہی مناسب ہوتا ہے۔ احقر نے تو بساط بھر یہی کوشش کی ہے کہ ترجمہ ہر لحاظ سے مناسب انداز میں منصۂ شہود پر آئے لیکن اس مقصد میں کہاں تک کامیابی ہوئی اس کا اندازہ قارئینِ کرام ہی کر سکتے ہیں۔

امید ہے کہ قارئین اس سراپا معصیت کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گے اور ناشر کی معرفت اپنے مفید مشوروں اور راقم الحروف کی غلطیوں سے مطلع فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حقیر سراپا تقصیر بندے کی اس ناچیز کاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازے اسے میرے لئے توشۂ آخرت، کفارۂ سیئات اور ذریعۂ نجات بنائے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

گدائے درِ اولیاء، محمد عبدالحکیم اختر

مجددی مظہری شاہجہانپوری۔ لاہور

۱۲ شعبان المعظم ۱۳۹۹ھ

۸ جولائی ۱۹۷۹ء